# شکووں کے جواب

مجیب مسکین علی شرف الدین

دار الثقافة الإسلامية باكستان

ACC No. 11,023 Date 4/2/10
Section ...... Status ......
D.D. Class ...... مناظرہ
NAJAFI BOOK LIBRARY
KARACHI
PH. 7211795

# شکوؤں

# کے

# جواب

مجیب مسکین علی شرف الدین

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

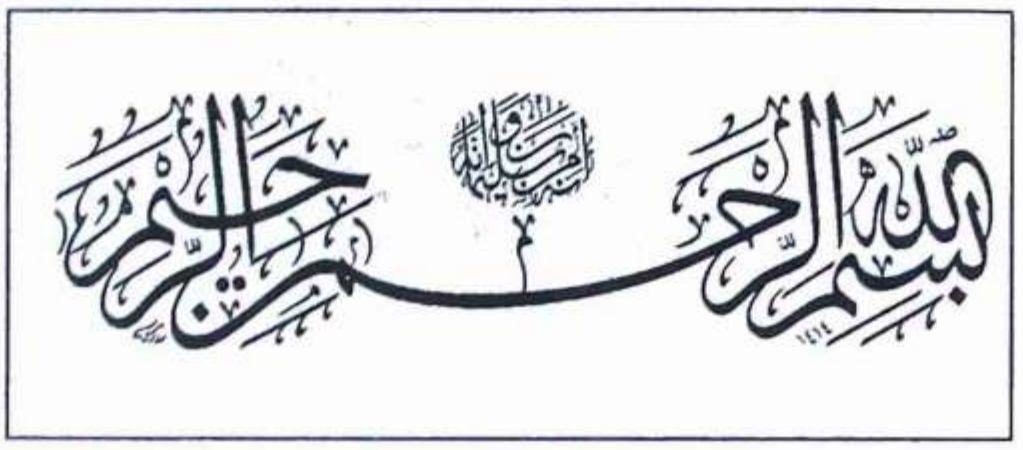


جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں


نام کتاب.....شکووں کا جواب

مولف.....علی شرف الدین موسوی

ناشر.....دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

طبع اول.....محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

قال لابنه على بن الحسين عليهما السلام

أیْ بنیّ ایَّاکَ وَ

ظُلْم مَنْ لا یَجِد

عَلَیْک ناصِراً

الا الله جلَّ وَ عَزَّ

[کلمة الامام الحسین : شهید سید حسن شیرازی ص ۳۳۷ نقل از تحف العقول ۲۴۶]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## تمہید :

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِی أَنزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا﴾ ۱ و نصلی و نسلم علیٰ محمدؐ و علیٰ آله کماقال اللّٰہ تعالیٰ فی کتابه : ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ ۲ وقال فی شأنِ امته : ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ ۳ وقال ربنا سبحانه وتعالیٰ : ﴿ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ ۴ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴾ ۵

[اللّٰھُمَّ اِنَّا نَرْغَبُ اِلَیْکَ فِیْ دَوْلَةٍ کَرِیْمَةٍ تُعِزُّ بِھَا الْاِسْلَامَ وَاَھْلَه وَتُذِلُّ بِھَا النِّفَاقَ وَاَھْلَه وَتَجْعَلُنَا فِیْھَا مِنَ الدُّعَاۃِ اِلیٰ طَاعَتِکَ وَالْقَادَۃِ اِلیٰ سَبِیْلِکَ ] ۶

---

۱ ''سب تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جس نے نازل فرمائی اپنے بندہ پر یہ کتاب اور نہیں رکھی اس میں کوئی کجی'' ۔ (کہف ۱) ۲ ''بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبیؐ پر۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو ان پر اور خوب سلام بھیجا کرو'' ۔ (احزاب ۵۶) ۳ ''اور اسی طرح بنا دیا ہے ہم نے تم کو ایک امتِ معتدل تا کہ بنو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا'' ۔ (بقرہ ۱۴۳) ۴ ''پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے'' ۔ (اعراف ۵۵) ۵ ''یقیناً وہ لوگ جو گھمنڈ میں آکر منہ موڑتے ہیں میری عبادت سے وہ ضرور داخل ہوں گے جہنم میں ذلیل وخوار ہوکر'' ۔ (مومن ۶۰) ۶ ''اے خدا! ہم پوری پوری توجہ کے ساتھ ایک اچھی بڑی حکومت کے سلسلے میں تجھ سے آس لگائے بیٹھے ہیں، ایسی حکومت جس کے باعث تو اسلام اور مسلمانوں کو عزت وشوکت فراہم کرے، جس کے باعث تو ظالمین ومنافقین کو ذلیل کردے جس میں تو ہمیں تیری اطاعت کے سلسلے میں تبلیغ کرنے والا اور تیری راہ کی جانب رہنمائی کرنے والا بنا دے'' ۔

حمد وستائش اس ذات بابرکت کیلئے مختص ہے جس نے اپنے آخری نبی پر ایک ایسی کتاب نازل کی جس کے بارے میں فرمایا کہ ہم نے اسے نصیحت کیلئے آسان کر دیا :

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴾ ''اور بلاشبہ آسان بنادیا ہے ہم نے اس قرآن کو نصیحت کیلئے سو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟'' (قمر ۱۷)

جو ہر قسم کی کجی اور غلط بیانی سے پاک ومنزہ ہے، حمد وستائش اس ذات کیلئے مخصوص ہے جس نے اس کتاب کی تعلیم وتربیت اور بیان وتفسیر کو پہلے مرحلے میں اپنے نبی کریم ختم المرتبت کی ابتدائی ذمہ داریوں میں سے قرار دیا :

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ﴾ ''وہی ہے جس نے اٹھایا اُمّیوں میں ایک رسول خود انہی میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے ان کو اللہ کی آیات اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے'' (جمعہ ۱)

حمد اس ذات کیلئے ہے جس نے رہتی دنیا تک انسانیت کی ہدایت کیلئے اس کتاب کے بعد اپنے نبیؐ کے کردار وگفتار اور سکوت وخاموشی کو بھی حجت ودلیل قرار دیا ہے :

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے'' (احزاب ۲۱)

خداوند متعال نے اپنی کتابِ عزیز میں ہر دور کے ضال وگمراہ، مفاد پرستوں اور بہانہ بازوں اور حیلہ بازوں کو چیلنج کیا ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کتاب جیسی کوئی کتاب بنا کے لاؤ :

﴿وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ﴾ ''اور اگر ہے تم کو شک اس کے بارے میں جو ہم نے نازل کیا اپنے بندے پر تو بنالاؤ ایک ہی سورت اس کی مانند۔'' (بقرہ ۲۳)

قرآن کریم نے اہل باطل، موقع پرست اور مفاد پرست انسانوں کے ساتھ مقابلہ ونبرد آزمائی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ دورِ نبی کریم ﷺ تک مخصوص نہیں تھا بلکہ ہر اس مسلمان کیلئے ہے جو کتابِ خدا کی حقانیت پر محکم یقین رکھتا ہے اور اس کے سرچشمے سے اپنی تشنگی بجھانے اور جہل ونادانی کو دور کرنے کا خواہاں ہے، ایسے افراد کو چاہیے کہ وہ اپنے مدِ مقابل کو مقابلہ ومجادلہ کی دعوت دیں کیونکہ جس چیز سے نبی

کریمؐ نے فریقِ مخالف کو مقابلہ بالمثل کی دعوت دی ہے وہ اس وقت بھی ہم مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ حمد وستائش اس ذات کیلئے ہے جس نے کتاب وسنت اور سیرت نبیؐ کے مرکب کو دینِ اسلام کی اصل گردانا ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِى لِلَّتِى هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيرًا﴾ ''بلاشبہ یہ قرآن راہ دکھاتا ہے ایسی جو بالکل ہی سیدھی ہے اور بشارت دیتا ہے مومنوں کو جو کرتے ہیں اچھے کام کہ یقیناً ان کیلئے ہے بڑا اجر''۔ (اسراء ۹)

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ ''اور جو کچھ دے تمہیں رسول سو اسے لے اور جس سے روک دے پس رک جاؤ (اس سے) اور ڈرو اللہ سے بلاشبہ اللہ بہت سخت ہے سزا دینے میں''۔ (حشر ۷)

حمد وستائش اس ذات کیلئے ہے جس نے اسلام کو ہمارے لئے دین قرار دیا اور اسے ہر قسم کی زور گوئی، قدرت نمائی، تہمت وافتراء سے پاک ومنزہ دین قرار دیا:

﴿اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ ''بلاشبہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے اور نہیں اختلاف کیا (اس دین سے) ان لوگوں نے جنہیں دی گئی کتاب''۔ (آل عمران ۱۹۔۸۵)

شکر ہے اس ذاتِ منعم ومحسن کا جس نے اپنے نبی کے دنیا سے رخصت ہو جانے سے پہلے دینِ اسلام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور اسے ہر قسم کے نقص اور خامی سے بالاتر رکھا۔

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا﴾ ''آج مکمل کر دیا ہے میں نے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین'' (مائدہ ۳)

شکر ہے اس ذات کیلئے جس نے ہمیں غالیوں اور نصیریوں کی خیال بازی، وہم گیرائی اور فرسودگی کی بے ہودہ غلاظتوں سے نجات دیکر منہل ومشرب کتاب وسنت کے ساحل تک پہنچایا ہے، اس طیب وطاہر اور گوارا سرچشمہ کے کنارے تک پہنچنے کے بعد دوبارہ غلاظتوں کی آلودگیوں سے مس ہونا بعید از قیاس

ہے چنانچہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

''جب تک ان دونوں سے تمسک رکھو گے گمراہ نہ ہو گے''۔(حدیث ثقلین)

خداوند متعال کا شکر ہے کہ جس نے بڑھاپے اور زندگی کے آخری لمحات میں اپنی کتابِ عزیز سے وابستہ رہنے اور سنت نبی کریمؐ سے آگاہی حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کا شیدائی و پیروکار بنایا علاوہ ازیں ہر قسم کی خرافات، جعلیات اور شعر و شعراء پرستی سے دینی مجالس و محافل کو آلودہ کرنے والوں سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ اور ہمت عنایت کی تا کہ یہ کہہ سکیں :

﴿ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴾ ''آپ کہہ دیجئے: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو'' (بقرہ ۱۱۱)

ہمیں اپنی ذاتی صفت اور حسب و نسب پر فخر و ناز نہیں بلکہ ہم اپنے آپ کو جاہل و نادان ہونے کے علاوہ فرزندِ جاہل و فرزندِ امی صفت انسان سمجھتے ہیں تاہم دین اسلام اور کتابِ خدا سے وابستگی پر ہمیں فخر و ناز ہے، ذات اقدس و مہربان کی بارگاہ میں التجاء و ندا ہے کہ موت کے وقت کلماتِ قرآن :

﴿ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴾ ''خبردار! تم مسلمان ہی مرنا''۔(بقرہ ۱۳۲)

پر پورا اترتے ہوئے ندائے الٰہی پر لبیک کہنے کی توفیق عطا فرمادے اور اسی طرح جب قیامت کے دن صدائے حق :

﴿اقْرَاْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾ ''پڑھ اپنا اعمالنامہ کافی ہے تو خود ہی آج اپنا حساب لگانے کیلئے''۔(اسراء ۱۴)

سنوں تو یہ کہہ سکوں :

﴿هَاؤُمْ اقْرَئُوا كِتَابِى ﴾ ''آؤ دیکھو! اور پڑھو میرا عمالنامہ''۔(الحاقہ ۱۹)

خداوندا ! یہ تیرے نبیؐ کا چھوڑا ہوا دین ہے جس کے ماننے والوں نے تیرے نبیؐ کی وصیت اور سفارش کو نظر انداز کر کے، قرآن و سنت کو ترک کر دیا ہے جسے احکام مصدر و مآخذ قرار دینے کی تاکید کی گئی تھی اور اب اس دین کا حشر بھی دین یہود و نصاریٰ سے مختلف کوئی نئی مثال پیش نہیں کر رہا ہے بلکہ معاشرے میں رائج دین ہندوؤں، سکھوں، یہودیوں، مسیحیوں اور مجوسیوں کے دین کی رسومات و خرافات کا مجموعہ بنا ہوا ہے کیونکہ مسلمانوں نے ایک عرصے سے اپنے امام و مقتداء اور شافع و مشفع قرآن کریم کو

مہجور چھوڑ رکھا ہے جیسا کہ کتاب ''میزان الحکمۃ'' حدیث (۱۶۲۲۳) میں آیا ہے:

[وکل امۃٍ قدرفع اللہ عنھم علم الکتاب حین نبذوہ وولاّھم عدوّھم حین تولّوہ، وکان من نبذھم الکتاب ان اقاموا حروفہ وحرّفوا حدودہ] ''ہر وہ امت جو علم کتاب کو چھوڑ دے گی اور اپنے دشمنوں کو خوش کرے گی اس پر عمل کی بجائے اس کی تزئین وآرائش کی طرف توجہ مرکوز کر دے گی تو اس سے علم اٹھ جائے گا''۔

خدا گواہ ہے کہ اس وقت دین، منبر ومحراب اور معاشرے سے نکل کر رسومات وانحرافات اور خرافاتی گرد وغبار کے تہہ خانوں میں دب چکا ہے ان پُرفتن حالات سے بچاؤ کیلئے کشتی نجات قرآن ہے نبی کریمؐ نے فرمایا:

[فاذاالتبست علیکم الفتن کقطع اللّیل المظلم فعلیکم بالقرآن] ''اگر فتنے گھپ اندھیرے کی طرح تم پر چھا جائیں تو قرآن کے دامن میں پناہ لو''[1]

اب اس گرد وغبار اور خرافات کے ڈھیر کو آسانی سے دور نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ہر قسم کی ذلت و حقارت کو برداشت کرنے کیلئے آمادہ نہ ہوا جائے چنانچہ بہت سے عماموں کو دین کے چہرے سے گرد وغبار صاف کرنے والا کپڑا بنانے کی ضرورت ہے حد تو یہ ہے کہ دین کے گرد وغبار کی صفائی کیلئے اپنے عمامے کو جھاڑو بنانے کے بعد برہنہ سر ہو جانے والے کو مجرم سمجھا جانے لگا ہے:

﴿وَیَاقَوْمِ مَا لِی اَدْعُوکُمْ اِلَی النَّجَاۃِ وَتَدْعُونَنِی اِلَی النَّارِ﴾ ''اور اے میری قوم کے لوگو! یہ کیا ماجرا ہے کہ بلاتا ہوں میں تمہیں نجات کی طرف اور دعوت دیتے ہو تم مجھے آگ کی طرف''۔ (غافر ۴۱)

لیکن یہ بات یقینی ہے جو یہاں کی خود ساختہ عدالتوں کے مجرم ہوتے ہیں وہ وہاں کی عدالت گاہ میں سرخ رو ہو جاتے ہیں جہاں نہ فدیہ وسفارش ہے اور نہ ظلم وزیادتی۔

خداوندا! جو اس دنیا میں اہل باطل کے نزدیک مجرم ہے وہ تیری درگاہ میں بری ہے، ہم تیری بارگاہ میں جس طرح اس دنیا میں باطل وانحراف سے برأت کے خواہاں ہیں اسی طرح آخرت میں بھی تیرے

---

[1] [میزان الحکمۃ حدیث ۱۶۱۰۹]

قہر وغضب کی عتاب گاہوں سے امان کے خواہشمند ہیں۔ خداوندا! فرد، گروہ کا شکوہ وشکایت میرے لئے سہل وآسان ہے کیونکہ اسے تیری درگاہ میں پیش کررہا ہوں:

﴿قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِيٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ ''یعقوبؑ نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ میں فریاد کرتا ہوں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی اللہ کے حضور'' (یوسف ۸۶)

میں اس ملک کے اندر وباہر کسی کو اپنا مخالف اور دشمن نہیں دیکھتا ہوں کیونکہ کسی نے میرا کوئی سیاسی و اجتماعی اور اقتصادی حق نہیں چھینا ہے بلکہ ہمارا ہر اس انسان سے فکری وعقیدتی اختلاف ہے جو اس ملک میں قرآن کریم اور سنت رسولِ عظیمؐ کی بالادستی کی مخالفت کرتا ہے۔

عقلاء کیلئے یہ بات واضح وروشن ہے کہ فکری جنگ میں اسلحہ دلیل وبرہان ہی ہوتا ہے نہ کہ سبّ وشتم اور تہمت وافتراء وغیرہ، اگر کوئی غیر مناسب اسلحہ استعمال کرنے کا خواہش مند ہے تو استعمال کرے، ہم قرآن کے احکامات کو پسِ پشت ڈالنے کی بجائے ان کو معاشرے میں زندہ وجاوید کرنے کے خواہاں ہیں:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوا﴾ ''اور نہ باعث بنے تمہارے لئے دشمنی، کسی قوم کی کہ نہ کرو تم انصاف'' (مائدہ ۸)

یہ صفحات ان اعتراضات، شکوک وشبہات اور شکایات کے جوابات کا مجموعہ ہیں جن کا ہمیں ملک کے گوشہ وکنار اور بیرون ملک مقیم لوگوں کی طرف سے زبانی، کلامی ٹیلی فون اور خطوط کے ذریعے سامنا کرنا پڑتا ہے تاہم اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ہماری کتابیں درحقیقت اصول دین اور فروع دین کے ابواب پر مشتمل نہیں ہیں جن کی تالیف اور مسائل ومعلومات کے ذخیرہ کیلئے علماء اور فقہاء زحمت گوارا کرتے ہیں جبکہ ہماری کتابیں ایک سوالنامہ وشکایت ہیں، جنہوں نے معاشرے میں رائج رسومات کے سیاہ بادل چھا جانے کے بعد ہمارے ذہن میں جنم لیا، ہماری کتابوں سے بہت سے دیگر افراد کے اذہان میں بھی سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو مؤمنین، مستفسرین، مستشکلین اور ناقدین کے اشکالات کی عکاسی کرتے ہیں چنانچہ ان سوالات اور ان کے جوابات کو ہم نے کتاب کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، یہ شکوک وشبہات اور اعتراضات وسوالات اپنی جگہ کئی لہجوں کی اختراع ہیں :

۱)۔ بعض نے ہماری تذلیل وتحقیر اور ہمیں بے حیثیت دکھانے، ہماری حوصلہ شکنی کرنے کیلئے مسجع ومقفع کلمات ''کبھی، لیکن، اگر ناراض نہ ہوں'' وغیرہ استعمال کئے۔

۲)۔ بعض نے آیت کریمہ مائدہ ۸:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا﴾ ''اور نہ باعث بنے تمہارے لئے دشمنی کسی قوم کی کہ نہ کرو تم انصاف''

سے روگردانی کرتے ہوئے سخت لہجے اور تہمت وافترا سے بھی گریز نہیں کیا ہے۔

۳)۔ ایک گروہ نے ہمیں شیعوں سے منحرف، سنیوں اور وہابیوں کیلئے کام کرنے والا شخص گردانا ہے لیکن ہم اس سلسلے میں خدا کا شکرادا کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے ہمیں غیر مسلم قرار نہیں دیا ہے، یہ گروہ ان افراد پر مشتمل ہے جنھوں نے غصہ و ہیجان میں آکر دین وشریعت قرآن وسنت اور سیرت آئمہ طاہرینؑ سے ہٹ کر تہمت وافتراء، تذلیل وتحقیر آمیز کلمات کو اپنایا ہے۔

ہم ان برادران اوران کے حامی افراد کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ ہمارے معاملات کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کیلئے ہمارے دروازے چاروں جانب سے کھلے ہیں اس سلسلے میں وہ جس طرف سے اور جہاں سے بھی تحقیق کرنا چاہیں آزاد ہیں کیونکہ ہم نے ان کے خودساختہ اور حکام و سلاطین کے پروردہ عقائد کو فرسودہ قرار دیا ہے تو انھوں نے جوابی طور پر بغیر دلیل ومنطق ہمارے عقیدے کو فاسد قرار دیا ہے اگر اس مرحلے پر ہم جواب دیں گے تو فاسد کا جواب فاسد تصور ہوگا اس لئے اس سلسلے کو جاری رکھنا مناسب نہیں یا اچھے نتائج کا حامل نہیں ہوسکتا بلکہ یہ آپس کی کشیدگی، دوری، عداوت اور دشمنی میں اضافے کا باعث بنے گا ہم ان کی بدکلامی کا مقابلہ بدکلامی سے نہیں کرنا چاہتے ہیں البتہ اگر وہ علم واجتہاد اور تحقیق پر یقین رکھتے ہیں اور اپنے مذہب کے اصول میں سے عدالت کے پہلو کو نمایاں رکھنا چاہتے ہیں اور اپنے فریق، مخالف کیلئے چھوٹی بڑی غلطی کے باوجود عفو ودرگزر کیلئے تیار ہیں تو ہم ان کے سوا کسی اور سے عدل وانصاف طلب نہیں کریں گے اور انہی لوگوں سے انصاف کے متقاضی اور ملتمس ہوں گے۔

ہم ان برادرانِ اسلامی سے یہ بھی گزارش کرتے ہیں کہ آپ اشتباہ اور غلط فہمی کا شکار ہیں کیونکہ آپ جن سطور سے مجھے گرانا چاہتے ہیں تو ایسا کرنا وہاں مناسب وکارآمد ہے، جہاں کوئی اعلیٰ سطح کے مقام پر فائز ہو ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ ہماری کسی بھی حوالے سے کوئی حیثیت نہیں۔ ہم حرفِ بلا نقطہ ہیں

ہمارا نہ کوئی علمی مقام ہے نہ اقتصادی واجتماعی، ہم پہلے سے ہی زمین پر ہیں جو شخص زمین پر ہو اسے کہاں گرایا جاسکتا ہے۔

تہمت وافتراء دین سے عاری معاشرے کی عادت وثقافت ہے تاہم شکوہ وشکایات کیلئے ہر شخص اپنی اپنی ذہنی سطح کے تحت سوال اٹھاتا ہے اور ایمان، امانتداری اور علم وآگاہی کے تحت جواب حاصل کرتا ہے جب کوئی کسی کے کردار وگفتار پر زبان دراز کرتا ہے تو اسے وسعت صدری سے سننا چاہیے لیکن سوالات کا جواب دیتے وقت غیظ وغضب اور انانیت وعصبیت جیسی صفات سے گریز کرنا لازم ہے۔

بعض نقد وتنقید کرنے والوں کا انداز متواضعانہ اور مودبانہ ہے اس حلقے نے نوک قلم کے اِدھر اُدھر جانے یا دیگر سطور میں سوئے ادب کیلئے معذرت خواہی کی ہے ان کی خدمت میں عرض ہے کہ سوال و استفسار انسان کا فطری حق ہے، دین شریعت نے اس حق کو جاری وساری رکھا ہے جس کے تحت مومن و مخلص تو اپنی جگہ ملحد وکافر، منافق اور بے دین بھی سوال واستفسار اور اعتراض واشکال کرسکتا ہے۔

بعض نے ادب کے دائرہ میں رہتے ہوئے سوالات کیے ہیں چنانچہ ہمیں بھی کسی سوال پر اعتراض نہیں ہے اور نہ ہی ہم نالاں ہیں ہم اسے ہر انسان، خاص کر کے دردمند مسلمان کا حقِ علمی وشرعی سمجھتے ہیں لہٰذا مذکورہ برادران کیلئے سوال کرنے سے پہلے کسی بھی حوالے سے تواضع وانکساری اور معذرت خواہی کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی ان کے اعتراضات اور شکایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

۱)۔ طلبِ وضاحت :

قرآن کریم میں چند ین آیات ایسی ہیں جن میں حکم ﴿یسئلونک﴾ سے خطاب ہوا ہے جیسا کہ یہ لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں' چاند کے اتار چڑھاؤ' ذوالقرنین اور انفاق کرنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ بقرہ ۱۸۹، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۲، مائدہ ۴، اعراف ۱۸۷، انفال ۱، اسراء ۸۵، کہف ۸۳، طہ ۱۰۵، نازعات ۴۲، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرینؑ ہمیشہ سائل کے سوال کی طرف متوجہ رہتے تھے اور ان کے حضور میں سوال کا حق مومن ومنافق اور مشرک وملحد سب کو با آسانی حاصل تھا۔

لہٰذا اس طرزِ شکوہ وشکایت کو ہم مودبانہ ومخلصانہ اور طالب وضاحت سمجھیں گے، ان افراد کا تعلق چاہے معاشرے کے ان پڑھ اور پست طبقے سے ہو یا پڑھے لکھے اور اعلیٰ طبقے سے مولا امیر المومنینؑ سے مروی کلمات قصار ۳۲۰ کے مطابق ہر وہ شخص عالم ہے جو جاننا چاہتا ہے اگرچہ وہ پڑھا لکھا نہ ہو :

[سل تفقهاء ولاتسال تعنتا،فان الجاهل المتعلم شبيه بالعالم ،وان العالم المتعسف شبيه بالجاهل المتعنت ] ''سمجھنے کیلئے دریافت کرو الجھنے کیلئے نہیں کہ جاہل بھی اگر سیکھنا چاہے تو وہ عالم جیسا ہے اور عالم بھی اگر صرف الجھنا چاہے تو وہ جاہل جیسا ہے''

قرآن کریم میں سائل کو جھڑکنے سے منع فرمایا گیا ہے :

﴿ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَاتَنْهَرْ﴾ ''اور جو سوالی ہو (اسے) نہ جھڑکنا''۔ (ضحیٰ ۱۰)

ہم کیونکہ ثقافتِ قرآن کے احیاء کے داعی ہیں لہٰذا سوال کرنے کا حق سب کو دیتے ہیں اور ساتھ یہ درخواست بھی کرتے ہیں کہ جس طرح سوال واستفسار کے وقت فراخ دلی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اسی طرح جواب سنتے وقت بھی وسعتِ صدری اور دانشوری ودانشمندی کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

۲)۔ہماری کتابوں میں موجود مواد پر اعتراض وتنقید :

بعض حضرات کا اعتراض ہماری ذات یا ہمارے معاشرتی پہلو سے متعلق ہے ان کے خیال میں ہم ان مسائل کو اٹھانے کے اہل نہیں۔ یا فلاں فلاں مسائل کو کیوں نہیں اٹھایا؟۔

دین کے مختلف پہلوؤں میں ہونے والی تحریفات اور معاشرے میں آئے روز بڑھتی ہوئی خرافات پر ہمارے علمائے اعلام کی خاموشی، حوزاتِ علمیہ کے مسئولین اور مراجع عظام کی کسمپرسی اسی طرح مومنین اور دردمندوں کی اُن کی فکر کے ساتھ ہم آہنگی نے ہمیں اس دھانے پر لا کھڑا کیا کہ اب ہم چھٹی انگلی کی مانند ہو کر رہ گئے ہیں نکالیں تو شرمندگی کا سامنا ہوتا ہے اور اگر چھپانا چاہیں تو چھپایا بھی نہیں جا سکتا، تا ہم دینی درسگاہوں سے فارغ ہونے والے ہم جیسے ناتربیت یافتہ افراد ہی نہیں بلکہ جس مذہب پر ہم قائم ہیں اس کا اعلان کرنا ہر ذمہ دار شخص کیلئے جان کا خطرہ بنا ہوا ہے گویا اس کام کی سزا اشتہاری مجرم بننا ہے لیکن ہم نے ببانگِ دُہل اپنی ذات کو روند کر گزرتے ہوئے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کو پیش کیا، جس میں خداوند عالم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں یہاں معاملہ دو حال سے خالی نہیں یا تو تم لوگ گمراہ ہو یا ہم گمراہی پر ہیں :

﴿ قُلِ اللهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَى هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴾ ''کہو اللہ اور میں یا تم کوئی ایک ضرور ہدایت پر ہے یا پھر کھلی گمراہی میں مبتلا ہے'' (سباء ۲۴)

اگر میں گمراہی پر ہوں تو علماء ومومنین، صاحبانِ عقل وفراست اور احساسِ ذمہ داری رکھنے والوں پر فرض

ہے کہ وہ مرحلہ وار مجھے اس سرگرمی سے روکنے کیلئے تجاویز پر غور کریں، میری غلطیوں کی نشاندہی کریں اور اگر اس کا اہل نہیں سمجھتے تو غصہ اور گالی سے ہی سہی لیکن میری رہنمائی کریں یا پھر آیات قرآنی، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اقوال وسیرت آئمہ طاہرینؑ کے حرف جلی میں لکھی گئی سیرت سے تیر باران کریں، اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ دنیا میں بھی کامیاب، لائق داد وتحسین ہوں گے اور آخرت میں بھی ایک منحرف انسان کو روکنے کے اجر وثواب کے مستحق ٹھہریں گے اگر آپ نے اس فریضہ کی ادائیگی پر کوتاہی کی تو دنیا وآخرت میں تارک امر بالمعروف ونہی از منکر کی پاداش کا سامنا کرنا پڑے گا۔

کیا آپ کو اتنی زحمت گوارا نہیں کہ ایک بے بضاعت، بدنام زمانہ اور علماء کے نزدیک ناپسندیدہ اور بے بہرہ انسان کو چالیس پچاس صفحوں پر مشتمل آیات قرآنی اور روایاتِ معصومینؑ سے زمین بوس کر دیں!۔ اس سلسلے میں آپ لوگوں اور علماء کی کوتاہی قابل قدر اور قابل توجیہ نہیں سمجھی جائے گی اور اس کوتاہی کے بارے میں روز محشر ضرور سوال ہوگا۔

عقل وشرع دونوں حوالے سے میرا فرض بنتا ہے کہ میں اپنی بساطِ علمی اور اخلاقی دائرے میں رہتے ہوئے ان سوالات کا جواب دوں سوال کرنے والوں کو سوال سے روکنا درحقیقت چوروں اور مجرموں کا کام ہے، جہاں افراد سائل کا جواب دینے سے قاصر رہتے ہیں وہاں وہ گالی، تہمت، افترا پردازی، تندی وہیجان اور تشدد کا سہارا لیتے ہیں۔

میں ان شکوؤں سے چنداں پریشان وسرگردان نہیں ہوتا، میں تو پناہ اس دن سے مانگتا ہوں جب نبی کریمؐ شکایت کرتے ہوئے فرمائیں گے:

﴿ يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ﴾ ”اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے بنالیا تھا اس قرآن کو نشانۂ تضحیک اور چھوڑ رکھا تھا اسے“۔ (فرقان ۳۰)

۴)۔ بعض سوالات ایسے ہیں جن کے جوابات ہماری کتابوں میں آچکے ہیں، سوال کرنے والوں کی نظریں شاید ان صفحات پر نہیں پڑی ہیں یا انہیں پوری کتاب پڑھنے کی فرصت نہیں ملی ہے یا پھر متعلقہ کتاب ان تک نہیں پہنچ پائی ہے، ان سے درخواست ہے وہ کتاب پڑھیں تاہم بعض اعتراضات کی وضاحت شاید آئندہ کی کاوشوں میں آجائے، ہر شخص کو فرداً فرداً جواب دینے کیلئے بہت توانائیاں چاہئیں لیکن خلاصۃً اور مختصر جواب سے شاید کوئی بھی مطمئن نہ ہو لہٰذا تمام سوالات کا ہر شخص کو تفصیل سے جواب

دینا ہماری گنجائش سے باہر ہے تمام اعتراضات' سوالات' شکایات اوران کے جوابات کو یکجا کر کے ایک کتابچہ کی صورت میں منظر عام پر لانے کو بہتر و مستحسن سمجھا لہٰذا تمام سوالات کا ایک مجموعہ پیش کیا جارہا ہے البتہ اس سلسلے میں کوتاہی کیلئے معذرت خواہ ہیں۔

حاضر صفحات کا مواد ہماری گذشتہ کتابوں میں منتشر مواد کا ایک حصہ ہے اِس مواد کے مصادر و مآخذ متعلقہ کتابوں کے آخری صفحات پر موجود ہیں لہٰذا کتابچہ کے آخر میں ہم مصادر پیش نہیں کریں گے، ہم علمائے اعلام یا بعض صدور فتویٰ میں تعجیل پسند فقہاء سے التماس کرتے ہیں کہ اس کتاب کے بارے میں اپنا ردِعمل پیش کرتے وقت اقویٰ' احتیاط' شعر یا کلماتِ طنز وتوہین کے استعمال کرنے سے گریز کریں کیونکہ اظہارِ خیال کے اس طریقہ سے جاہل اور مفاد پرست لوگوں کے مرام ومقصود پورے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے کہیں ہمیں بھی دل برداشتہ نہ ہونا پڑے جس سے خواہ مخواہ غلط نتائج برآمد ہوں گے اور یہ رویہ مزید صفحات لکھنے کی طرف لے جاسکتا ہے جس کا تسلسل کسی کے بھی فائدے میں نہیں لہٰذا ہم علمائے اعلام اور فقہاء سے ملتمس ہیں کہ وہ اس سلسلے میں ہماری خصوصی رہنمائی کریں اور عمومی طور پر تفصیلاً آلاتِ ضبطِ صوت کی صورت میں یا تحریری طور پر اپنا موقف بیان کریں تا کہ ہماری بھی ہدایت ہوجائے اور متاثر افراد کو بھی اطمینان وہدایت نصیب ہوجائے۔

بعض مصنفین ومؤلفین اپنے اوپر اعتراض کرنے والوں کو ''تم نے نہیں سمجھا ہے، تمہیں کیسے جرأت ہوئی تمہاری کیا حیثیت ہے، نہیں سمجھتے ہو تو بیٹھ جاؤ، تمہاری وقعت نہیں'' وغیرہ باتیں کہہ کر دبا دیتے ہیں لیکن میں ان کلمات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں بلکہ یہاں مسئلہ اس کے برعکس ہے جنہوں نے ہماری ذات پر اعتراض کیا وہ بزرگ ہیں لیکن انہوں نے ہمارے حق میں نوازش، احسان جتانے اور کرم فرمانے کی بجائے ہمیں ڈانٹا ہے، یہاں تک کہ ہماری کتابوں کو کتب ضال میں گردانا ہے۔

اس ملک میں بعض سیکولر دانشور' مترجمانِ دینی اور بعض بزرگ ومتوسط علماء نے ہماری تصنیفات کو کتبِ ضال قرار دے کر ان کا مطالعہ کرنے کی ممانعت کی ہے یہاں تک کہ کتب فروشوں کو بھی ہماری کتابیں رکھنے سے منع کرتے ہیں اس حلقے کا مزید کہنا ہے کہ ہماری کتابوں سے نوجوان نسل کو دور رکھا جائے کیونکہ ان کے بقول ہماری کتابوں کے مطالعے سے لوگوں کے عقیدے خراب ہوجاتے ہیں چنانچہ ہر وہ کتاب جو لوگوں کے عقیدے خراب کرتی ہے اس سے لوگوں کو دور رکھنا ضروری ہے۔

یہ بات اپنی جگہ حیرت انگیز ہے کہ جس مذہب کی بنیاد علم، عقل اور دلیل و برہان پر قائم ہو جو اپنے ماننے والوں کیلئے باعث ناز ہو، اس کا دفاع کرنے والے بڑے بڑے نامور علماء ہوں کیا ان درس گاہوں میں دین و مذہب کا دفاع کرنا نہیں سکھایا جاتا کہ ایک تیسرے درجے کے انسان کے اظہارِ خیال پر مبنی صفحات سے اس قدر احساسِ خطر ہو جائے حالانکہ اگر ان کتابوں میں کوئی ایسی بات ہے تو انکی متعلقہ سند کو اپنے قلم و بیان کے ذریعے دلیل و منطق سے ردّ کر دینا چاہیے۔

## کتابیں لکھنے کی ہمت کیسے ہوئی ؟

بعض قارئین اور ناقدین کا سوال ہے کہ علمی بضاعت سے محروم انسان کو اتنی کتابیں لکھنے کا شوق کیوں پیدا ہوا؟ اس کے کیا اسباب و عوامل ہو سکتے ہیں؟ اس مفروضہ استفہامی رکھنے والوں کی خدمت میں چند عرائض ہیں :

ابتداء میں ہم ایک عرصہ قیام مقدس حضرت امام حسینؑ کے بارے میں دروس اور تقاریر کو پہلے صفحات پر درج کرتے اور بعد میں اسی پر گفتگو کرتے تھے، جب کافی تعداد میں یہ مواد جمع ہوا تو اسے ترتیب دے کر ایک کتاب کی شکل میں لائے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں قیام امام حسینؑ کے اھداف و مقاصد کو الٹا کر کے پیش کیا گیا، اسکی مسیح نظریہ پر تفسیر کی جاتی ہے کہ امام حسینؑ امت کے گناہ بخشوانے کیلئے شہید ہوئے ہیں اور ہمارا کام صرف ان پر رونا ہے۔ جبکہ اسکے برعکس امام دین اسلام کو زندہ کرنے، بندگان خدا کو اوامر و نہی، خدا کی اطاعت کی طرف بلانے کی راہ میں شہید ہوئے ہیں۔ امام کے مقصد کے ساتھ اس نارا سلوک کو دیکھتے ہوئے ہم نے اپنی یادداشت کو جو امام حسینؑ کے کلمات و خطبات اور کتب سے جمع کئے ہیں، ان سے استدلال کرتے ہوئے قیام امام حسینؑ کے بارے میں ممکنہ احتمال و تفاسیر کو نمبر وار جمع کر کے ایک کتاب تفسیر عاشورا کے نام سے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی تھی۔ اس کے بعد خداوند عالم نے ہمت عطا فرمائی کہ رائج عزاداری کے قبلے کو صحیح کر کے پیش کیا جائے۔ اس کتاب کی تالیف کے بعد بعض دیگر محرکات بھی اس کام کو جاری رکھنے کا سبب بنا :

۱۔اسی دوران بعض کتب احادیث میں یہ حدیث بھی نظروں سے گذری ہے کہ اگر کسی ایک نے ایک صفحہ یا ایک حدیث لکھی تو شاید یہ اس کی نجات کا سبب بنے۔

۲۔ہم تبلیغ ودعوت دین کا پہلے سے شوق ورغبت رکھتے تھے،لیکن نامساعد حالات نے ہماری زبان کا ساتھ نہیں دیا تو ہم نے قلم کے ذریعے یہ عمل انجام دینے کی کوشش کی چنانچہ اس سلسلے میں خداوند متعال کی طرف سے کچھ توفیقات ہمارا شامل حال رہیں۔

۳۔ہمیں پہلے ہی دن سے کتب جمع کرنے کا شوق تھا جس کی وجہ سے ہمارے پاس مجموعہ کتب کا ذخیرہ بنا،ان کتابوں کے مطالعہ سے ثابت ہوا کہ ایسا نہیں کہ ہر کتاب غلطی اور لغزشوں سے پاک ومنزہ ہوتی ہے،غلطیوں سے پاک کتاب صرف کتاب خدا ہے،پیغمبر اسلامؐ اور آئمہ طاہرینؑ سے وارد احادیث کے مجموعوں میں جب غلط،ضعیف اور غیر مستند روایتیں موجود ہوں تو ہم کون ہوتے ہیں جو غلطیوں سے پاک ومنزہ کتاب معاشرے میں پیش کرسکیں۔

۴۔جن بزرگوں کو ہم پائے کا عالم سمجھتے تھے،ان میں سے بعض ہستیاں تو ایسی ہیں جنکی شاگردگی کو ہم اپنے لئے باعث افتخار واعزاز سمجھتے تھے۔جب ان کی مکتوبات ہماری نظروں سے گذری تو پتہ چلا کہ ان میں بعض ایسی کھلی اور بنیادی غلطیاں ہیں جن کے صدق وحقانیت پر انھیں عزم راسخ ہے لہٰذا انھیں دیکھ کر ہمیں کتاب لکھنے کی ہمت ہوئی۔

۵۔ بعض ایسی بزرگ ہستیاں گذری ہیں جنہوں نے ایک ضخیم مجموعہ کتب چھوڑا،جن کے متعلق ان کا اور ان کے معتقدین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں صحیح غلط سب کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے ان تمام روایات یا قصوں اور مفروضوں کو جمع کرنا ان کی نیت تھی تاکہ بعد میں آنے والوں کیلئے ایک مواد ملے تاکہ وہ اس کو دیکھ کر اس پر اپنا قلم تحقیق چلائیں لہٰذا ایسی کتابیں دیکھنے کے بعد ہماری ہمت میں مزید اضافہ ہوگیا۔

۶۔ اکیسویں صدی کے مسلمانوں کیلئے شوم ونحس دور کا آغاز ہوا،زمین وفضاء،مسجد ومدارس ہر طرف سے اسلام عزیز پر حملہ ہوا،تو ایسی صورت میں ہم جیسے ناتواں بے سہارا انسان ان باطل کے حملوں کے مقابل میں کیا کر سکتے تھے،لہٰذا ہم نے سوچا ہم صفحہ قرطاس پر اپنے دین کے بارے میں اپنی فکر ونظر کو درج کر کے تاریخ کے سامنے رکھنے کی کوشش کریں اس

کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک انسان لاوارث مرجاتا ہے تو وصیت کرتا ہے اس کاغذ کو میری قبر پر رکھ دینا تا کہ گذرنے والے اسے پڑھ لیں۔

۷۔ فقہا و مجتہدین عظام بھی جو فتویٰ دیتے ہیں وہ سو فیصد حقیقت سے مطابقت رکھنے کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ ہی کر سکتے ہیں بلکہ ان کا کہنا ہے ان کے غلط فتاویٰ معاف ہیں چونکہ انھوں نے اپنی کوششوں کو انتہائی حد تک حقیقت تک رسائی کیلئے صرف کیا ہے اسی طرح کہتے ہیں جو افراد ان کے مقلد ہیں وہ ان فتویٰ پر عمل کریں تو بری الذمہ ہیں۔

عبادت جو امر و نہی الٰہی کے مطابق ہونی چاہئے۔ کیا غلط اور حقیقت سے عاری فتاوی پر عمل کرنے والے دونوں بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔ ہم چونکہ صرف تاریخ اور معاشرے میں رائج غیر شرعی سرگرمیوں کے بارے میں اظہار نظر اور استفسار کرتے ہیں لہٰذا ان پر حرمت کا فتویٰ یا ناجائز کا تصور کیسے عائد ہوگا لہٰذا اس امید سے ہم نے ان موضوعات پر قلم اٹھانے کی ہمت کی ہے۔

۸۔ جن ذوات ذوالعز والاحترام کے علم و فضل کے مقام کے سائے میں اپنے لئے شاگردی کو شرف سمجھتے تھے جب انکی تالیفات کو دیکھا تو بیان میں ادبیت کے حوالے سے شعر گوئی نظر آئی، لیکن غلطیوں کی مقدار اتنی کم نہیں تھی جتنی ہم توقع رکھتے تھے لہٰذا اس سے بھی ہمت بڑھی کہ تالیف میں غلطیوں سے پاک ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔

۹۔ بعض بزرگ ہستیاں اور علماء اس لئے تصنیف و تالیف میں قلم نہیں اٹھاتے کیونکہ ان کا اجتماع میں ایک مقام و منزلت ہے کہیں انکے چند صفحات ان کے اس مقام و منزلت سے انھیں گرا نہ دیں کیونکہ ہماری کوئی حیثیت و شخصیت نہیں اس لئے ہم نے سمجھا کہ ملک میں دین و مذہب میں کھڑے کئے گئے خرافات کے مناروں کو گرانے کیلئے اپنی شخصیت کی قربانی دینی پڑی تو یہ بہت سستا سودا ہوگا۔

۱۰۔ حوزات علمیہ جو کہ ایک طویل عرصے سے ملت تشیع کا مرکز و دادرس فریادرس احکام فقہ کے ساتھ اصول عقائد و نظریات کی صحت و سقم کی تمیز کی جگہ ہے یہاں سے غلطیوں کی چھان بین ہوتی ہے ایک عرصے سے تحقیقات کے نام سے مختلف ادارے کھولے ہیں کسی نے

تحقیقاً احادیث کسی نے تفسیر وعقائد پر کتب ومجلّات صادر کرنا شروع کیا ہوا ہے جو کہ گذشتہ گان نے غلط ٹھہرا کر نکال دیا تھا آج پھر انھیں تحقیقات کے نام سے دوبارہ شامل کیا جارہا ہے بعض فرسودہ بے بنیاد عقائد جو اس وقت روز روشن کی طرح بڑی تیزی سے فروغ و رواج پارہے ہیں اس سے انھیں خوب پذیرائی مل رہی ہے۔

آخر میں ربِّ علیم وقدیر کی درگاہ میں اپنی تمام بے بسی و بے چارگی اور درماندگی کی حالت زار کو پیش کرتے ہوئے اُن آیات کریمہ کا واسطہ دونگا کہ اگر میں گمراہ ہوں تو خداوندا تیری ہی طرف آنے کے راستے میں گمراہ ہوا ہوں اس کیلئے تو نے وعدہ دیا ہے :

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾

''اور جو ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انھیں ضرور اپنے راستے کی ہدایت کریں گے اور تحقیق اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے'' (عنکبوت ٦٩)

میری رہنمائی فرمائیں اس وقت ہر طرف اور ہر سو سے بے یار و مددگار ہوں، بعید والے میرے اوپر ٹوٹ پڑے، دشمن شماتت کرتے ہیں اور قریب والے مجھے چھوڑے ہوئے ہیں میرے اللہ تو نے فرمایا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنصُرُوا اللهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾

''ایایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔'' (محمد ۷)

خداوندا ! شکست وہزیمت کھانے سے پہلے میری مدد فرمایا میری جان واپس لے۔

اگر ہم یا کوئی بھی اس دین ومکتب کے اصول وفروع کی نشر واشاعت میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکتا تو کم از کم اپنے آپ کو ان داخل شدہ خرافات واباطیل سے لاتعلق رکھنے اور برأت کرنے کا اعلان کرسکتا انہی اہداف ومقاصد کے تحت کچھ لکھنے کی خواہش ہوئی چنانچہ آخر میں ہر طرف اور ہر سو سے میرے اوپر اشکالات واعتراضات کے تیروں کی بارش گئی جسے جتنا ممکن ہو دفا کرنا بہتر سمجھ کر بھی کچھ لکھنے کی خواہش کی۔

آخر میں ہم اپنے نوکِ قلم کی ھفوات ولغزش سے متأثر تمام بردرانِ اسلام سے عفو ومعذرت کے خواہاں ہیں، اس کے ساتھ ہی اس کتابچے کی ترتیب وتصحیح میں معاون ومددگار برادران کے بھی شکر گزار ہیں۔

اس سلسلے میں میرے نصیب میں معاون ومددگار کے طور پر جو مجھے اس وقت ملے ہیں جو کسی قسم کی

طمع ولالچ تو درکنار انھوں نے ان کے جائز یاان کیلئے واجب خدمات کا صلہ بھی اس آیت کریمہ کی تلاوت سے ٹھکرایا ہے :

﴿ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ ... ﴾ ''ہم تو تمہیں صرف
اللہ تعالی کی رضامندی کیلئے کھلاتے ہیں''۔(انسان ۹)

مجھے اس حالات ووقت دوست، معاون ومددگار ملے جب میرے سابقہ دوست واحباب نے مجھ سے مل ملانے اور دور سے بھی رابطہ نہ کرنے کو اپنی عزت کی بچاؤ اور میری سرگرمیوں سے غیر جانبداری کا مظاہرہ کرنے کی دلیل اور ناگزیر سمجھتے ہیں، جبکہ ان نئے دوست واحباب کو میری معاون ومددگار بننے کیلئے اپنی زادوراحلہ خود بنانا پڑتا ہے ایسی صورت حال میں پہلے مرحلے میں درگاہِ خداوندی میں ان کی عاقبت خیری، دُنیا میں توفیقات میں افزوں اور آخرت میں نبی کریمؐ کے سامنے سرخرو ہونے کیلئے دعا نہ کروں اور ان کے زحمات کا شکریہ ادا نہ کروں تو یہ ایک اہم واجبات میں کوتاہی قرار پائے گی۔

اس کتاب کی ترتیب وتنظیم، تصحیح وتزئین میں زیادہ زحمت اٹھانے والے مہربان احباب یہ عزیزان ہیں :

۱۔ برادر فدا علی شگری

۲۔ برادر تسکین عباس

۳۔ برادر ارشد عباس شیرازی

۴۔ محمد باقر

ان کی سلامتی اور دین مقدس اسلام کے چہرہ مبارک سے گردوغبار میل کچیل، غالیوں اور منحرفوں کو اپنی عزت وحیثیت سے جاڑو کرنے کی توفیق کیلئے رب قدوس سے دست بہ دعا ہیں آخر میں خداوند متعال کے مسلسل ومکرر وعدہ غلبۂ اسلام، شکست اہرمن ِ کفروشرک کی تعجیل کیلئے دست بہ دعا ہیں۔

علی شرف الدین

ذوالحجۃ ۱۴۲۶ھ

# اثناعشری شیعہ اور حیدرِ کرار کا شیعہ !؟

**۱** آپ نے پہلی مرتبہ شیعوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے یعنی شیعیانِ اثناعشری اور شیعیانِ حیدر کرار، یہ تقسیم کس بنیاد پر کی گئی ہے اس کے علاوہ شیعیانِ حیدر کرار پر بیجا تنقید و اعتراض کا باب کھولا گیا ہے جو کہ یقیناً اس مذہب کے خلاف ایک بڑی سازش ہے ؟

**جواب :**

شیعیانِ اثناعشری کو شیعیانِ حیدر کرار سے جدا کرنے کی تقسیم بندی پر ملک کے طول و عرض میں بہت سے برادران، دوست و احباب اور طالبانِ حق و انصاف کے دعویدار ہم سے ناراض و نالاں ہوئے ہیں لیکن ہمارا مدعا ہے کہ ہر مذہب و فرقہ کا منقسم ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ فرقوں کے اپنے امتیازات تشخصات قائم کرنے کی خاطر اور دوسروں کیلئے ان کی خرابیوں اور برائیوں کی بنیاد پر ان کے درمیان امتیازی دیوار کھڑی ہونا نئی بات نہیں بلکہ علمائے فرق و مذاہب ہمیشہ سے اپنی کتابوں میں مختلف فرقوں کے نام اور انکے بانیوں کا ذکر کرتے رہے ہیں بعض نے شیعوں کے کئی فرقے نقل کئے ہیں اور ابھی بھی تقسیم کا عمل جاری ہے تاہم علمائے فرق و مذاہب کے ذکر کردہ فرقوں کو سامنے رکھنے کے بعد ہم جائزہ لیں تو ہمارے ملک میں شیعہ افکار و نظریات کے حوالے سے ظاہری طور پر دو فرقے ہیں لیکن عملی میدان میں غالیوں کا ہی غلبہ ہے۔

شیعہ اثناعشری بھی غلو کی غلاظت اور دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں انھیں اس گرداب سے باہر نکالنے یا ان کی دوسروں سے تمیز کرانے کی کوشش کی تو یہ سب کو بُرا لگا حتٰی کہ وہ حلقہ بھی ناراض ہو گیا جو غلو، نصیریت اور علی الٰہی سے نالاں اور خود کو بری الذمہ سمجھتا ہے ان کا کہنا ہے کہ پہلے اپنوں کے ساتھ اتحاد و اتفاق کا ہونا ضروری ہے اور ان سے افتراق و اختلاف صحیح نہیں گرچہ دین کے روشن چہرے پر وہ کفر و شرک کی غلاظت ہی کیوں نہ پھینکتے ہوں اس وقت ان لوگوں کا مذہب سے نہیں بلکہ ملت سے رشتہ ہے، اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ شیعیانِ حیدر کرار کے ساتھ گھل مل کر رہنے میں ان کی عافیت اور تحفظ ہے جبکہ یہ ظاہری کفر و الحاد کی طاقتوں کے

ساتھ اتحاد واتفاق قائم کرنے کو بھی اپنے تحفظ کے حق میں بہتر سمجھتے ہیں اور دنیاوی تحفظ علانیہ کفر میں ہی ممکن ہے جبکہ دوسرا گروہ ہم سے اس لئے نالاں ہے کیونکہ وہ غیر شعوری طور پر شیعہ اثنا عشری کو اپنی طرف جذب و ہضم کر رہا ہے تا کہ شیعہ اثنا عشری کا نام ہی صفحۂ ہستی سے مٹایا جائے تا کہ نصیریوں اور علی اللّٰہیوں کا اعلان آسانی سے کیا جا سکے۔

درج بالا اعتراضات کا جواب آئندہ صفحات پر چند حوالوں سے پیش کرنے کی کوشش کریں گے، پہلے زاویئے کے تحت غالیوں اور نصیریوں کے ساتھ گھل مل جانے یا ان سے نشست و برخاست کرنے کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کریں گے پہلے شیعہ اثنا عشری کا تعارف کرتے ہیں :

ہم (اہل تشیع) ابتدائی دور میں اہل بیتی کے نام سے متعارف تھے یعنی نبی کریمؐ کے بعد آپ کی جانشینی کیلئے لائق و مستحسن ذات حضرت علیؑ کی ہے ان کے بعد آپؑ کے فرزند حضرات حسنین، امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام اور دیگر آئمہؑ اپنی اہلیت و صلاحیت کی بنیاد پر اس منصب کیلئے لائق و سزاوار ہیں، ہماری منطق و دلیل یہ تھی کہ یہ ذوات تمام امت کیلئے جانی پہچانی، محبوب اور پسندیدہ ہستیاں ہونے کے علاوہ صاحبانِ علوم و معارف قرآن و سنت ہیں۔ دین اور شریعت اور حق کے متلاشی افراد اسی سرچشمے سے ہی سیراب ہو سکتے ہیں گویا یہ ذوات دو صفات کی مظہر جلی ہیں۔ ایک صفت ان شخصیات کے چہرے درخشاں اور تابناک ہیں جو امت میں سوائے اقتدار طلبوں کے دیگر تمام لوگوں کیلئے پسندیدہ ہیں جبکہ دوسری صفت یہ ہستیاں علوم و معارف اسلام کا سرچشمہ ہیں ہمیں یہ اعزاز و افتخار حاصل ہے کہ ہماری وابستگی انہی ذوات سے ہے۔

بارہ اماموں، آئمہ طاہرین علیہم السلام کو مقتدیٰ و پیشوا ماننے والوں کو ابتداء میں شیعہ اثنا عشری کہا جاتا تھا کہ اہل بیت اطہارؑ کی پیروی کرنے والا فرقہ اثنا عشری ہی اسلام کا صحیح اور حقیقی ترجمان ہے جو کہ مذہب قرآن کریم اور سنت رسول اللہؐ پر استوار ہے جبکہ اہل بیت اطہارؑ نے اپنے ماننے والوں کی حضرت محمدؐ پر نازل شدہ کتاب قرآن کریم اور سنت نبی کریمؐ کے احکامات کی روشنی میں سعادتِ دنیا و آخرت کی طرف ہدایت اور رہنمائی فرمائی لیکن بعد میں کثرت استعمال کی وجہ سے اثنا عشری حذف ہو گیا ہمیں زبانی یہ بتایا جاتا ہے۔

ایک عمر بزرگان کے ساتھ گزارنے اور محافل و مجالس سے آشنا ہونے کے بعد ہم پر واضح ہو گیا کہ شیعہ کہلانے والوں کی اکثریت کے ہاں اسلام نامی کوئی چیز نہیں ہے نہ خدا کی حیثیت ہے اور نہ رسولؐ کی اور نہ

ہی بارہ اماموں کی اسی طرح یہاں نہ قرآن کی بات ہے نہ سنت رسولؐ کی اور نہ ہی سیرت آئمہ طاہرینؑ بلکہ یہاں کفروالحاد کی بات ہے ،دوسری جانب یہاں صرف ایک کلمہ حیدر کا چرچا ہے ہم سمجھتے تھے کہ یہ فرزندِ ابوطالبؑ، دامادِ رسولؐ، زوجِ بتولؑ اور پدرِ حسنینؑ ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کلمہ حیدر فرزندِ شیخ جنید حیدر یا بعض دیگر مجہول الحال لوگوں کے نام سے منسوب ہے، صاحبِ فرہنگ فرقِ اسلامی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷۴ پر لکھتے ہیں کہ بعض لوگ شیخ جنید کو اللہ اور ان کے فرزند کو ابن اللہ کہتے تھے احتمال قوی ہے کہ حیدر سے مراد یہی حیدر ہونگے کیونکہ منابر پر حیدر کو یا خدا یا فرزندِ خدا بتانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس سلسلے میں حضرت علیؑ کی کعبہ میں ولادت کو پیش کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں اسی مخدوش کلمہ حیدر کو تعارف مذہب کیلئے پیش کیا جاتا ہے جس کے ساتھ شریعت کو معطل کرنے والے افکار ونظریات بھی نمایاں ہیں لہٰذا ہم نے ضروری سمجھا کہ قرآن وسنت کے پاسداروں اور شریعت کی تعطیل کے داعیوں کے درمیان الگ تمیز قائم کردی جائے۔

قارئین کرام ! کیونکہ ہم افق گفتگو کو صاف وشفاف رکھنے کے داعی ہیں لہٰذا ہم اپنے اوپر عائد اعتراضات کی دھند کو دو زاویہ سے اپنے موقف کا دفاع کرتے ہوئے صاف کریں گے :

۱)۔ تقسیم: شیعوں کی افکار ونظریات اور کردار وسلوک حتٰی مذہبی ثقافت کے اعتبار سے تقسیم بندی تنہا ہم نے نہیں کی ہے بلکہ فرق ومذاہب کے محققین نے ہماری پیدائش سے پہلے متعدد فرقوں کے نام سے اپنی کتب میں اس قسم بندی کو نقل کیا ہے۔ بعض شیعہ علماء نے کئی فرقوں کے ختم ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ یہ فرقے بغیر نام یا نام بدل کر اپنا مقصد پورا کرر ہے ہیں تا کہ تمام فرقوں پر قبضہ کرسکیں بلکہ اس وقت شیعوں کے عقائد وفروعات اور رسومات کی لجام انہی فرقوں کے ہاتھ میں ہے انہوں نے اپنے قلم، زبان وبیان اور نعروں کے ذریعے دوسرے گمراہ مذاہب وادیان کے انحرافات وخرافات کو چن چن کر پہلے الگ تھلگ مذہب کی کھچڑی بنائی، بعدازاں اس کے خاکے کو شیعوں کے مذہبی چہرے کے طور پر متعارف کرایا ہے، کیونکہ یہ گروہ ہر حوالے سے طاقت وقدرت رکھتا تھا اس لئے انہوں نے ان تمام سرگرمیوں پر پابندی لگادی جن کے ذریعے شیعہ اثنا عشری کے اصلی چہرے کو منظر عام پر لایا جاسکتا ہے جس کسی نے اس خودساختہ چہرے کو شیعہ اثنا عشری کے چہرے سے ہٹانے اور اصلی چہرے

کو پیش کرنے کی ہمت کی اُسے ''وہابی'' کہہ کر کنارے پر لگا دیا اسی طرح اس گروہ نے اپنے خودساختہ عقائد ورسومات کو محافل ومجالس پر مسلط کر کے دوسروں سے اظہار خیال کی آزادی کا حق چھین لیا تاہم، ہم نے اس سلسلے میں ہر قسم کی تہمت وافتراء، ذلت وخواری، گوشہ نشینی، دوست واحباب سے دوری اور ہجرت کی زندگی کو قبول کرتے ہوئے شیعہ اثنا عشری کے اصل چہرے کو چند صفحات پر لانے کی متزلزل ہمت کی ہے ہم نے اسلام، قرآن وسنت اور شیعہ اثنا عشری کے عقائد ونظریات سے متصادم افکار ونظریات کے حامل فرقوں کی پہچان کرائی ہے جس کی تفصیل ہماری کتاب ''عقائد ورسومات شیعہ'' میں موجود ہے۔ یہ کہا جانا بالکل درست نہیں کہ شیعوں کو ہم نے تقسیم کیا ہے بلکہ اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنھوں نے غیر اعلانیہ طور پر فرقہ بنا کر اصل فرقے کو کنارے پر لگایا ہے۔

۲)۔ جب ہم شیعہ اثنا عشری ہیں تو کیونکر صرف ایک امام کے نام سے اپنے آپ کو متعارف کرائیں کیا یہ نقص وعیب ذوات آئمہؑ کو نہ ماننے والوں اور دیگر آئمہ کے معتقدین کیلئے شکوک و شبہات جنم دینے اور مفادات حاصل کرنے والوں کی معاونت نہیں بنتا ہے کیا بارہ آئمہؑ کا معتقد ہونے کے بعد ایک پر اکتفاء کرنا عقل ومنطق سے باہر نہیں؟ بارہ کا معتقد ہونے کے بعد صرف علیؑ کا شیعہ کہلانے میں دوسرے آئمہؑ کے معتقد ہونے کی کیا ضمانت ہے؟

۳)۔ اگر بارہ ذوات پر اعتقاد ہے تو دیگر آئمہؑ کی محافل ومجالس کی ابتداء یہ کہہ کر کہ ''سب علیؑ ہیں'' فضائل علیؑ کے نام سے گڑھے ہوئے فضائل بار بار کیوں دھرائے جاتے ہیں جبکہ دوسرے آئمہ طاہرینؑ حتیٰ رسول اللہؐ کے فضائل ومناقب اور حیات وسیرت سب کو ایک نور کہہ کر یا کبھی سب محمدؐ کہہ کر گزر جاتے ہیں یہاں تک کہ بڑے سے بڑے عالم کے پاس بھی نبی کریمؐ اور دیگر آئمہؑ کی سیرت سے ذہن خالی جاتا ہے۔

## سرگردان، حیران وپریشان لوگوں سے ہمارا سوال :

۱۔ اسی بنا پر ہم دوسروں پر اس طرح برتری ظاہر کرتے ہیں کہ انھیں ایسا مقتدیٰ وپیشوا نصیب نہیں ہو لیکن ہمارا انہی لوگوں سے سوال ہے کہ اس مذہب کے ماننے والے اور ذوات مقدسہ کے سرچشمہ علوم سے وابستہ افراد کو گنتی کی گمنام کتابوں اور خاص ترجموں کے مواد یگر کتابوں سے دور رہنے اور ان کے مطالعے

سے پرہیز کرنے کی ہدایت کیوں کی جاتی ہے حالانکہ علم والے جہل سے نہیں ڈرتے تاہم جاہل عالم سے ضرور ڈرتا ہے مشرکین پیغمبرؐ سے ملنے سے ڈرتے تھے کیونکہ انھیں یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حقائق منکشف ہو جائیں اور لوگ ان کے مکر و فریب سے آگاہ ہو جائیں ، پیغمبرؐ، امام علیؑ ، امام جعفر صادقؑ اور دیگر آئمہؑ جاہلوں سے ملنے سے نہ صرف خوشی محسوس کرتے تھے بلکہ ان کا استقبال بھی کرتے تھے ان کے سوالات غور سے سنتے تھے اور انھیں اپنے سوالات مکمل کرنے کا موقع دیتے تھے لیکن پیغمبرؐ اور آئمہؑ کے ماننے والوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے معلوم نہیں البتہ وہ اپنے مکتب، مدرسے کے طلباء اور عوام سے فلاں فلاں کی کتابوں کا مطالعہ نہ کرنے اور فلاں فلاں کی تقریریں نہ سننے بلکہ ان سے دور رہنے کی ہدایات و تلقین کرتے رہتے ہیں اگر یہ اہل علم ہیں تو ایسی ہدایت کیوں کرتے ہیں ؟

۲۔ تاریک مقام پر کسی چیز کی اصل یا نقل ہونے کے بارے میں پتہ نہیں چل سکتا ہے چنانچہ اسے چراغ کے سامنے یا کمرے سے باہر نکال کر دھوپ میں لے جایا جاتا ہے تا کہ اصل کے بارے میں معلوم ہو سکے لیکن ان ذوات مقدسات سے متصل ہونے کے باوجود ان کے نور کی شعائیں ہمارے چہروں پر پڑنے کے باوجود ہمارے چہرے مکروہ کیوں نظر آتے ہیں مذہب کا نام لینے سے ڈر کیوں محسوس ہوتا ہے اپنا نام پوچھے جانے پر غلط کیوں بتاتے ہیں؟ اکیلے کہیں جانے سے ڈرتے کیوں ہیں؟ کھلے مقامات پر نماز پڑھنے سے خطرہ کیوں محسوس کرتے ہیں؟ ہم اپنے چہرے سے پریشان کیوں ہیں؟ ہمارے چہرے دوسروں کو بُرے کیوں لگتے ہیں؟ کیا پیغمبرؐ اور آئمہ اطہارؑ کے چہرے ہمارے ذہنوں میں موجود تصورات کے مطابق نہیں؟ یا ہمارے چہرے ان سے نہیں ملتے؟ حالانکہ ان ذوات کے نام کو دوسرے اپنے خطبوں میں لینے کو جزءِ مذہب سمجھتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام ادیان سماوی میں اسلام سب سے زیادہ اور مضبوط دلیل اور منطق پر مبنی دین ہے، جس میں کسی قسم کا نقص و عیب نہیں پایا جاتا ہے کتابِ خدا میں ہر سوال کا جواب قانع کرنے کیلئے کافی ہے فرقِ اسلام میں ہمیں فخر یہ ہے کہ ہم اہل بیت اطہارؑ حضرت علیؑ، حضرت زہراؑ، حضرات حسنینؑ اور آئمہ اطہارؑ جیسی پاک ہستیوں سے وابستہ ہیں کیونکہ ان کے چہرے درخشاں اور بے عیب ہیں ہمارے چہرے ان کی وجہ سے منور ہیں لیکن اگر آپ بلتستان سے پنڈی کیلئے روانہ ہوں تو راستے میں ''روندو'' گزرنے کے بعد کسی بھی جگہ اطمینان سے نماز ادا نہیں کر سکتے اسی (۸۰) فیصد اسکول، کالج اور دفاتر میں افتخار سے اور اعلانیہ

طور پر اپنے مذہب کا اظہار اور تعارف نہیں کرا سکتے، اکثر و بیشتر جگہوں پر عزاداری حکومتی انتظامیہ کے تحفظات کے بغیر ممکن نہیں اور کسی روڈ پر حکومتی تحفظات کے بغیر ہم شیعہ ہیں کا نعرہ نہیں لگا سکتے اور نہ ہی ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہمارے مذہب پر کوئی داغ، دھبہ ہے تو بتائیں؟ آج ہمارا چہرے اتنا مکروہ و ناپسند کیوں ہے؟ یہ کریہہ چہرہ کیا ہمارے اپنے کردار کی وجہ سے ہے؟ یا نعوذ باللہ ہمارے پیشواؤں کے چہرے ایسے تھے؟

ہم بھی ایک دین شناس معلم و مربیٔ دین کی شرفِ شاگردی حاصل کرنے کی تگ و دو میں رہتے ہیں ایک طرف سے ہمارا معاشرہ ہر روز خرافات و فرسودگی، شرک و کفر کے سمندر میں ڈوبتا جا رہا ہے تو دوسری طرف ملک کے پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ، دانشمند و دانشور طبقے کی یہ خواہش ہے کہ دین کا چہرہ جتنا بھی بری شکل و صورت اور مسخ شدہ پیش کریں اس سے ان کی دانشوری اور روشن خیالی اور ان کا جمالِ یوسفی چمکے گا اور یہی اس کی بقاء ہے یہ خیال صرف دانشورانِ وقت کا نہیں بلکہ آئندہ دانشور بننے والوں کا بھی ہے۔

جہاں تک یہ سوال ہے کہ شیعوں کو صرف شیعہ حیدر کرار کہہ کر تعارف کرنے پر اصرار کی کیا منطق اور خوبی ہے اس بارے میں بھی تفصیلی بات کرنے کی ضرورت ہے اس سلسلے میں ہم پہلے اس نام کے بارے میں دیکھیں گے کہ یہ نام حضرت علیؑ کیلئے کہاں تک درست ہے پہلے نام رکھے جانے کے بارے میں اصول و ضوابط ملاحظہ کریں :

اسم اور مسمّٰی میں تناسب :

دنیا میں رائج نام اپنے مسمی پر صادق آنے میں یا مسمی کی حقیقت بتانے میں ایک دوسرے کی بہ نسبت واضح و روشن فرق رکھتے ہیں، ایک انسان کسی چیز کا نام اس لئے انتخاب کرتا ہے تا کہ اس نام کے ذریعے وہ مسمی ذہن میں آجائے۔ اس کی چند اقسام ہیں :

ا)۔ ارتجالی اسم : کبھی ذہن میں کوئی مفہوم و مقصد رکھے بغیر کوئی لفظ کسی مسمی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے یعنی اسم اور مسمّٰی میں کوئی تناسب نظر میں رکھے بغیر اسم گذاری کی جاتی ہے یہاں اسم کی اپنے مسمّٰی سے مناسبت نہیں ہوتی ہے دنیا میں اکثر و بیشتر نام اسی طرح ہوتے ہیں بطور مثال خرعلی کسی کا نام ہے تو اس میں اسم اور مسمّٰی کے درمیان تناسب کو مدنظر نہیں رکھا گیا کیونکہ خرعل لغت عرب میں بھیڑ کو کہتے ہیں یہاں مسمی انسان ہے لہٰذا اس کے اور بھیڑ کے درمیان کوئی مناسبت یا رشتہ نہیں بنتا ہے اس قسم کی اسم گذاری کو اہل ادب

اسم ارتجالی کہتے ہیں۔

۲)۔ **کنیت** : کنیت مادہ کن سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھپانے کو کہتے ہیں عرب میں بڑی اور محترم شخصیتوں کے نام لینے کو عیب سمجھا جاتا تھا لہٰذا وہ انھیں فلاں کا باپ یا فلاں کی ماں سے پکارتے تھے اس قسم کی اسم گزاری کو کنیت کہتے تھے اس حوالے سے حضرتؑ کی کنیت ابوالحسن سے معروف تھی۔

۳)۔ **القابِ مدح وذم** : کبھی کسی مسمی کیلئے اسم انتخاب کرتے وقت انتہائی دقت اور باریک بینی سے کام لیا جاتا ہے اور دونوں کے درمیان رشتہ اور مناسبت کو مدنظر رکھا جاتا ہے چنانچہ سامع نام سنتے ہی مسمی کے بارے میں سبب تسمیہ معلوم کر لیتا ہے کہ اس کو اس نام سے کیوں پکارا گیا ہے جیسا کہ حضرت عبدالمطلب کا نام شیبہ تھا انہیں شیبہ اس لئے کہا گیا کہ پیدا ہوتے وقت ان کے بالوں میں سفیدی تھی لیکن بعد میں انہیں عبدالمطلب اس لئے کہا جانے لگا کہ ہاشم کی وفات کے بعد ان کے بھائی مطلب انہیں اپنی سواری کے پیچھے سوار کر کے یثرب سے مکہ لائے تھے جب لوگوں نے دیکھا تو کہا عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام جبکہ مطلب نے لوگوں سے کہا نہیں یہ میرا بھتیجا ہے القاب کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں اچھی اور پسندیدہ صفت کی بنیاد پر یا بری صفات کی بنیاد پر، اس قسم کی اسم گزاری کو القاب کہتے ہیں۔

۴)۔ **مذموم القاب** : مذموم القاب یا اسم وہ ہیں جن کو سنتے ہی انسان کے ذہن میں کوئی بری چیز یا برا خیال آجائے یا اسے ایک برا اشارہ سمجھا جائے۔

اسم گذاری کے مروجہ طور وطریقے بیان کرنے کے بعد اب ہم مولا امیر المومنینؑ کے بارے میں اس معروف نام کی طرف آتے ہیں جس کے تحت آپ کو "حیدر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کیا یہ ان کا لقب ہے؟ اگر ان کا لقب ہے تو یہ پسندیدہ لقب ہے یا مذموم لقب ہے ؟؟؟

امیر المومنین علیؑ کے نام سے ہٹ کر شیعیان حیدر کرار کہلانا بذات خود سقم سے خالی نہیں کیونکہ ہر نام کا ایک مصدر ہوتا ہے جس کے ذریعے اس نام کے بلند معانی درک کئے جاتے ہیں بطور مثال جب ہم حضرت محمدؐ کے اسم گرامی کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ محمدؐ کا مصدر کیا ہے تو کہتے ہیں یہ مادۂ حمد سے بنا ہے یعنی لائقِ ستائش اور جب علیؑ کے اسم گرامی کا مصدر پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں علی مادۂ علو سے بنا ہے جس کے معنی بلند مقام صاحبِ منزلت ہے، اسی طرح حسنؑ وحسینؑ مادۂ حُسن سے بنے ہیں یعنی پسندیدہ، صادق صدق سے بنا ہے یعنی قول وفعل میں صداقت اپنانے والا، کاظم کظم سے بنا ہے یعنی غصے کو پینے والا، ہادی ومہدی مادۂ

ہدایت سے بنے ہیں یعنی ہدایت کرنے والا، فاطمہؑ مادۂ فطم سے بنا ہے یعنی برائی سے جدا اور کٹا ہوا، تقی تقویٰ سے بنا ہے، نقی نقاوت سے بنا ہے وغیرہ لہٰذا علماء وارباب لغت کتب لغتِ عرب سے نکال کر مجھے یہ بتائیں کہ کلمہ حیدر کا اصل کہاں سے لیا گیا ہے، اس کلمے کا مصدر و ماخذ کا لغتِ عرب میں کیا معنی ہے اگر اس کلمے کا اصل اور لغوی معنی کہیں سے بھی نکال کر پیش کیا گیا ہم اپنی جہالت کا اعتراف کرینگے ورنہ ان لوگوں کو چاہیے کہ خود کو شیعیان حیدر کرار کہنے پر اصرار نہ کریں۔

یہاں ہم اپنی معلومات کے مطابق کلمہ حیدر کی تفسیر وتوضیح پیش کرتے ہیں، کلمۂ حیدر کا کتب لغت میں کوئی مصدر نہیں آیا ہے کتب لغت میں کلمہ حدر آیا ہے جو اوپر سے نیچے اتارنے، جھکانے اور ڈھلوان بنانے کے معنی میں آیا ہے جدید اردو کتب لغت میں صرف اتنا کہنے پر اکتفاء کیا گیا ہے کہ حیدر شیر کو کہتے ہیں جبکہ اس سے ہر شیر مراد نہیں ہے بلکہ یہ کلمہ چھوٹے قد کے شیر کیلئے استعمال ہوتا ہے مصنفینِ لغات نے اسے عربی کلمہ بتایا ہے جبکہ عربی میں شیر کو اسد کہا جاتا ہے۔

دمیری متوفی ۸۰۸ھ نے اپنی کتاب حیاتِ حیوان میں لکھا ہے اسد کے کئی اور نام ہیں ان ناموں میں سے ایک حیدر ہے، حیدر کا معنی بعض لغات اردو میں ''چیرنے، پھاڑنے والا شیر'' ہے یہ فلسفۂ لغات کے طالب علم کیلئے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ چیرنا پھاڑنا ہر شیر کا کام ہے یعنی یہ ہر شیر کیلئے ایک عام صفت ہے یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے علیؑ کے القاب میں حیدر شامل کیا ہے یہ ایک صفتِ مدح کے عنوان سے نہیں ہے بلکہ ایک صفتِ طنزیہ اور صفتِ نقص کا اضافہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اولادِ علیؑ نے آپ ؑ کے بعد اپنی اولادوں کا نام علی، محمد، حسن، حسین، جعفر، عمر وابوبکر وغیرہ رکھا لیکن کسی ایک نے بھی حیدر کا نام ہرگز نہیں رکھا ہے اگر بالفرض رکھا ہو تو بالکل نہ ہونے کے برابر ہے اس بنا پر اگر کہیں اس سلسلے میں کوئی نقل ملتی ہے تو وہ مشکوک ہوگی اسی طرح علیؑ کیلئے اس نام کے انتخاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ فاطمہؑ بنت اسد نے اسے انتخاب کیا تھا جبکہ یہ نام آپ کے والد گرامی کو پسند نہیں تھا حتیٰ کہ خود پیغمبرؐ کو بھی پسند نہیں آیا تھا کہ آپؐ نے کبھی حیدر کہہ کر نہیں پکارا بلکہ ہمیشہ علیؑ کہہ کر پکارتے تھے۔ اگر حیدر حضرت علیؑ کی شجاعت ومردانگی کا نام ہے تو کیونکر میدانِ کربلا میں فوجِ اشقیاء سے مبارزہ کرتے وقت امام حسینؑ اور بنی ہاشم کے فوجوں نے اپنا تعارف اور انتساب حیدر سے نہیں کیا؟ اور کیوں کسی نے بھی نعرہ حیدری بلندی نہیں کیا۔

## حیدر کے ساتھ کلمہ ''کرار'' کا اضافہ

یہ صفت حضرت علی بن ابی طالبؑ کیلئے کس حد تک اہمیت کی حامل ہے اس بارے میں مسلمہ عقل ونقل کی حدود میں رہتے ہوئے غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے صفتِ کراریت عام طور پر میدان جنگ میں ڈٹے رہنے اور استقامت دکھانے کو کہتے ہیں جو بعض اوقات مستحسن قرار پاتی ہے چنانچہ کرار کا لقب پیغمبر اسلامؐ نے جنگ خیبر کے موقع پر حضرت علیؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کسی انسان کیلئے بطورِ شناخت کامل اور عام پہچان کراتے وقت کسی بھی صفت کے استعمال کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس انسان کی زندگی کے تمام نشیب وفراز اس صفت کے حامل ہوں لہٰذا اکثر وبیشتر شخصیات کو القاب دیتے وقت صابر، حلیم، صادق اور راضی وغیرہ کے القاب سے پکارا جاتا ہے جو دائمی طور پر اس میں زندہ ہو نہ کہ ایسی صفت ہو جو زندگی کے ایک لمحے سے مخصوص ہو کیونکہ صفاتِ انسان دو حصوں میں تقسیم ہیں۔

ایک صفت دائم ہے جو ہر وقت اس میں ہونی چاہیے اور اس کا مستقل طور پر نہ ہونا اس کیلئے عیب ہے ایک صفتِ متغیر ہے جو وقت وحالات کی ضرورت کے تحت ظاہر ہوتی ہے اور ضرورت ختم ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے، اس اصول کے تحت صفت کرار ایک ایسی صفت ہے جو وقت وحالات کے تقاضے کے تحت آتی جاتی رہتی ہیں لہٰذا تحلیل وتجزیہ کرنے والے جنگوں کا تجزیہ کرتے ہوئے میدان جنگ میں استقامت دکھانے اور کبھی پیچھے ہٹ جانے کو جنگی حکمت عملی قرار دیتے ہیں۔

نبی کریمؐ نے حدیبیہ میں پیچھے ہٹنے کو مصلحتِ اسلام گردانا، حضرت علیؑ نے بھی جنگ صفین میں جنگ کو ملتوی کرنے کو مصلحت سمجھا، اسی طرح امام حسنؑ نے بھی معاویہ کے ساتھ جنگ کو ملتوی کیا اور حضرت علیؑ کا پچیس (۲۵) سال تک خانہ نشین ہونا جنگ میں استقامت دکھانے سے کم نہیں مردانِ حق کا جنگ میں استقامت دکھانا اور دفاع کیلئے پیچھے ہٹنا دونوں خدا کی رضا کی خاطر ہوتے ہیں اسی طرح فدائیان وصادقین اسلام جنگی مزاج وخُو، درندہ صفت، چیرنے پھاڑنے والے حیوان کی مانند نہیں ہوتے۔

جنگ میں استقامت دکھانا اور کبھی پیچھے ہٹنا دونوں پسندیدہ صفات ہیں لہٰذا میدانِ جنگ میں آگے بڑھنا، کرّاریت دکھانا اور کبھی جنگ وجدال سے گریز کرتے ہوئے پیچھے ہٹنا یہ سب علیؑ کی صفات ہیں جس علیؑ نے ہر جنگ میں حکمِ نبیؐ کے تحت آگے بڑھنے میں سبقت کی وہ علیؑ حکم پیغمبرؐ کے تحت جنگ تبوک کے موقع پر

مدینہ میں رہے اور پیغمبرؐ کی وفات کے بعد پچیس سال تک خلفائے وقت سے مزاحمت ونبرد آزمائی سے گریز کرتے ہوئے عقب نشینی اور خانہ نشینی کو انتخاب کیا پھر دوبارہ شہ سوارِ میدان بن کر میدان میں آئے۔

اگر آپ علیؑ کے چاہنے والے ہیں اگر آپ کو علیؑ پیارے ہیں تو آپ دنیائے کفر وشرک کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگ ونبرد آزمائی کے موقع پر اپنے حق سے دستبردار ہو کر امت مسلمہ کا ساتھ دے کر کفر وشرک کو مایوس کرنے کیلئے جرأت وہمت کیوں نہیں کرتے؟ مقابلہ ومزاحمت اور کراہت کے تحت مسلمانوں کو مبارزے کیلئے طلب کرنا علیؑ کی صفت نہیں ہے علیؑ کی صفات اذہان میں واضح ہونا ضروری ہیں کیونکہ شیعیانِ علیؑ کہلانے والوں کے ہاں علیؑ کے دو کرداروں کو اٹھایا جاتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ کُتبِ تاریخ اسلام کے صفحات میں علیؑ کو ان کی صفات وخصوصیات اور امتیازی خدمات کے تحت یاد کیا گیا ہے :

۱)۔ حضرت ابوطالب کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔

۲)۔ پروردۂ حضرت رسول اللہؐ تھے چھوٹی عمر سے آپؑ کی رسول اللہؐ نے پرورش کی۔

۳)۔ آپؑ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد دوسری ہستی ہیں جو رسول اللہؐ پر ایمان لائے۔

۴)۔ شب ہجرت نبی کریمؐ کے بستر پر سوتے رہے۔

۵)۔ نبی کریمؐ کی عزیزہ بیٹی حضرت فاطمہؑ کے شوہر تھے۔

۶)۔ غزوہ تبوک کے علاوہ تمام جنگوں میں نبی کریمؐ کے ساتھ شریک رہے۔

۷)۔ غدیر خم کے موقع پر نبی کریمؐ نے اعلان فرمایا: [من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ]۔

۸)۔ پیغمبر اسلامؐ کے بعد اسلام ومسلمین کی بقاء کی خاطر اپنے حق سے دست بردار ہو کر صبر کی زندگی گزاری۔

۹)۔ ۳۶ ہجری کو خلیفہ سومؓ کے قتل کے بعد امت اسلامی نے انتہائی رضا ورغبت سے آپؑ کو خلیفہ منتخب کیا۔

۱۰)۔ ۴۰ ہجری کو ملجم مرادی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

۱۱)۔ امت اسلام میں عدل وانصاف کے قیام کیلئے یہ کلمات ارشاد فرمائے :

"کیا تم مجھے اس بات پر آمادہ کرنا چاہتے ہو کہ میں جس رعایا کا ذمہ دار بنایا گیا

ہوں ان پر ظلم کر کے چند افراد کی کمک حاصل کرلوں۔ خدا کی قسم جب تک اس دنیا کا صہ چلتا رہے گا اور ایک ستارہ دوسرے ستارہ کی طرف جھکتا رہے گا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا ہے"۔[۱] "خدا گواہ ہے کہ میرے لئے سعدان کی خاردار جھاڑی پر جاگ کر رات گزار لینا یا زنجیروں میں قید ہوکر کھینچا جانا اس امر سے زیادہ عزیز ہے کہ میں روز قیامت پروردگار سے اس عالم میں ملاقات کروں کہ کسی بندہ پر ظلم کر چکا ہوں یا دنیا کے کسی معمولی مال کو غصب کئے ہوئے ہوں"۔ [۲]

۱۲)۔ ہمیشہ سے قیام عدل وانصاف اور دشمنان سے مقابلہ کیلئے لوگوں سے نصرت طلب کی اور نصرت نہ کرنے کی شکایت کرتے رہے۔

۱۳)۔ فقراء ومساکین کیلئے اپنے دوش پر کھانا رکھ کر لے جاتے تھے۔

لیکن جس علیؑ کی تعریف یہاں کے خطباء، شعراء اور ان کے خاص شیعہ بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے:

(۱)۔ آدمؑ سے پہلے بلکہ خلقت کائنات سے پہلے موجود تھے لہٰذا ابوطالب کے فرزند نہیں ہوسکتے۔

(۲)۔ معراج کے موقع پر پیغمبرؐ کے میزبان تھے اور نبیؐ سے افضل تھے لہٰذا نبی پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳)۔ سب کی مشکلات حل کرتے تھے اب بھی کرسکتے ہیں لیکن وہ خود پریشان حال تھے اور اپنے دور میں اسلام کیلئے لوگوں سے مدد کے خواہاں تھے جبکہ آج مسلمان پریشان ہیں اور ان کا کوئی دادرس نہیں۔

مذکورہ وجوہات کے بعد قارئین کرام پر واضح ہوجائے گا کہ شیعیانِ حیدر کرّار اور شیعہ اثنا عشری ایک دوسرے سے جدا ہیں، حیدری شیعہ وہی شیعیانِ غالی ہیں جن

---

[۱] [اتامرونی ان اطلب النصر بالجور فیمن ولیت علیه واللہ لااطور به ماسمر سمیر (نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۶، جوادی ص ۲۴۷)] [۲] [واللہ الان ابیت علیٰ حسک السعدان مسهداً او اجر فی الاغلال مصفداً احب الی من ان القیٰ اللہ ورسوله یوم القیامة ظالماً لبعض العباد وغاصباً لشیءٍ من الحطام (نہج البلاغہ خ ۲۲۴، جوادی، ص ۴۵۹)]

سے آئمہ طاہرینؑ نے برأت اور لاتعلقی کا اعلان کیا۔

## منحرف اور گمراہ فرقے :

شیعہ فرقوں میں قرآن وسنت کے خلاف سرگرم گمراہ اور منحرف فرقوں کا موجود ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے جس سے انکار ممکن نہیں، بعض اہلِ تحقیق علما کہتے ہیں کہ یہ منحرف فرقے پہلے شیعوں میں موجود تھے لیکن اب وہ صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں انکی یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے کیونکہ ان جیسی بزرگ ہستیوں سے یہ روشن حقائق کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں اتنی تحقیقات کے باوجود ان لوگوں کے موجود ہونے سے انکار کرتے ہیں حالانکہ یہ فرقے اپنی تمام تر شکل وصورت اور تند و تیزی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور یہ فرقے ہمارے اوپر اتنے چھائے ہوئے ہیں کہ مذہبِ حقہ اثنا عشری ان کے کباڑوں کی وجہ سے دکھائی نہیں دیتا، معلوم نہیں کہ اس مذہب حقہ کے داعی اور حامی خود کو کیسے تجاہل کی صفوں میں داخل کراتے ہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ ہماری مذہبی بود و باش، رسم ورواج اور شعائر ورسومات پر کس کا رنگ غالب ہے اور کس کا رنگ ہلکا یا ناپید ہو گیا ہے، یہ بات عیاں ہے کہ غالیوں کا مذہب تمام اسلامی مذاہب پر چھایا ہوا ہے جس کے نتیجے میں مجہول الحق ہوتا جا رہا ہے۔

### ۱۔ حیدریہ :

کتاب ''فرہنگ فرق اسلامی'' میں ڈاکٹر جواد مشکور صفحہ ۱۷۲، ۱۷۳ پر لکھتے ہیں کہ ایران میں ایک ایسا گروہ تھا جو قطب الدین بن حیدر تونی سے منسوب تھا جس نے ۶۱۸ ہجری میں وفات پائی اسے خراسان کے نزدیک ''زاوہ'' نامی جگہ پر دفن کیا گیا اس کے بعد یہ جگہ ''تربتِ حیدریہ'' کے نام سے معروف ہوئی، یہ فرقہ آٹھویں صدی ہجری کے دوسری نصف عشرہ میں پیدا ہوا۔

عراق میں اس وقت سے اب تک ایک پرچم ''حیدری'' کے نام سے جلوس کے آگے ہوتا ہے، جواد مشکور کہتے ہیں کہ حیدریہ نصیریوں کا ایک گروہ ہے جو خود کو حضرت علیؑ کے نام سے منسوب گردانتا ہے۔ان میں سر فہرست مغیرہ بن سعید تھا جس نے نہ صرف دعوائے نبوت کیا بلکہ خود کو عارفِ اسم اعظم بھی گردانا مغیرہ خدا کی جسمانیت کا قائل تھا حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور دیگر اصحاب رسولؐ کو کافر سمجھتا تھا، اس

نے خالد بن عبداللہ قسری والی کوفہ کے زمانہ میں کوفہ کے اندر خروج کیا جو کہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن امام حسنؑ کیلئے تبلیغ کرتا تھا بالآخر اس نے دعوائے نبوت کیا جس پر والی کوفہ نے اسے گرفتار کرلیا بعد ازاں اسے سولی پر لٹکایا۔ صاحب فرق اسلامی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷۴ پر لکھا ہے کہ حیدر فرزند جنید شاہانِ صفوی کے جد کا نام ہے اس لئے ان کے ماننے والے جنید کو خدا اور حیدر کو انکا بیٹا گردانتے تھے۔

## ۲۔ غلات :

### غالیوں کی تعریف :

ڈاکٹر محمد جواد مشکور اپنی کتاب ''فرہنگ فرقِ اسلامی'' کے صفحہ ۳۴۴ پر لکھتے ہیں کہ غالی شیعوں کا ایک فرقہ ہے جو آئمہؑ کے بارے میں حد سے زیادہ غلط گوئی کرتا ہے یہ انہیں خدا کے برابر، ان کے خدا میں حلول کرنے، خدا کا ان میں حلول کرنے یا خدا اور ان کو برابر گردانے جیسے فاسد عقائد کا حامل ہے، حسب تصریح اربابِ فرق، مسلمانوں کے ایک سو پچاس (۱۵۰) غالی فرقے بن چکے ہیں جن میں سرفہرست زیدیہ' اسماعیلیہ' فطحیہ' واقفیہ ہیں جو سب غالی ہیں۔

### غالیوں کا عقیدہ :

ہم یہاں برداران اور دوست دارانِ اہل بیتؑ کے حامیوں اور چاہنے والوں کو ان کے فاسد عقائد سے متعارف کرائیں گے پھر ان کی شناخت کے بعد واضح ہوگا کہ غلو کیا ہے؟ غلو کس چیز کا نام ہے اور یہ ہمارے ہاں کتنی مقدار و تناسب میں پایا جاتا ہے۔

۱۔ ائمہ طاہرینؑ کے بارے تثلیثِ مسیح کا عقیدہ رکھتے ہیں خدا نے ان میں حلول کیا ہے یا انہوں نے خدا میں حلول کیا ہے، خدا کھل جاتا ہے تو پنجتن بنتے ہیں اور پنجتن جب سمٹے ہیں تو خدا بنتا ہے اسی طرح کہتے ہیں خدا علی ہے یا علی خدا ہے۔

۲۔ ان ذوات کو خلقتِ کائنات سے پہلے قرار دیتے ہیں، قدیم ذات وصفات کا حامل بتاتے ہیں یہ کان وما یکون کا علم جانتے ہیں۔

۳۔ خدا نے ان کو خلق کیا، انہوں نے کائنات کو خلق کیا، بعض تخلیقی امور ان کو تفویض کئے گئے ہیں جو چیز ان سے مانگی جائے عطا کرتے ہیں

۴۔ دین وشریعت اور حلال وحرام، ان سے محبت اور ان کے دشمنان یعنی خلفائے ثلاثہ سے نفرت کا

نام ہے۔

۵۔ حضرت محمدؐ ان ذوات کے فضائل بتانے کیلئے تشریف لائے ہیں۔

۶۔ موجودہ قرآن کو کتابِ ناقص اور ناقابل عمل گردانا، اصل قرآن کو حضرت علیؑ اور آئمہ طاہرینؑ کے پاس مخفی و پوشیدہ سمجھنا۔

۷۔ خلفائے راشدینؓ پر برملا سبّ و شتم کرنا وغیرہ۔

۸۔ تولیٰ یعنی معجزات و کرامات۔

۹۔ تبرا یعنی سبّ و شتم یہ ان کے برگزیدہ عقائد میں شامل ہیں۔

## ولایت اور تبّراء :

کہا جاتا ہے کہ فروع دین دس (۱۰) ہیں جن میں سے نواں (۹) تولیٰ اور دسواں (۱۰) تبّرا ہے، ان دونوں کو فروع دین میں کس دلیل و منطق کے تحت شامل کیا ہے اور کس نے اور کیسے شامل کیا ہے اس کا کوئی ذکر قرآن کریم اور روایات میں نہیں ملتا ہے بلکہ ان کلمات کی مختلف صیغے جو قرآن اور روایات میں آئے ہیں جن کا قرآن کریم اور روایات میں جو بھی حکم بطور واجب آیا ہے اس کے ترک کرنے والے کو وعدۂ عذاب دیا ہے وہ فروع دین میں شامل ہے اگر کسی نے کسی واجب کو اہمیت دی ہو تو وہ سب کیلئے مسلمہ فروعات دین نہیں بنیں گے جیسے ایک شخص عیدین کی نماز کو سال کی واجب نمازوں پر اہمیت دیتا ہو یا گھر سے نکلتے وقت دیئے جانے والے صدقہ کو زکوٰۃ پر اہمیت دیتا ہو۔

ہم قرآن کریم اور روایات کے ذریعے ان دونوں کلمات کے حقیقی مفاہیم پیش کرنے کی خاطر اسے بنیاد سے اٹھاتے ہیں اور ان کا عملی اور تجرباتی میدان سے بھی موازنہ کریں گے۔

## تولیٰ

تولیٰ کسی چیز کو پس پشت سے چلانا یا اس کی نگرانی، سرپرستی کرنے کے معنوں میں آتا ہے اس مفہوم کے تولیٰ کے درج ذیل مفروضے بنتے ہیں اور ہر ایک کے بارے میں بحث و تحقیق کرنے کی ضرورت ہے:

۱)۔ ولایت تکوینی :

کسی بھی چیز کو بغیر مادہ تخلیق کرنا یا کسی وسیلہ یا ذریعہ کے بغیر کسی شے کو دوسری شکل و صورت میں تبدیل

کرنے کی ولایت صرف خداوند متعال کی ذات کیلئے مخصوص ہے اس قسم کی ولایت کو ولایتِ تکوینی کہا جاتا ہے قرآن کریم میں انبیائے الٰہی کیلئے اس ولایت کو حسب ضرورت، خدا کے اذن سے دیا جانا ثابت ہے تا کہ انبیاءؑ کا خدا سے رابطہ ہو اور اسی کی طرف سے آنے کا ثبوت پیش کر سکیں لہٰذا ہر نبی نے اپنے دور کے تقاضوں کے تحت اس ولایت کو استعمال کیا ہے تاہم بعد میں لوگوں نے اس ولایت کے اختصاص کو انبیاء الٰہی سے ختم کر کے تمام اولیاء کیلئے ثابت کرنے کی مہم چلائی ہے اور اسی مرحلے سے غیر خدا کیلئے اصل ولایت کا قابل عمل ہونا یا نہ ہونا اور مختلف افراد کیلئے ولایت ثابت کرنے کی کوشش جاری کیا ہے جو ہر حوالے سے مشکوک ہے کیونکہ ولایت تکوینی اولیاء کیلئے کب اور کیسے حاصل ہوئی یہ بات بذات خود نا قابل تصور ہے جن لوگوں نے اس قسم کی ولایت کو خدا اور انبیاءؑ کے بعد دیگر شخصیات کیلئے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس میں اس کے حصول کے طریقہ کار کی وضاحت نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ صرف اجمالی اور ابہام گوئی سے گزرتے ہیں ان کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ تقویٰ حاصل کرنے سے ولایت تکوینی حاصل ہوتی ہے لیکن یہ نہیں بتاتے ہیں کہ کس قسم کا تقویٰ حاصل کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ تقویٰ اپنی جگہ مصادیق کثیرہ رکھتا ہے جو درج ذیل ہیں :

۱۔ فکری تقویٰ: غلط اور بے بنیاد افکار و نظریات اپنانے سے پرہیز کرنے کو فکری تقویٰ کہا جاتا ہے۔

۲۔ عملی تقویٰ: خدا کے واجب کردہ اعمال ترک کرنے سے گریز کرنے کو عملی تقویٰ کہتے ہیں۔

۳۔ ورع تقویٰ : خدا کی حرام کردہ چیزوں کے ارتکاب کرنے سے گریز کو تقویٰ ورع کہا جاتا ہے۔

۴۔ زہد : خدا کی طرف سے حلال کردہ لذات اور آسائشوں سے دوری کرنے کو زہد کہا جاتا ہے۔

۵۔ ریاضتی تقویٰ : کھانے پینے والی چیزوں سے پرہیز کرتے ہوئے زیادہ تر وقت بھوک و پیاس میں گزارنے کو ترجیح دینا ریاضتی تقویٰ ہے۔

معاشرے میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کے ہاتھوں کسی قسم کی تخلیق یا عناصر مادہ کی تبدیلی نظر نہیں آتی لیکن ان کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ ولایت اور اذکار کے ورد سے یہ حاصل ہوئی ہے جو دراصل مذہبِ حروفی کی اختراع کردہ ہے اس مذہب کا بانی بذات خود ملحد، بے دین تھا جنھوں نے اس مذہبِ باطلہ کو ایجاد کیا اگر یہ ولایت کسی طریقہ کار یا عمل سے حاصل کرنا ممکن ہے تو کیونکر اس کو دوسروں تک پہنچانے یا سکھانے کیلئے کوئی درس گاہ قائم نہیں کی جاتی تا کہ متمنی حضرات بھی وہی مقام حاصل کر سکیں۔

الف۔ کسی چیز کا بغیر مادہ اور صورت تخلیق کرنا: یہ ولایت صرف خداوند متعال کو ہی حاصل ہے کائنات کے ذرّے سے لے کر مجرہ (کہکشاں) تک کی خالق صرف وہی ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

ب۔ علم اور دنیوی وسائل کے ذریعے مادے کو چیر کر اس سے پوشیدہ مفید یا نقصان دہ چیزوں کا نکلنا یا اس کی شکل وصورت بدلنا وغیرہ، یہ صلاحیت علوم مادی اور مادی وسائل کے حامل افراد کیلئے مخصوص ہے جسے آجکل کے محاورے میں علمی وسائنسی انکشافات کہتے ہیں یہاں ایمان یا عمل صالح نامی کسی چیز کا ہونا ضروری نہیں۔

۲)۔ ولایتِ تشریعی : خداوند متعال نے اپنے قانون کے نفاذ اور اسے برقرار رکھنے کے اختیارات جن بندوں کو سونپے ہیں انھیں انسانوں کا ولی اور اولیاء کہا گیا ہے۔

۳)۔ دعوائے علم : تین طریقوں سے ممکن ہے

الف۔ وحی یہاں انبیاء جتنی خبر خدا سے لیتے ہیں اس سے امت کو آگاہ کرتے ہیں اس علم کے بارے میں امت کو نہ کوئی علم ہے اور نہ رسائی رکھتی ہے۔

ب)۔ وسائل وذرائع مادی کے ذریعے پنہاں چیزوں کے بارے میں خبر دینا یہ بھی عام انسانوں کیلئے ایک قسم کی غیب گوئی ہے جیسے الٹراساونڈ کے ذریعے انسان کے اندر موجود پنہاں چیزوں کی خبر دینا یا آلات موسمیات کے ذریعے موسم کی خبریں قبل از وقت دینا یا سمندر میں موجود مخلوقات کی خبر دینا وغیرہ۔

پ)۔ علم غیب کی تیسری قسم کذب گوئی ہے نہ اس میں وحی ہوتی ہے اور نہ ہی وسائل مادی ہوتے ہیں وہ صرف اور اداور کچھ بے بنیاد اعمال کے ذریعے جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ ایک قسم کا جادو ہے جس میں جاہل وانپڑھ ضعیف الایمان اور کمزور نفسیات کے مالک ان کے جال میں پھنستے ہیں لہٰذا جاننا چاہیے کہ وردوادوار واعمال سے نہ غیب جانتا ہے اور نہ ہی کائنات میں تصرف کر سکتا ہے یہ ابلیسی جال ہے جس کے بارے میں نہج البلاغہ خطبہ ۷۹ تفصیل موجود ہے :

"ایہا الناس! خبردار نجوم کا علم مت حاصل کرو مگر اتنا ہی جس سے بر و بحر میں راستے دریافت کئے جاسکیں کہ یہ علم کہانت کی طرف لیجاتا ہے اور منجم بھی ایک طرح کا

کاہن (غیب کی خبر دینے والا) ہوجاتا ہے جب کہ کاہن جادوگر جیسا ہوتا ہے اور جادو
گر کافر جیسا ہوتا ہے اور کافر کا انجام جہنم ہے چلو نام خدا لے نکل پڑو"۔[1]

مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس قسم کی ولایت ہونے کا چرچا کر کے غبارے کی مانند چھوڑ دی ہے اور اس قسم کی ولایت کے حصول کی سند میں زیادہ تر کلمہ تقویٰ کو استعمال کرتے ہیں آیئے دیکھتے ہیں ایسے کام انجام دینے میں تقویٰ کا کیا کردار ہے، اس طبقے نے اپنی اس فکر و نظریہ کو منوانے کی خاطر جن وسائل و ذرائع سے لوگوں کو خواب و غفلت اور اندھیرے میں رکھنے کیلئے سحر و ساحری، جادوگردی، چشم بندی اور حواس بندی سے کام لیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، اگر ارباب عقل و فکر اس حلقے کے ماضی، حال کے معمولات اور مستقبل کی حکمت عملی کا بغور جائزہ لیں تو ان کا سحر و جادو بھی حقیقت سے عاری اور کھوکھلا نظر آئے گا جبکہ یہ لوگ دنیاداری اور لطف اندوزی اور اسراف و تبذیر میں شیاطین کے برابر بلکہ کچھ آگے ہیں ان کے ہاں اس تصور کا دور کا بھی واسطہ نہیں جبکہ شیعہ اسے تبرّا کے بہانے سے خلفاء پر سبّ و شتم کو فروغ دیتے ہیں۔

ثقافتی مظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ تولیٰ و تبرّا کی فرق اسلامی میں دو تقسیم ہے :

تولیٰ بعض اہل سنت کے گروہوں میں ہے جبکہ تبرّا بعض اہل تشیع کے گروہوں میں سرائیت کر گیا ہے، دونوں گروہوں میں ان کلمات کے حوالے سے غلو اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے جس کے باعث دین مقدس اسلام کی عمارت زمین بوس ہو چکی ہے دونوں گروہ تولیٰ اور تبرّا کو جس مفہوم میں سمجھتے اور سمجھاتے ہیں وہ قرآن کریم اور روایات صحیح اسلامی کے سراسر خلاف ہے۔

## تبّری :

مادۂ بُرء سے مشتق ہے اور "ب ، ر ، ء" سے بنا ہے جس کی دو مختلف معنی ہیں ایک بُرء سے مراد خلق ہے اسی سے کہتے ہیں باری تعالیٰ اور باری تعالیٰ سے مراد خالق ہے دوسرا کسی چیز کی مجاورت و ہم نشینی یا ساتھ رہنے سے پرہیز کرنے، نجات پانے کے معنوں میں آتا ہے چنانچہ برأت اسی معنی میں استعمال ہوا ہے :

---

[1] [ایھاالناس ایاکم تعلم النجوم الامایھتدی بہ فی برا وبحر فانھاتدعوالیٰ الکھانۃ والمنجم کالکاھن کالساحر والساحر کالکافر والکافر فی النار سیر واعلیٰ اسم اللہ] (نہج البلاغہ جوادی ص ۱۲۹)

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ﴾ ''پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہوگئے''۔ (توبہ ۱۱۴) ﴿أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ''صاف اطلاع ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے''۔ (توبہ ۳)

لہٰذا تبرا عملی زندگی کا نام ہے نہ کہ الفاظ کے ورد کرنے کا۔ ہمارے ہاں تبّرا کا تصور قرآن وسنت کی رو سے دو والوں سے انحراف کی راہ پر گامزن ہے، خدا اور رسولؐ کے دشمنوں سے عملی دوری اختیار کرنے کی بجائے الفاظ کے ورد پر اکتفا کیا جاتا ہے جس کی قرآن وسنت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

دوسرا انحراف قرآن کریم نے برأت، تبّرا دشمنان خدا اور رسولؐ، دین اسلام سے کرنے کا حکم دیا ہے جبکہ ہمارے ہاں تیسرا صرف دشمنان اہل بیتؑ سے کرتے ہیں جو کہ بقول ان کے خلفائے اسلام اور انکے ماننے والے مراد ہے پھر ان کی ضد میں دشمنان خدا اور رسولؐ اور دشمنانِ اسلام سے دوستی رکھتے ہیں اس تفسلت کے تحت ان کے ساتھ دوستی میں ہمارا تحفظ ہے۔ بتائیں کس دین کی منطق ہے ؟

خلفاء اور حکمرانانِ اسلام پر مسلمانوں کی طرف سے نقد واعتراض کرنا بحکم آیہ کریمہ نساء ۵۹ :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور تم میں سے صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو جائے تو اس سلسلے میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو''۔

کے تحت ان پر تنقید کرنے کا اس مسلمان کا حق ہے جو انھیں خلیفۃ المسلمین سمجھتا ہو، لیکن ان لوگوں کو قطعاً کوئی حق نہیں پہنچتا ہے جو انھیں نمرود وفرعون اور ہامان اور عصر حاضر کے دنیائے کفر وشرک کے سربراہان جیسا قرار دیتے ہوں، انھیں کافر ومشرک سمجھتے ہوئے ان پر نفرین اور تیرا بازی کو اپنا دین وایمان سمجھتے ہوں، انھیں چاہیے کہ یہ نفرین ذرا اُس وقت کے قیصر وکسریٰ اور اس وقت کے قیصر وکسریٰ اور اِس وقت کے قیصر وکسریٰ کو بھی شامل کر کے کیا کریں اگر یہ جز وایمان ہے۔

## اسباب وعوامل تاریخ ظہور غلات :

استاد اسد حیدر مورخ کبیر جلیل القدر تجزیہ نگار اپنی گرانقدر کتاب ''امام صادقؑ اور مذاہب اربعہ'' ج ۴، ص ۱۳۶ پر تاریخ غلات کے آغاز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کی تاریخ صدر اسلام سے جا کر ملتی

ہے جب نبی کریمؐ کے سامنے جزیرۃ العرب کے ظالم وجابر اور مفاد پرست افراد اپنی عوام کے ساتھ بادل ناخواستہ طور پر دین اسلام میں داخل ہوئے اور اپنے خودساختہ مذاہب کے بارے میں جو تصورات رکھتے تھے وہ نبی کریمؐ کی دعوت سے متصادم دیکھتے تھے لہٰذا تہہ دل سے دین اسلام کو تسلیم نہ کیا بلکہ دین اسلام سے انتقام لینے کیلئے ان کے اندر آگ سُلگھ رہی تھی، عرب کے شمال میں رہنے والے نصاریٰ، مدینے سے جلاوطن ہونے والے یہودی اور خلیفہ دوئم کے ہاتھوں مغلوب ہونے والے آتش پرست فارسیوں کیلئے دین اسلام کا پھیلنا، پھولنا قابل برداشت اور ناگوار تھا لہٰذا جب ان کے پاس اسلام کے خلاف مقابلے کیلئے مزاحمتی طاقت نہ رہی تو انھوں نے اسلام کے جھنڈے تلے رہ کر اس میں ایک نہ ختم ہونے والی جنگ کا بیج بو دیا، انھیں اپنے دلوں میں موجود بغض وکینہ کی بھڑاس نکالنے اور عزائم کی خاطر سرگرم ہو جانے کیلئے اس وقت موقع ملا جب اموی اور عباسی خلفاء اسلامی اصول وفروع کی پاسداری سے زیادہ اپنے اقتدار و کرسی کے استحکام کیلئے فکرمند تھے انھوں نے صورت حال سے فائدہ اٹھانے کیلئے مسلمانوں میں گھل مل جانے کو اپنے مقاصد کے حصول کیلئے بہترین راستہ سمجھا تاکہ ان میں رہ کر اختلاف وانتشار پھیلایا جاسکے ان کا مقصد مسلمانوں کو اندرونِ خانہ تتر بتر اور ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھا اس مقصد کے حصول کیلئے بعض حقیقی مسلمانوں سے زیادہ خود کو اسلام کیلئے دردمند ظاہر کرتے تھے جس طرح عصرِ جدید میں بعض نے ختم نہ ہونے والے دروس شروع کر رکھے ہیں۔ جہاد اور شہید وشہادت کے نعرے اکثر ایسے افراد بلند کرتے ہیں جنھوں نے اسلام کے بارے میں اپنا ایک خاص اسلامی تصور قائم کیا ہے جس کی سند آیات قرآن اور سنت رسولؐ سے نہیں ملتی ہے ا نہوں نے اسلام کو ایک زاویئے سے اٹھا کر اسلام کے خلاف ایک قسم کی جنگ قائم کی ہے۔

## غلو کی شاخیں :

الف)۔ دین میں غلو : اس میں صرف ایک پہلو اٹھایا جاتا ہے اور اپنے فرقے کو ناجی اور دوسروں کو جہنمی گردانا جاتا ہے۔

ب)۔ دینی رہبران کے حق میں غلو : رہبرانِ دینی کو حضرت محمدؐ سے بالاتر یا ان کے برابر یا خدا کے برابر یا شریک وفرزند یا پھر خدا سے مقام ومرتبے میں بلند سمجھنا، امت اس حد تک غلو میں گر گئی ہے کہ بعض نے اصحاب کی شان میں غلو کرنے کی مہم شروع کی ہے بعض دیگر نے اہل بیتؑ کی شان میں یہ کام شروع کر دیا

ہے بعض نے گذشتہ مجتہدین ومراجع اور بعض دیگر نے اپنے مقامی سجادہ، گدی نشینوں کیلئے یہ سلسلہ شروع کیا ہے غرض کہیں سے بھی یہ سلسلہ نہیں رکا ہے، اس سلسلے میں آپ کو شکست خوردہ دشمن کے افراد ملیں گے جنہوں نے اس کا بیج بویا ان میں سے ایک ''سوسن نصرانی'' تھا جو اپنے انحرافات داخل کرنے کے بعد نصرانیت کی طرف پلٹ گیا۔

## کوفہ غالیوں کا مرکز:

غالیوں کی اکثریت کیونکہ اسلامی جنگوں کے دوران فارس اور شام وغیرہ کے مفتوحہ علاقوں کے اُسرا تھے چنانچہ ان کو کوفہ میں بسایا گیا، کوفہ مجوس، مسیحی اور یہودی شکست خوردہ لوگوں کا مرکز تھا۔

کتاب ''امام صادق اور مذاہب اربعہ'' جلد۴، ص۱۳۷ پر استاد اسد حیدر لکھتے ہیں کہ ہجرت کی پہلی صدی میں کوفہ صنعت وتجارت کا ایک بڑا مرکز تھا، جہاں ابریشم کی پیداوار بہت زیادہ تھی، اس شہر کے گردونواح میں غیر مسلموں کی آبادی بھی تھی جبکہ حیرہ میں فارس سے آئے ہوئے چار ہزار افراد رہتے تھے، یہ شہر حمرا دیلم کے نام سے مشہور تھا، شہر کے آس پاس نصرانی آبادی تھی منحرف عقائد سے تعلق رکھنے والے افراد بھی یہاں سکونت پذیر تھے یہ کوفہ اور فاسد عقائد رکھنے والوں کیلئے یہاں ایک آزاد علاقہ تھا تاہم یہ لوگ اپنے فاسد عقائد کو اسلامی عقائد سے مرج (آمیزش) کر کے پیش کرتے تھے۔ امام جعفر صادقؑ جب مسجد کوفہ میں تدریس فرماتے تھے تو یہ لوگ بھی درس میں شریک ہوتے تھے بعد ازاں امام سے سنی گئی باتوں میں کمی بیشی کر کے دوسروں تک پہنچاتے تھے ان کے اس طریقہ کار نے اسلام پر بعض منفی اثرات مرتب کئے :

۱۔ بعض دوست دارانِ اہل بیتؑ آپؑ کے درس میں شرکت کرنے والے تمام شرکاء کو اہل بیتؑ سے مخلص اور اسلام کا داعی سمجھنے لگے۔

۲۔ منحرف اور گمراہ وسازشی ٹولہ اپنے عزائم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے امام کے اقوال کو ایک بندلفافے کے طور پر استعمال کرتا تھا۔

۳۔ انھیں آسانی سے مسلمانوں میں نفوذ کرنے اور سادہ لوح مسلمانوں سے دوستی کرنے کا موقع ملا۔

۴۔ بعض اوقات ان کی وجہ سے امام جعفر صادقؑ سے وابستہ مخلص شاگرد بھی شکوک وشبہات کا نشانہ بن جاتے تھے۔

۵۔ان لوگوں نے امام صادقؑ کے دروس میں شامل ہونے کوامام کی تعلیمات اورآپ کے حامیوں کو عام مسلمانوں کے خلاف ایک گروہ کی صورت میں پیش کرنے کا جواز بنایا۔

## شیعہ اثناعشری غالیوں کے ہاتھوں یرغمال :

غالی شیعوں نے شیعہ اثناعشری کوزمین گیر،خواب آور،غافل کنندہ بے حس کنندہ دوائی کی مانندکئی کلمات پلائے ہیں:

۱۔ شیعہ فرقہ میں امامت ہے خلافت نہیں۔

۲۔امامت نص خاص رسولؐ سے منتخب ہوتی ہےاوراس میں امت کی کوئی رضااوراختیارنہیں۔اس دعویٰ سے وہ تمام دلائل واحتجاجات بے معنی ہوکے رہ جاتے ہیں۔ جہاں آپؑ نے اپنی صلاحیت واہلیت کے لئے استدلال کئے تھے۔

۳۔خلفائے ثلاثہ آئمہؑ کے حق کے غاصب ہیں۔

۴۔ بعدمیں آنے والے خلفاءاورحکمرانوں کی بنیادانہی خلفاء نے ڈالی ہے لہٰذایہی لوگ ہرخرابی وبرائی کے ہمیشہ ذمہ دارہوں گے۔

۵۔منکرِامامت ہی منکررسالت بلکہ منکراسلام ہےاور مستحق لعن ہے۔

۶۔آئمہ طاہرینؑ کی دیگران پر برتری وامتیازیہ ہے کہ آئمہ کائنات کوایک جنبش میں درہم برہم کرسکتے ہیں کائنات ان کے قبضے میں ہے وہ سب کچھ کرسکتے ہیں لیکن لمحہ ٔفکریہ یہ ہے کہ مٹھی بھرلوگوں کواپناحامی وناصر بنا کراپناحق خلافت کیوں حاصل نہیں کرسکے خوداوراپنے ماننے والوں کوہمیشہ کیلئے تاریخ کے درندہ صفت حکمرانوں کے رحم وکرم پرچھوڑاہے۔غالیوں نے شیعوں سے اتنی قربانیاں مفت کی مفت لی ہیں کہ جس کے عوض میں سوائے نقصان،خسارےاورذلت کےعلاوہ کچھ نہیں دیاہے۔

۷۔قرآن کریم اوراس کی تلاوت اوراس پرعمل کرنے سے روکنے کی مہم :

الف)۔قرآن کریم میں آیہ﴿اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ﴾ کے تحت ہرعمل کا آغاز﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ سے شروع کرنے کا حکم ہے جبکہ انھوں نے بسم اللہ چھوڑ کر درود، باسم رب المستضعفین ،باسم رب شہداء،باسم رب الحسین وغیرہ کی سنت کورائج کیا ہے۔

ب)۔قرآن کریم کی آیات میں کسی سے ملتے وقت یا کسی کے گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کا حکم ہے :

﴿وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِینَ یُؤْمِنُونَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ﴾ ''اور جب آپ کے پاس ہماری آیات پر ایمان لانے والے لوگ آ جائیں تو ان سے کہیے: سلام علیکم'' (انعام ۵۴)

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرَاهِیمَ بِالْبُشْرَی قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ﴾ ''اور جب ہمارے فرشتے بشارت لے کر ابراہیم کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: سلام! ابراہیم نے (جواباً) کہا: سلام!''۔(ہود ۶۹) ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَانِ الَّذِینَ یَمْشُونَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین میں (فروتنی سے) دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے گفتگو کریں تو کہتے ہیں: سلام'' (فرقان ۶۳)

فرقان ۷۵، جبکہ یہاں غالیوں نے اس حکمِ قرآنی کی جگہ یا علی مدد کو رواج دیا ہے جس لئے اچھے خاصے سیاہ و سفید عمامہ پوشوں کا تحفظ بھی انھیں حاصل ہے۔

پ)۔کسی عمل کے اختتام کے موقع پر ﴿وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِینَ﴾ ''اور خاتمہ ان کی ہر بات کا (اس پر ہوگا) کہ سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو رب ہے سب جہانوں کا''۔(یونس ۱۰) کہنے کا حکم ہے جبکہ انھوں نے درود سے ختم کرنا سکھایا ہے۔

تمام محافل و مجالس کو شعراء اور ان کی شعر گوئی کے قبضے میں دے دیا ہے جبکہ قرآن کریم نے شعراء اور شعر دونوں کو گمراہوں کی نشانی قرار دیا ہے، مدارس و حوزات میں اشعارِ جاہلیت کو فروغ دے کر قرآن سے کراہت جیسی صورت حال پیدا کی ہے جس میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس جیسی سینکڑوں قرآن کریم کے خلاف ایسی غیر اسلامی ثقافت کو چھوڑ کر شیعہ اثنا عشری کو قرآن کریم سے دور کیا ہے۔

۸۔عقل کی جگہ عشق جاگزیں کرنا : تاکہ امتِ اسلام میں کلید سعادت عقل کا خاتمہ ہو جائے بلکہ ان کی سر توڑ کوشش ہے کہ دینِ مقدس اسلام کو لنگڑا ثابت کریں تاکہ کفر و شرک کے دست نگر رہیں، اس کی واضح مثال :

روزِ غدیر :

غدیر تاریخ اسلام کے صفحات پر ایک نمایاں عنوان ہے جسے بقول شیعہ ان کے دشمنان بھی تاریخی صفحات

سے محو نہیں کر سکے بلکہ اسے من وعن یعنی اسی عنوان پر باقی رکھا گیا ہے یہ عنوان جہاں ایک طرف بذات خود تاریخ ہے دوسری جانب امیر المومنین علیؑ کی افضلیت کی نمایاں سند بھی ہے، فضیلت اور اس کی حامل شخصیات کو ترجیح دینے اور انھیں مقدم رکھنے کے اصول کو زندہ کرنے کی بجائے علیؑ کے احمق دوست اور نقابِ غلو پہننے والوں (غالیوں) نے تاریخ غدیر کو فضیلت و برتری، دلیل و منطق، عقل و انصاف کی چار دیواری سے نکال کر اسے نامعقولیت کے میدان پر لا کھڑا کیا ہے جس کے بعد اس دن کو بچوں کی طرح کھیل کود، عورتوں جیسی باورچی خانہ سازی اور نیلام گھر جیسے تالی بجانا جیسی بزم و محفل میں تبدیل کیا ہے اس میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حق کی جگہ باطل کو جاگزیں کرنے کا بڑا موقع اور گنجائش فراہم کی گئی ہے جسے فروغ دینے میں غالیوں کا بڑا کردار ہے جبکہ اس مہم کو کامیاب بنانے کا سہرا عوام دوست علماء اور مجتہدین کے سر پر ہے۔

جو مذہب خود کو عقل، دلیل و برہان کے داعی کے طور پر پیش کرتا ہے اس کے ماننے والے حضرت علیؑ کی خلافت کے بارے میں حقیقت پسندانہ تصورات سے ہٹ کر بچوں اور عورتوں کی طرح ہنسی مذاق اور کھانے پینے والے دن کے طور پر کیوں مناتے ہیں حالانکہ حضرت علیؑ خود کو خلافت سے محروم رکھنے پر ان کلمات میں دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں :

"مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا، لہٰذا میں نے صبر کیا، حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) پھندے لگے ہوئے تھے۔" [1]

خلافت سے محرومی پر آنکھوں میں سنگریزے اور گلے میں ہڈی پھنسنے جیسی تکلیف ہوئی، جس کے بعد میں نے ایک عرصہ شبِ دیجور کی حالت میں گزارا جبکہ دوسری جانب، آپؑ کے دوست نما حلقے کس طرح اس دن کو منا رہے ہیں تعجب آور ہے۔

## عاشورا :

تاریخ اسلام میں عاشورا ایک نمایاں صفحہ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ گذشتہ زمانے میں ایسا واقعہ گزرا ہے جس کی آئندہ توقع نہیں، جہاں اہل حق، حق کے نام کو زندہ و جاوید رکھنے کیلئے میدان کارزار میں استقامت دکھائی یہاں تک کہ کوئی نہیں بچ سکا میدان کربلا واحد ایسا میدان جنگ ہے جہاں سے کوئی فرار نہیں ہوا نہ

[1] [فرأيت ان الصبر على هاتا احجى فصبرت وفى العين قذى وفى الحلق شجاً (نہج البلاغہ خطبہ ۳ جوادی ص ۳۹)]

کوئی مرد میدان دشمن کے ہاتھوں اسیر ہوا، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کردار کے ہر پہلو پر عمل کا جواز عقل، قرآن کریم، سنت رسولؐ اور سیرت خلفاءؓ سے مستند ہے، اس کے امتیازات میں دعوتِ افہام و تفہیم اور تکلم و سماعت بھی ہے دلیل و منطق سے بھرے ہوئے روزِ روشن کی طرح واضح واقعے کو بے دلیل، بے معنی عشق پر قائم کرنا، خوابوں میں تبدیل کرنا، شجاعت و شہامت دکھانے والے مظاہر کو، بیواؤں کی طرح سینہ کوبی کرنا، بچوں جیسی گریہ وزاری کرنا، پاگلوں کی طرح غیر معمولی اور غیر متوازن حرکتوں کو فروغ دینے میں بھی نقاب پوش غالیوں کا ہاتھ ہے اور ان کے اس کارنامے کو مقلد، دوست فقہاء و مراجع ''جائز است واشکال نیست'' سے سند بخشتے ہیں۔

غالیوں کے فرقوں کی تعداد جیسا کہ محمد جواد مشکور نے اپنی کتاب کے ص ۳۴۷ پر لکھا ہے کہ ایک سو پچاس (۱۵۰) سے زائد ہے ان میں سے چند فرقے درج ذیل ہیں:

۱)۔ غمامیہ:

انہیں ربیعہ بھی کہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ خدا گرمیوں میں بادلوں کی پشت پر سوار ہو کر زمین کی سیر کرتا ہے اور آسمان پر ہونے والی گرج و چمک علیؑ کی آواز ہے۔

۲)۔ خطابیہ :

یہ بھی غالیوں کا ایک فرقہ ہے خطابیہ ابوالخطاب محمد بن مقلاص بن راشد المنقری بزار کے پیروکاروں کو کہتے ہیں یہ پہلے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کا شاگرد تھا بعد میں اس نے دعویٰ نبوت کیا اور غلو کرنے کی وجہ سے آخر کار قتل ہو گیا، اس نے اسماعیل بن جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کی تحریک چلائی، امام جعفر صادقؑ نے اس پر اور اس کے ساتھ قتل ہونے والوں پر لعنت بھیجی، شہرستانی نے لکھا ہے کہ ابوالخطاب پہلے اماموں کو پیغمبر کہتا تھا بعد میں خدا کہنے لگا امام جعفر صادقؑ کو وہ بھی اپنا خدا سمجھتا تھا کوفہ کے والی عیسیٰ بن موسیٰ نے ۱۳۸ ہجری میں اسے قتل کرنے کے بعد اس کے جسد کو سولی پر چڑھایا۔ غالیوں کی مشہور کتاب ''ام الکتاب'' میں اُسے بڑا مقام دیا گیا ہے شیعوں کے ہاں بھی علم الکتاب کا زیادہ پرچار کیا جاتا ہے۔ جسے سمجھنے کے بعد کائنات کو درہم برہم کرنا، سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ، انسان کو مسخ کرنا آسان ہوتا ہے، اگر ان سے پوچھا جائے کہ یہ کتاب کون سی ہے تو سینکڑوں قیل و قال بناتے ہیں۔

۳) غیاثیہ ۴) غیبیہ ۵) شمسیہ

## غلات کے رُوسا :

### ۱)۔ مغیرہ بن سعید :

استاد اسد حیدر اپنی کتاب ''حیات امام صادقؑ اور مذاہب اربعہ'' ج ۲، ص ۴۳ پر غالیوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ غالیوں نے غلو احادیث و روایات کو آلِ محمدؐ کی طرف نسبت دینا شروع کیا، ان میں سرفہرست مغیرہ بن سعید تھا یہ اہل بیتؑ پر جھوٹ باندھتا اور جعلی احادیث کو امام جعفر صادقؑ کی طرف نسبت دیتا تھا، امام نے اسے جھوٹا قرار دیا اور اس سے برائت کا اعلان کیا، امام نے مزید فرمایا کہ اس ملعون نے ہمارے والد کے برجستہ اصحاب کی احادیث میں اپنی جعلی احادیث شامل کیں ہیں۔ خدا سے ڈرو اور ہماری طرف سے کوئی ایسی حدیث قبول نہ کرنا جو کتابِ خدا اور سنتِ نبیؐ کے خلاف ہو پھر آپؑ نے فرمایا کہ خدا مغیرہ بن سعید پر لعنت کرے اور ہر اس یہودی پر جس کے پاس یہ جایا کرتا ہے۔ [1]

### ۲)۔ محمد بن زینب اسدی اجدع :

کتاب ''امام صادقؑ اور مذاہب اربعہ'' ج ۴، ص ۱۴۳ کے مطابق غالیوں کی مشہور شخصیات میں سے ایک ''مقلاس اسدی'' کوفی ہے یہ فارس نژاد تھا جو اپنے نام کی بجائے کنیت ابی الخطاب سے معروف تھا، شہرستانی نے اس کا نام محمد اور اس کے والد کا نام ''زینب اسدی اجدع'' بتایا ہے جبکہ بعض نے اس کا نام ''ابنابی ثور'' بتایا ہے، یہ شخص کوفے میں سیاسی شخصیات کے ساتھ سرگرم رہتا تھا اور بنی عباس کی طرف دعوت دینے والوں میں پیش پیش تھا اور اس سلسلے میں راہ ہموار کرتا تھا اس نے انہی مواقع اور حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مجوسی فکر کو پھیلانے کی مہم بھی جاری کر رکھی تھی بعد ازاں اس کے ماننے والے خطابیہ کے نام سے معروف ہوئے اس نے اپنے لئے حلقہ احباب بنایا انھیں لوگوں کو جمع کر کے دعوت دینے کے طور و طریقے سکھائے یہ لوگ اپنی فکر کو پھیلانے کیلئے انتہائی مخفی اور پوشیدہ طریقے سے اپنی فکر کو فروغ دینے میں سرگرم رہتا تھا ایک جانب یہ بنی عباس کے اقتدار کو مستحکم کرنے کیلئے کام کرتے تھے، اس گروہ کے بارے میں علمائے شیعہ کا اتفاق ہے کہ یہ لعن و تکفیر کے مستحق ہیں لہٰذا اس گروہ سے برأت کا اظہار ضروری ہے جیسا کہ علمائے رجال نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے کہ ابن ابی ثور ایک ملعون، مردود اور غالی تھا۔

---

[1] [نقل از رجال کشی ص ۲۲۵، ۴۰۳]

کتاب ''تصوف تشیع'' کے ص ۲۴۲ میں آیا ہے کہ یہ شخص اہل بیتؑ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا تھا جبکہ اس کا اہل بیتؑ سے کوئی رشتہ نہیں تھا جب امام صادقؑ کو اس کی حرکتوں کی خبر ملی تو آپؑ نے بروقت لوگوں کو اس کے خطرات سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی لوگوں کو کلمۂ اسلام پر متحد اور مسلمانوں کے ساتھ صف اوّل میں رہنے کی تلقین کی تا کہ ممکنہ خطرے کا مقابلہ کیا جا سکے، امام نے اس سے برأت کا اعلان کیا اور اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ یہ کہہ کر جھوٹ بولتا ہے کیونکہ یہ میرے بارے میں کہتا ہے کہ میں (امام) علم غیب جانتا ہوں حالانکہ میں علم غیب نہیں جانتا اس کا کہنا ہے کہ وہ خود ہمارے علم کا صندوق ہے اور ہمارے اسرار کی جگہ ہے، یہ سب اس نے ہم پر جھوٹ گھڑا ہے۔

۳)۔ بزیع بن موسیٰ :

اس نے بھی غلو کے نام سے الحاد پھیلایا، اس نے کہا کہ آئمہؑ انبیاءؑ جیسے ہیں یہ لوگ مرتے نہیں بلکہ ان کو خدا آسمان پر اٹھاتا ہے امام صادقؑ آسمان پر گئے ہیں یہ کہتا تھا امامؑ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا ہے اور اس کے منہ میں زبان رکھی ہے۔

۴)۔ بشار شعیری : یہ کوفہ میں رہتا تھا اس نے حضرت علیؑ کی ربوبیت کا اعلان کیا۔

## امام صادقؑ کا سربراہانِ غلات کے بارے میں موقف:

بعض غالی امام جعفر صادقؑ کو خدا گردانتے تھے، امام نے ان سے برأت کا اعلان کیا ہے مفضل بن یزید نے آپؑ سے نقل کیا ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا:

''اے مفضل! ان کے ساتھ مت بیٹھو، ان کے ساتھ کھانا مت کھاؤ، ان سے مشورہ مت کرو، ان کے ساتھ مصافحہ مت کرو ان سے ارث مت لو اور انھیں ارث مت دو، امامؑ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ تم لوگ فاسق و فاجر ہو''۔

ابوبصیر نے امام صادقؑ سے کہا کہ ''خطابیہ'' کہتے ہیں کہ آپ بارش کے قطرات، ستاروں کی تعداد، درختوں کے پتوں کی تعداد، دریا میں پانی کی مقدار اور زمین کے ذرّات کے بارے میں جانتے ہیں امامؑ نے فرمایا کہ سبحان اللہ یہ چیزیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

امام نے فرمایا: ابی خطاب پر خدا اور لوگوں کی لعنت ہو، وہ کافر و مشرک ہے وہ فرعون کے ساتھ محشور ہوگا۔

اس طرح ابوالخطاب اور امام صادقؑ کے درمیان ایک بے امان و بے وقفہ جنگ چلتی رہتی تھی۔

امام صادقؑ نے ابوبصیر سے فرمایا :

"اے ابامحمد! میں ان لوگوں سے برأت کا اعلان کرتا ہوں جو گمان کرتے ہیں کہ میں "رب" اور نبی ہوں"

جب مغیرہ قتل ہوا تو امامؑ نے فرمایا:

"خدا اس پر اور اس کے ساتھ مرنے والے پر لعنت کرے پھر امام نے ابوبصیر سے فرمایا کہ اے ابامحمد! ہم ہر اس انسان سے برأت کا اعلان کرتے ہیں جو ہمیں رب یا نبی سمجھتے ہیں، خدا اُن پر لعنت کرے"۔

اسی قسم کی متعدد احادیث اور بھی ہیں جن میں امام جعفر صادقؑ نے ان سے برأت کا اعلان کیا ہے، امامؑ کی ان سے برأت، دوری اور نفرت کی وجہ سے ان کی صفوں میں شگاف پیدا ہوا اور یوں ان کے برے عزائم اور نیتوں سے لوگ آگاہ ہوئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور غالیوں کے عروج اور فروغ کا دور تھا جس میں بیان بن سمعان ہندی، مغیرہ بن سعیدی اور ابوالخطاب نے غلو کو پروان چڑھایا جس میں امت بھی گرفتار تھی۔

## غالی اور بعض شیعہ علماء :

علمائے شیعہ سے ہماری مراد بعض فقہاؤ مجتہدین، محققین اور اربابِ تصنیف و تالیف ہیں یہ ذوات غلات کے متعلق درج ذیل نکات میں اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں:

۱)۔ آئمہؑ کے دور میں ایک گروہ نے ان کی شان میں غلو پھیلانے کی مہم چلائی۔

۲)۔ آئمہؑ نے غلو پھیلانے والوں سے نفرت و برأت کا اعلان کیا۔

۳)۔ آئمہ طاہرینؑ نے اپنے ماننے والوں کو غلو کرنے والے گروہ سے قطع تعلق رہنے کی ہدایت کی۔

۴)۔ غلو کرنے والوں کے گروہ کا خاتمہ ہو گیا ہے اب ان کا کوئی وجود نہیں ہے تا کہ اس عمل کو جاری رکھنے اور پھیلانے کا کام کر سکیں۔

۵)۔ غلو پھیلانے والے اپنے دور میں مظلوم تھے، بعض غلو پھیلانے والے گروہ کے مرثیے پڑھتے

ہیں اور انھیں مظلوم ظاہر کرتے ہیں اور یہ تاثیر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان پر زیادتی ہوئی ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام مظلوم کی حمایت کرنے کی تلقین کرتا ہے چاہے وہ اپنے دور کے یزید، عمر سعد اور شمر ہی کیوں نہ ہوں یہ بات ذہن میں رہے کہ اسلام اس مظلوم کا دفاع کرنے کی دعوت دیتا ہے جو بغیر کسی جرم وخطا، ظلم کا نشانہ بنا ہو نہ کہ وہ افراد جو ظلم وستم کو اپنا ہدف قرار دے کر دین مقدس کی تعطیل و تنسیخ کا اعلان کریں اسلام اور مسلمانوں کی آواز کو دبانے کی مہم چلاتے ہوں ان لوگوں کو چاہیے اگر انہی جیسے لوگوں کا دفاع کرنا بھی ان پر فرض ہے تو پہلے بدر میں مشرکین کے اسیر ہو جانے والے افراد بنو قینقاع، بنو نضیر اور قریضہ کی جلاوطن افراد کا دفاع کریں۔

غالیوں کے بارے میں علماء کے چوتھے اور پانچویں نقطے پر انتہائی غور وخوص اور اس کا تجزیہ و تحلیل کرنے کی ضرورت ہے ایک مرتبہ وہ کہتے ہیں کہ یہ فرقہ تاریخ میں ختم ہو چکا ہے اور ان کا وجود اس وقت نہیں ہے اس بارے میں دنیا دیکھ رہی ہے، پڑھ رہی ہے، سن رہی ہے کہ شیعوں پر غالیوں کے نظریات چھائے ہوئے ہیں اور انہی کے زیر اثر ہیں اور ان غالیوں کا شیعہ اثنا عشریوں کے تمام مقدرات پر قبضہ ہے اس حقیقت کا اندازہ ان کی مجالس ومحافل کے شعراء اور خطباء سے لگایا جا سکتا ہے جہاں اثنا عشری کے نام سے علی اللّٰہیت اور نصیریت کا بول بالا ہو رہا ہے اسی لئے ملک کے در و دیوار پر لکھا ہوا نوشتہ (شیعہ کافر) گواہی دے رہا ہے کہ کہ شیعہ اثنا عشری کو یہ تحفہ غالیوں سے دفاع کرنے کی وجہ سے ہی ملا ہے ورنہ دعائے کمیل و نہج البلاغہ میں پیش کردہ توحید پر مشتمل خطبات پر ایمان رکھنے والوں کو تمغۂ کفر سے نوازے جانے کا کیا جواز بنتا ہے؟۔

## غُلات کی سرگرمیاں اور عزائم:

امت اسلامی میں سب سے خطرناک تحریک غالیوں کی تحریک ہے جو کچھ اس کی حقیقت کے بارے میں لکھا گیا ہے وہ ناقص ہے یا مبہم غالیوں کی فکری تحریک کا ماخذ ومصدر مجوسی، یہودی، یونانی اور ہندی تناسخ کا مرکب و معجون ہے جسے امتِ اسلامی میں کبھی اہل سنت میں عظمتِ محمدؐ کے نام سے، پیروانِ قلندران کے نام سے اور اہل تشیع میں مقامِ اہل بیتؑ کے نام سے داخل کیا گیا ہے ان کا ہدف ومقصد بنیادی طور پر اسلام کو مسخ اور ختم کرنا ہے، دوسرے مرحلے میں اہل بیتؑ کے حق میں غلو کر کے ان کے مقام ومنزلت کو مشکوک بناتا ہے۔[1]

---

[1] [امام الصادق والمذاہب الاربعہ ج ۴ ص ۱۶۱]

**۲** بعض نے سوالات کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے سوال کا آغاز سب سے اہم اور مکرر سوال سے کیا ہے کہ آپ کی تالیفات نے مذہبی دنیا میں افتراق وانتشار کا باب کھولا ہے اور علماء دانشمندان اس قسم کی تالیفات ونشریات سے نالاں وناراض ہیں کہ کیوں آپ نے ایسی کتابیں لکھیں جو امت میں افتراق وانتشار پیدا کرنے والی ہیں؟۔

**جواب :**

علمائے اعلام اور دیگر دردمند، غرض مند دانشمندان کے نزدیک میری تالیفات باعث افتراق وانتشار ہیں، افتراق وانتشار ایک مذموم وممنوع عمل ہے لیکن ان دانشمندوں کو چاہیے کہ وہ دیکھیں کہ افتراق وانتشار کی کتنی قسمیں ہیں؟ ان میں سے کونسی صحیح اور کونسی غلط ہے؟ قرآن اور سنت کس قسم کے انتشار کی ممانعت کرتا ہے اور کس کی اجازت دیتا ہے ورنہ آنکھ بند کر کے افتراق وانتشار کی مخالفت کرنا اہل باطل کو آزاد چھوڑنے اور اہل حق کو بندش میں رکھنے کی مانند ہے، آپ کو بتاتا چلوں کہ یہ فکر اپنی جگہ ایک بڑے انحراف کی حامل ہے جو کہ عرصے سے فروغ پا رہی ہے افتراق وانتشار بھی شریعتِ اسلام میں احکام خمسہ رکھتا ہے، یعنی بعض مقامات پر یہ واجب، بعض جگہوں پر حرام کبھی مستحب کبھی کراہت اور بعض جگہ مباح ہے۔

فرقہ، اُمت میں تفرقہ ڈالنے والوں نے ایجاد کیا ہے پہلے اپنے فرقے کے جواز میں نبی کریمؐ سے منسوب حدیث جعل کی کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ میری امت میں تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے ان میں سے ایک ناجی ہوگا پھر دعویٰ کیا کہ ناجی فرقہ تنہا ہمارا فرقہ ہے اسی طرح اپنے فرقے میں مزید تقسیم کے خدشے کے پیش نظر اس میں موجود خرابیوں اور برائیوں کی نشاندہی کرنے والے کو ملت میں تفرقہ ڈالنے والا قرار دینے کا ڈھنڈورا پیٹا جبکہ خود پہلا تفرقہ ڈالنے اور اسے جاری رکھنے والے ہیں، عہد حاضر میں بھی تفرقہ کے ٹھیکیداروں نے تفرقے کا ڈھنڈورا پیٹا ہے اور انھوں نے ہمیں تفرقہ وانتشار پھیلانے والا قرار دیا ہے دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم، سنت رسولؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت کی رُو سے کون تفرقے کا داعی اور کون وحدتِ اُمت کا دفاع کرنے والا ہے اس کی وضاحت کیلئے ہم اقسام تفرقہ کو بیان کرتے ہیں۔

تفرقہ کی دو قسمیں ہیں :

۱)۔ تعمیری تفرقہ :

یہ فکری وعملی تفرقہ ہے جہاں مومنین کو معاشرے کے باطل ومنحرف اور کافر ومشرک لوگوں سے فکری وعملی

طور پر الگ تھلگ رہنے کی تلقین کی جاتی ہے لیکن اگر گھل مل کر رہیں گے تو مومن، کافر، فاسق اور منافق میں کبھی بھی تمیز نہیں ہوگی جب صورت حال ایسی ہوگی تو مومن بننے کا رجحان ختم ہوجائے گا اور اس رجحان کا ناپید ہونے کے بعد ایمان کا خاتمہ ہونا یقینی ہے جس کی وجہ سے مومنین کو اہل باطل کے معاشرے میں گمنام رہنا پڑے گا، لہٰذا مومنین کو قرآن کریم کی آیات اور سنت نبیؐ کے تحت اہل باطل، منافقین اور کافرین سے فکر وسوچ اور عمل کے ذریعے اپنے آپ کو جدا رکھنا ایک دائمی حکم ہے آیاتِ قرآنی اس پر شاہد وگواہ ہیں کہ خداوند عالم قیامت کے دن خطاب کریں گے کہ منحرفین اور منافقین مومنین سے الگ ہوجائیں مومنین کا ایک ساتھ رہنا قرآنی حکم ہے۔

حسب آیات قرآن کریم لوگ معاشرے میں اتحاد واتفاق سے رہتے تھے جب خدا نے انبیاءؑ کو مبعوث کیا تو ان کی آمد سے امت میں انتشار ہوا :

﴿ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ ﴾

"دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے، اللہ تعالی نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہوجائے"۔ (بقرہ ۲۱۳)

ایک گروہ نے انبیاء کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے انبیاءؑ کا ساتھ دیا دوسرے نے ان کو روکنے کیلئے تمام وسائل بروئے کار لائے جیسے:

۱۔ موسیٰؑ جب تک مبعوث بہ رسالت نہیں ہوئے تھے مصر کی رعیتِ فرعون میں اتحاد واتفاق تھا۔

۲۔ مکے میں پیغمبر اسلام ﷺ کے چالیس (۴۰) سالہ دور میں آپؐ سب کی نظر میں محترم ہستی تھے لیکن جونہی آپؐ نے اعلان رسالت کیا تو ہر گھر میں اختلاف اور افتراق وانتشار نے جنم لیا جس نے بعد میں پورے مکہ کو اپنی لپیٹ میں لیا جس نے بیٹی کو باپ سے، باپ کو بیٹے سے، بھائی کو بھائی سے جدا کر دیا۔

۳۔ جب حضرت امیر المومنینؑ نے خلافت سنبھالی تو خود امت کئی گروہوں میں تقسیم ہوگئی :

"جب میں نے ذمہ داری سنبھالی اور اٹھ کھڑا ہوا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ دی

اور دوسرا دین سے باہر نکل گیا اور تیسرے نے فسق اختیار کرلیا''۔[1]

۴۔جب امام حسینؑ یزید کی ولی عہدی کے خلاف آواز اٹھانے کیلئے مکے سے کوفہ روانہ ہوئے تو کوفے میں افتراق وانتشار پھیل گیا بعض نے مسلم بن عقیلؑ کے ہاتھوں بیعت کی، بعض نے مسلم کے خلاف یزید کی بیعت کی، بعض لوگوں نے کربلا میں امام کا ساتھ دے کر جام شہادت نوش کیا، بعض تہہ خانوں میں چھپ گئے ہیں اور بعض نے سفاکی کے ذریعے جرم و جنایت کا بڑا باب کھولا اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کر کے بدترین تاریخ رقم کی لیکن ان سب ے باوجود مملکت اسلامی کے دیگر گوشہ وکنار میں مثلاً مدینہ، بصرہ، شام، ایران وغیرہ میں کچھ بھی نہیں ہوا۔

لہٰذا یہ واضح ہوگیا کہ آواز سے حق بلند کرنے کا لازمہ افتراق وانتشار ہے اگر دین سے کھیلنے والوں کو آزاد چھوڑا جائے، ان کے خلاف آواز نہ اٹھائی جائے اس سے قوم وملت تو متحد رہتی ہے لیکن دین دفن و ناپید ہوجاتا ہے ہمیں اہلِ نظر افراد سے یہی شکایت ہے کہ دین کی فرسودگی اور شریعت کی معطّلی، توہین واستہزائے شریعت اور اگر دین کے ساتھ مذاق ہوتا ہے تو ان کے سروں پر جوں تک نہیں رینگتی ہے اور نہ ہی چہرے پر کراہت کے آثار نمودار ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی ملت کے انتشار کی بات ہوتی ہے تو ان کے دلوں کے امراض میں اضافہ ہوجاتا ہے یہ ایک سوالیہ فقرہ ہے کہ ''خدا نے دین بھیجا ہے یا ملت''؟ اور آپ کے نزدیک دین زیادہ اہم ہے یا ملت؟؟

کیوں کہ ہر ملت اور ہر قوم مقدس نہیں صرف وہ قوم مقدس ہے جو اپنے اصول اور فروع پر قائم ہو اور ملت میں انتشار، افتراق اور اختلاف ہر چھوٹی بڑی بات پر ہوتا رہتا ہے جسے اختلافِ رائے کہا جاتا ہے اگر کسی ملت میں کسی قسم کا اختلاف رائے نہ پایا جاتا ہو تو سمجھ لیں کہ امت فکری طور پر مردہ ملت ہے جہاں افراد سوچنے سمجھنے اور نظریہ قائم کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہوں ہاں ملت میں فکری طور پر انتشار اور افتراق پیدا ہونا چاہئے تاکہ جن لوگوں میں تھوڑی سی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے وہ زندہ رہیں اور باقی صحیح معنوں میں مردہ ہی رہیں اور انھیں زندہ نہ سمجھا جائے۔

---

[1] [فلمانهضت بالامر نكثت طائفة، ومرقت اخرى وقسط آخرون (نہج البلاغہ خطبہ ۳، جوادی ص ۴۰)]

اگر آپ کے نزدیک ملت سے مراد ملتِ اسلام ہے تو ملت وامت اسلام میں شیعہ اور سنی دونوں آتے ہیں آپ کو چاہیے کہ ان دونوں کے درمیان موجود انتشار وافتراق کا تجزیہ وتحلیل کریں۔

مسلمانوں میں نفرت پھیلانے والوں اور اپنے مسلمان بھائیوں کو سبّ وشتم کرنے والوں کی مذمت کریں کیونکہ حقیقت میں یہی لوگ افتراق وانتشار پھیلا رہے ہیں لیکن یہاں ان دونوں میں اتحاد قائم کرنے کے وسائل کو بروئے کار لانے کی بجائے ہر ایک اپنی استطاعت کے مطابق فرقہ وارنہ انتشار کی آگ میں مزید ایندھن ڈال رہا ہے، یہ ملت تو ہماری پیدائش سے پہلے ہی منتشر تھی معترضین کی سطور میں لکھی گئی تمام ناگوار صورتحال اسی ملت کے انتشار اور ایک دوسرے کے خلاف سب وشتم اور لعن ونفرین کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

ملتِ اسلامی میں تمام مسلمان شامل ہیں، آپ کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں اور آپ کا ''ملت'' سے مقصود فقط اہل تشیع ہیں جبکہ قرآن اور سنت نبی کریمؐ میں امت وملت سے مراد امتِ اسلام ہے جن کے مقابلہ میں آپ اپنی امامت چمکانے کی خاطر نص قرآن کریم کے خلاف مسجد ضرار قائم کرتے ہیں جن میں جمعہ وجماعت قائم کرنا قرآن وسنت رسولؐ اور سیرت ائمہ معصومینؑ کے سراسر خلاف ہے، عزاداری کے نام سے مسلمانوں کی مساجد کے سامنے جا کر یزیدیت مردہ باد کا نعرے لگاتے ہیں کیا یہی علی، حسن وحسین علیہم السلام اور جعفر صادقؑ کی سیرت ہے اور آپ تو ان ہی کے دردمند ہیں جبکہ اپنے لوگوں میں اور اہل تشیع میں افتراق وانتشار ''غالی'' کے نام فرقہ موجود ہے جنھوں نے مذہب اہل بیتؑ کو دیوالیہ کر دیا ہے، جو مسجد سے زیادہ ماتم سراء اور نماز و روزہ سے زیادہ عزاداری کا احترام کرتے ہیں، جس میں مسلمانوں سے زیادہ کفر سے دوستی کرنے کی تربیت دی جاتی ہے بعض مجتہدین اور ان کے مقلدین کے ساتھ اکثر تنظیمیں اور انجمنیں پورے دین کو عزاداری میں سمیٹنے کی کوشش میں مصروف ہیں آپ کو ان کی طرف سے پھیلایا جانے والا انتشار نظر نہیں آتا ہے! کیا ملک میں پائی جانے والی بے حجابی، مخلوط اجتماع، مدارس کے نصاب سے اسلامی مواد کا اخراج، شراب فروشی اور جوئے کے اڈے نظر نہیں آتے، انتخابات کے موقع پر صلہ ارحام میں جدائی اور میاں بیوی کے درمیان طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ امیدواروں کا دین سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہوتا ہے یہ لوگ دین کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے ان کو برسر اقتدار لانے کی کوشش میں انتشار پیدا ہوتا ہے اس کی نبرد آزمائی کے آثار ابھی تک نمایاں ہیں جبکہ ہمارے متعلق ایک سنی سنائی بات پر یہ جو کچھ چاہتے ہیں بولتے ہیں لیکن جو کچھ ان کی نظروں

کے سامنے رونما ہو رہا ہے اس کے بارے میں بولنے کو گناہ سمجھتے ہیں۔

۲)۔تخریبی تفرقہ :

جس سے انسانوں کے درمیان نفرت وکراہت بڑھ جاتی ہے اور اس کا انجام لوٹ مار، سب وشتم اور جنگ وجدال پر منتہی ہوتا ہے اس قسم کا تفرقہ پھیلانے والے آیاتِ قرآنی کے تحت شیاطین جنس وانس کے علاوہ دنیائے کفر واستعمار ہے دین اسلام ایسے افتراق سے نفرت کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو بھی اس تفرقے سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔انتشار وافتراق کی دوسری قسم وہ ہے جہاں آپس میں اتحاد واتفاق کے تمام طور وطریقے بند یا ناکارہ ہو جائیں، یہ افتراق بڑا خطرناک ہوتا ہے اور اس کے نتائج بھی بہت برے اور سنگین ہوتے ہیں جس کے تحت مشترکہ دشمن کے مقابلے میں استقامت دکھانے کی طاقت نہیں رہتی ہے ایسی صورت حال میں دشمن اختلاف کرنے والے دونوں گروہوں پر باری باری حملہ کر کے دونوں کو بے بس، بے چارہ کر کے زمین بوس کر دیتا ہے لیکن اختلاف کرنے والے دونوں گروہوں میں دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ حق بجانب اور کون سا باطل ہے یہ تمیز وپہچان کیسے ممکن ہے آیا وہ گروہ حق بجانب ہوگا جو انانیت، من مانی اور خود خواہی جیسے مفاہیم کو بنیاد بنا کر عدم تفاہم پر اصرار کرتا ہے یا اس کے برعکس دوسرا گروہ جو اس بات کا قائل ہے کہ انتشار واختلاف کے شگاف کو اپنے حقوق سے صبر وتحمل کے ساتھ دستبردار ہو کر پر کرنا چاہئے، تاہم بری خصلتوں کے حامل باطل گروہ سے اہل حق کو گفتگو ومفاہمت اور سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے دونوں میں سے کونسا گروہ حق بجانب ہوگا جو ہر قسم کے عرائض پیش کرنے، سننے گفتگو کرنے اور افہام وتفہیم کیلئے آمادہ ہو یا جو ہر قسم کی گفت وشنید اور افہام وتفہیم کو مسترد کرتا ہو؟ اور افتراق و انتشار کی مذمت کرنے والے خود اپنی جگہ مذموم اور مشکوک قرار پائیں گے جب تک ان میں انتشار پھیلانے والوں کے تمیز کرنے کی صلاحیت نہ ہو اور مخلصانہ طور پر اس کام کیلئے ارادہ نہ رکھتے ہوں۔

اگر واقعاً ایسا انتشار رہا بھی ہے جیسا کہ بعض حضرات کہتے اور لکھتے ہیں تو ہم اسے امتِ اسلامی میں بیداری کی ایک لہر سمجھتے ہیں حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہوا، اس کے برعکس آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے مخالف اور چاہنے والے، دوست احباب، علماء ودانشمند اور دانشور حضرات متحد ومتفق ہو کر ہم سے افتراق اور جدائی اپنائے ہوئے ہیں، یہاں افتراق وانتشار کا مقابلہ اکائی اور ہزاروں سے ہے، جسے دنیا میں کوئی انتشار نہیں کہتا۔

**۳** ہمارے اوپر ہونے والے اعتراضات میں سے ایک سنیوں کی حمایت یا ان کی طرف جھکاؤ ہے۔

**جواب :**

**سنیوں کی حمایت :**

ایک عرصے سے بعض علمائے اہل سنت اور شیعہ علما جعلی وخود ساختہ اور مخدوش سند ومتن حدیث سے استناد کرتے ہوئے منبروں پر اچھلتے کودتے کہہ رہے ہیں کہ امت پیغمبرؐ کے (۷۳) فرقوں میں سے ایک ناجی ہوگا اور وہ ہمارا فرقہ ہے جبکہ باقی سب کفر وشرک پر قائم اور جہنمی ہیں لیکن درحقیقت مسلمانوں میں اس فکر کا بیج یہودیوں نے بویا ہے یہودیوں کے اس رویئے کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا اَوْ نَصَارٰى﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں داخل ہوگا جنت میں مگر وہ جو ہوگا یہودی یا نصرانی'' (بقرہ ۱۱۱) ﴿وَ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَعْدُودَةً﴾ ''اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گنتی کے'' (بقرہ ۸۰)

جو بھی فرقہ امت اسلامی میں سے صرف اپنے آپ کو ناجی سمجھتا ہے اور دوسروں کو ناری کہتا ہے درحقیقت یہ اس کی یہودی بولی ہے کیونکہ ہم (شیعہ) بھی یہودی بولی بولتے ہیں اس لئے صرف شیعوں کو جنتی اور دوسروں کو جہنمی تصور کرتے ہیں۔ انہی باتوں کو بیان کرنے کی وجہ سے ہمیں سنیوں کا حمایت یافتہ قرار دے کر ہماری مخالفت کی جاتی ہے۔

سنی ہوں یا شیعہ ہم امت اسلامی میں خدا کی وحدانیت، پیغمبرؐ کی رسالت وختمیت، کعبہ کو قبلہ سمجھنے، لا الہ اللہ پڑھنے اور حشر ونشر پر صدق وصفا کے ساتھ ایمان رکھنے والوں کو مسلمان اور انھیں آخرت میں نجات پانے والوں میں شمار کرتے ہیں، باقی جہاں تک عمل اور کوتاہیوں کا تعلق ہے تو قرآن کریم کی آیات کے مطابق ذرّہ برابر نیکی اور برائی کا حساب اور پھر اس پر سزا وجزا ہوگی۔ اس حساب وکتاب کے عمل سے کون بچے گا کون نہیں اس بارے میں یہاں (دنیا میں) کوئی نہیں جانتا اور اس بارے میں صرف وہاں معلوم ہوگا کیونکہ اس علم کو خداوند عالم نے اپنے لئے مختص کر رکھا ہے اور دیگر ان کو اس سے بے خبر رکھا ہے اس لئے غیب گوئی اور غیب اندازی نہیں کرنا چاہئے۔

اسی طرح ہم ان شیعہ غالیوں میں سے نہیں ہیں جن کا کہنا ہے کہ پیغمبرؐ نے ہمارے لئے سنت نامی کوئی چیز نہیں چھوڑی بلکہ عترت کو چھوڑا ہے جسے بنیاد بنا کر اہل سنت کی ضد میں سنت کو کراہت سے دیکھتے ہیں حالانکہ عترت بذات خود سنت سے ثابت ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مذموم افکار کے تحت آئمہ وفقہائے اربعہ کو سبّ وشتم کرتے ہیں حالانکہ یہ فقہاء اپنے دور کے اعلیٰ پائے کے عالم دین تھے یہاں یہ بھی واضح رہے کہ ہم ان سنیوں میں سے بھی نہیں جنھوں نے اپنے فقہاء کے حق میں حد سے زیادہ غلو کر کے شریعت محمدؐ کے بیان وتفسیر کا عملاً خاتمہ کر دیا ہے البتہ ہم سنت نبی کریمؐ کو شریعت اسلام کا دوسرا مصدر اور اہل سنت کو امت اسلام کی جماعتِ کثیر سمجھتے ہیں۔

لیکن ہم شیعہ سنی دونوں کے ناموں کو ناقص اور لنگڑا تصور کرتے ہیں، مسلمانوں کے دین کا نام ''اسلام'' ہے جو اپنے ماننے والوں کو عقائد وفروعات کا پابند کرتا ہے جبکہ دینِ اسلام کی عمارت قرآن اور حدیثِ پیغمبرؐ دو (۲) ستونوں پر مشتمل ہے ان دونوں میں جدائی ناممکن ہے یا پھر ایک کو پکڑ کر دوسرے سے بے نیاز ہونا ہدایت کی بجائے گمراہی کے قریب رہنے کے مترادف ہوگا، لہٰذا شیعہ یا سنی سے تعارف باعثِ فخر وامتیاز نہیں ہے بلکہ ایسے نام رکھنا کسی شخص کے نابینا' گونگا اور لنگڑا ہونے کے مترادف ہے جس پر فخر نہیں کیا جا سکتا اگر سنی یعنی سنت رسول کی پیروی کرنے والے کو کہا جائے تو قرآن کی پیروی کو کیوں نظر انداز کیا گیا ہے؟، شیعہ یعنی حضرت علیؑ کی پیروی کرنے والے کو کہا جاتا ہے لہٰذا ہم نہ شیعہ کو سنی سے بہتر سمجھتے ہیں اور نہ ہی سنی کو شیعہ پر فوقیت دیتے ہیں۔

ہم دین اسلام میں قیادت ورہبری کیلئے افضلیت وبرتری کو ترجیح دیتے ہیں اور اس سلسلے میں اہل بیتؑ کے حامی وداعی ہیں، ہم اہل تشیع کے مذہب میں رائج خرافات اور رسومات پر نکتہ چینی اس لئے کرتے ہیں کہ اس فرقے میں ہم خود بھی شامل ہیں لہٰذا ہمیں اپنے عقائد، افکار ونظریات کے بارے میں وضاحت کرنا ضروری ہے، اگر رائے عامہ میں میرے مذہب کے بارے میں مطعون، شکوک اور بدنامی پھیل جائے تو اس صورت میں میرا فرض بنتا ہے کہ میں یا تو اس کی صحت پر دلیل دے دوں یا اس سے نفرت وبرأت کا اظہار کروں، یہ شکوک وشبہات ان کے پیدا کردہ ہیں جو دشمنانِ اسلام واہل بیتؑ ہیں، اس لئے ہم ان سے برأت کا اعلان کرتے ہیں، ہمارا شیعہ مذہب میں رائج عقائد ورسومات پر تنقید کرنے کا یہ معنی نہیں کہ سنی مذہب اس وقت خرافات ودشمنانِ اسلام کے پھینکے ہوئے کباڑوں سے پاک اور محفوظ ہے بلکہ ان کے مذہب میں بھی بت

پرستیاں اور خرافات پرستی انتہائی شدومد سے جاری ہے ہم ان کی نشاندھی نہیں کرتے اور اس لئے نہیں اٹھاتے کیونکہ اسے اٹھانا ملک میں جاری فرقہ وارانہ فضا میں جلتی آگ پر تیل پھینکنے کے مترادف ہوگا کیونکہ فرقہ وارانہ آگ نے پہلے ہی پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے لہٰذا ہم اس میں حصہ دار نہیں بننا چاہتے ہیں، یہ کام اس وقت ممکن ہے جب شیعہ اور سنی ایک دوسرے کو برادرِ اسلامی سمجھیں اور ایک دوسرے کے نقص وعیب اٹھائے جانے کو دوستی کی نشانی سمجھیں لیکن بدقسمتی سے دور حاضر میں فرقہ وارانہ فضا کے ہوتے ہوئے کسی نیک مشورے کے بارے میں حسنِ ظن رکھنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

**٤** ہمارے خلاف دبے انداز اور کھلے اشاروں میں یا کھلے عام تراشی جانے والی تہمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ہماری کتابوں کے مصدر وماٰخذ زیادہ تر سنی کتابوں پر مبنی ہیں۔

جواب :

## سُنی اوز سُنییت

اُمت اسلامی میں رسول اللہؐ کے اقوال وافعال اور تقریر کو سنت کہتے ہیں جس کی سند قرآن کریم ہے اور اس پر پوری امت کو اتفاق ہے، کوئی بھی مسلمان اس کا منکر نہیں بعد میں مسلمانوں نے سنتِ رسولؐ میں تعدی اور توسیع کرتے ہوئے اس میں سنتِ صحابہ اور سنتِ خلفاء کو بھی شامل کیا گیا۔

چھ سو(۶۰۰) سو سال گزرنے کے بعد اس سنت میں مزید وسعت کی گئی جس کی وجہ سے چار(۴) اماموں کے اقوال ونظریات بھی سنت کے دائرے میں آ گئے چنانچہ لوگ ان کے اقوال کو بھی قول رسول جیسی حجت مانتے ہیں حالانکہ بعد از رسول اللہ ﷺ کسی اور کے قول کا حجت ہونے کی کوئی دلیل قرآن اور سنت رسولؐ میں نہیں ملتی لہٰذا موجودہ وقت میں سنت اور سنیوں میں فرق ہے، ظاہر سی بات ہے کہ سنت وہ ہے جو قول وفعل اور تقریرِ رسولؐ ہو جبکہ سنی وہ ہے جو قول رسولؐ کے ساتھ اصحاب اور خلفائے اربعہ اور آئمہ کے قول کو بھی حجت مانتا ہو۔

جس طرح اہل تشیع قول رسولؐ میں وسعت دے کر بارہ (۱۲) اماموں کے اقوال کو بھی حجت گردانتے ہیں حالانکہ آئمہؑ کے اقوال رسولؐ کے اقوال کی مانند حجت ہونے کے بارے میں نہ قرآن کی آیت ہے نہ رسول کا فرمان ہے بلکہ خود آئمہؑ فرماتے تھے کہ جب ہم کسی امر کے بارے میں کوئی بیان دیں یا شریعت کے بارے

میں بتائیں تو ہم سے بھی اس قول کیلئے قرآن اور قول رسولؐ سے سند طلب کیا کرو اگرچہ ہم قرآن وسنت رسولؐ سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کرتے ،لیکن اگر ایسی کوئی بات ہم لوگوں سے منسوب ہو جو قرآن اور اقوال رسول اللہؐ کے خلاف ہو تو سمجھ لینا کہ مردود ہے۔

اس وقت ملک میں بعض علماء اور بزرگانِ دینی صرف اور صرف ان کے پیدا کردہ خود ساختہ عقائد ورسومات کو غیر شرعی اور قرآن وسنت کے خلاف گردانے پر ہمیں سنّی کہا جارہا ہے ہم جس طرح کسی بات کا قرآن و سنت سے ہٹ کر شیعوں سے ہونے کو تسلیم نہیں کرتے اسی طرح قرآن وسنت سے ہٹ کر اہل سنت کی باتوں کو بھی نہیں مانتے ہیں لیکن اگر کوئی چیز ان کے ہاں قرآن وسنت کے مطابق ہو تو اسے اپنانے میں تردّد نہیں کرتے اور نہ ہی ان کی ضد میں آ کر سنت رسولؐ سے روگردانی کرتے ہیں۔ہم بحیثیت مسلمان قرآن و سنت اور سیرت نبی کو دین کا مصدر ومآخذ سمجھتے ہیں اس کے بعد ذوات آئمہ طاہرین علیہم السلام کو پیغمبرؐ کی سیرتِ طیبہ کا ترجمان جانتے ہیں۔

اس وقت اگر ہم حدیث کو سمجھنا چاہیں تو ایک شیعہ مسلمان کیلئے اس سلسلے میں شیعہ مذہب کے مطابق کون سی کتابیں پڑھنی چاہئیں اور کن کتابوں کو مصدر ومآخذ قرار دیا جانا چاہیے تو اس سلسلے میں کتب اربعہ کی نشاندہی کی جاتی ہے جو کہ چوتھی صدی میں لکھی گئی ہیں یا پھر ضخیم کتابیں جیسے وافی ،وسائل وغیرہ جو بعد میں تالیف ہوئیں لیکن سیرت نبی کریمؐ اور سیرت آئمہ طاہرینؑ کے تشنہ گان کیلئے آپ شیعوں کی لکھی گئی کن کتابوں کا نام بتائیں گے اگر کچھ عرصہ پہلے کسی شیعہ عالم نے چند صفحات یا ایک دو جلدوں پر مشتمل کتابیں سیرت پر لکھی ہیں تو کیا آپ یہ بتا سکیں گے کہ ان کی یہ کتابیں سنی مصادر سے نہیں لکھی گئی ہیں۔

درحقیقت ہمارے ہاں موجود تاریخی کتابیں شیخ عباس قمی ،آیت اللہ جعفر سبحانی اور آیت اللہ ابراہیم آیتی وغیرہ کی تالیف شدہ ہیں جن کے مصادر ومآخذ اہل سنت کی تاریخی کتابیں ہیں،اگر ان تاریخی کتابوں سے ہم نے غیر مستند باتیں نقل کی ہیں جو عقل ،آیاتِ قرآنی اور سیرت پیغمبرؐ کے خلاف ہوں تو ان کی نشاندھی کی جائے ہم انہیں اپنی کتابوں سے نکالنے اور اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کیلئے تیار ہیں۔

اگر بعض حضرات کو سنی کتابوں سے اتنی چڑ ہے تو ذرا مدارس دینی پر نظر دوڑائیں جہاں جلال الدین سیوطی کی کتاب سیوطی ،عوامل جرجانی ،ملا سعد تفتازانی کی مختصر المعانی ،ابن ہشام کی مغنی البیب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے اساتید کرام اور شاگردانِ انعام یافتہ سے پوچھیں کہ وہ اس قسم کی کتابوں کو ام الکتاب کا

مقام دیتے ہیں یانہیں؟۔

ہماری طرف سے یہ بھی گزارش ہے کہ سیرت ائمہؑ کے بارے میں شیخ مفیدؒ کے ارشادات کے علاوہ کوئی اور کتاب جو اس سے پہلے یا اسی دور میں لکھی گئی ہو موجود ہے تو اس سلسلہ میں ہماری بھی رہنمائی کریں۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ سیرت نبی کریمؐ کے بارے میں اہل تشیع کی ایک ایسی کتاب کا نام بتادیں جس کے مصادر و مآخذ اہل سنت کی تاریخ سے نہ ہوں تا کہ ہم اپنی رہنمائی کیلئے ان مصادر و مآخذ سے استفادہ کر سکیں۔

## سنی اور سنیت کے عقائد:

سنیوں کے تمام گروہوں میں پائی جانے والی خرافات، بے بنیاد رسومات شیعوں سے زیادہ نہ ہوں تو کم بھی نہیں، دور حاضر میں شیعہ سنی دونوں کیلئے مولانا حضرات اور مفتیان کی تالیف کردہ کتابیں کتاب خدا سے زیادہ اہمیت اور قابل رشک ہیں جو کہ تحریفات سے پر ہونے کے باوجود ترامیم کے ساتھ دوسری شکل وصورت میں ہر ایک کے پاس پائی جاتی ہیں یعنی ایک طرح سے انھوں نے اپنی کتابوں کو مذہبی کچرہ خانے میں تبدیل کر دیا ہے جس میں آئے روز مذہبی خرافات کے کچرے پھینکے جارہے ہیں۔

اس سنگین صورت حال پر مذہب کے محافظ و پاسدار خاموش ہیں شاید ان کی خاموشی کی دلیل ان کی گزر اوقات کا انہی حلقوں سے وابستہ ہونا ہے جو کہ ان کیلئے ایک طرح سے غنیمت ہے، مذہب کے محافظین کا یہ استدلال بھی ہے کہ زیادہ سختی کرنے کی صورت میں لوگ رہے سہے مذہب کو بھی چھوڑ دیں گے پھر ہم کچھ نہیں کر پائیں گے اس کی مثال اس دستکار شخص کی سی ہے جسے اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ دستکاری کے ادارے میں کہیں نئی مشین نہ لگ جائے کیونکہ ایسی صورت میں وہ بے روزگار ہو جائے گا اور اس کی تازہ مثال قربانی کی موجودہ صورت حال ہے جس میں علمائے اعلام بھی تن و من سے شامل ہوتے ہیں اور معاشرے میں بے راہ روی کو روکنے کی بجائے اس کی تائید میں نت نئے فلسفے اور حاجتیں بیان کرتے نظر آتے ہیں حالانکہ اس کی دوام و بقاء کے حوالے سے صحیح جھوٹی اور مستند احادیث میں نشاندہی کرنے کا کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا اس کے باوجود قربانی کی رسم کو اس منطق کے تحت جاری رکھا ہوا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس سے فقراء و مساکین کا پیٹ بھرتا ہے۔ دین کے ذمہ دار افراد کو صرف چند کلو گوشت جو مدرسے میں آتا ہے یا چند کھالیں انھیں ملتی ہیں نظر آتا ہے اور جو کچھ ان ایام میں یہ سب طوفان بدتمیزی، حیوانات کا مقابلہ جبکہ صدر الاسلام میں مسلمان قربانی کے حیوان پر سوار ہونے کو اہانت سمجھتے تھے یہ ایک طرف لیکن دوسری

طرف سے یہ عمل قرآن کریم اور سنت معتبرہ سے بھی بے سند ہے، یہ نہیں دیکھتے کہ قربانی کے جانوروں کو گراں فروشی کے باوجود خریدنے کے بعد ان کی کھالیں باطل نظریات کے پرچار کرنے والی سیکولر تنظیموں کی نشرواشاعت میں معاون ومددگار ثابت ہورہی ہیں، اس قسم کی قربانیاں خودساختہ بناوٹی شعائر ہیں جس کے بارے میں قرآن اور مستند احادیث میں کوئی سند نہیں ملتی بلکہ بزور باوزار اور فلسفہ تراشی سے قائم رکھا ہوا ہے، قرآن اور سنت رسولؐ کے پابند مسلمان کیلئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے فرقے کو چھوڑ کر دوسرے کا انتخاب کرے، فرقے ہی نے اسلام اور مسلمانوں کیلئے شامت لائی ہے۔

اگر تمام کے تمام سنی دشمن اہل بیتؑ ہیں تو ذرا اہل بیتؑ کے فضائل اپنی کسی ایسی کتاب سے ثابت کریں جو دوسری اور تیسری صدی میں لکھی گئی ہوں کتابوں سے پیش کریں، اگر تمام سنی دشمن اہل بیتؑ ہیں تو اہل سنت کی نماز جمعہ کے خطبین سماعت کریں حتی وہابیوں کی نماز جمعہ کے خطبیں سنیں۔

**۵** ہمارے اوپر کئے گئے اعتراضات میں سے ایک کلمہ اسلام میں سے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت بلافصل کی شہادت کو نکال باہر کرنا ہے؟

جواب :

## اسلام کے ساتھ فرقہ کا کلمہ!؟

کلمہ، لغت عرب اور قرآن مجید میں چند معنوں میں استعمال ہوا ہے :

۱)۔ ہر وہ لفظ جو معنی اور مفہوم رکھتا ہو :

جب آپؑ نے خوارج کا یہ نعرہ سنا کہ ''خدا کے علاوہ کسی کیلئے حکم نہیں ہے'' تو آپ نے فرمایا:

''یہ حق کا کلمہ ہے لیکن اس سے باطل معنی مراد لیا گیا'' [۱]

''اللہ کا کلمہ بلند ہوجائے اور ظالمین کی بات پست ہوجائے'' [۲]

۲)۔ ہر وہ موجود، جو وجود خدا پر دوسروں کی بہ نسبت زیادہ دلالت کرتا ہو:

﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ﴾ ''حقیقت یہ ہے کہ مسیح عیسی ابن مریم صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ تھا'' (نساء ۱۷۱) ﴿أَنَّ اللهَ يُبَشِّرُكَ

---

[۱] [كلمة حق يراد بها باطل (كلمات قصار ۱۹۸) ترجمہ جوادی ۶۹۹] [۲] [كلمة الله هى العليا و كلمة الظالمين هى السفلىٰ (كلمات قصار ۳۷۳ جوادی ص ۷۶۳) كلمات قصار ۳۸۱، جوادی ص ۷۶۶۔]

بِيَحْيَى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللهِ ﴾ ''کہ بے شک اللہ بشارت دیتا ہے تم کو (یحیی) کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا کلمۃ من اللہ کی'' (آل عمران ۳۹) ﴿ اِنَّ اللهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ ﴾ ''بے شک اللہ بشارت دیتا ہے تم کو کلمۃ من اللہ، کی'' (آل عمران ۴۵)

حضرت عیسیٰؑ کو کلمہ کہا گیا ہے کیونکہ وہ بغیر باپ پیدا ہونے کی وجہ سے وجودِ خدا پر عام انسانوں کی بہ نسبت زیادہ دلالت کرتے ہیں۔

۳)۔ کلمہ وعدے کو کہا جاتا ہے :

﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ ﴾ ''اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے سے (طے) ہو چکی تھی'' (یونس ۱۹) شوریٰ ۲۱۔

۴)۔ کلمہ ایمان، یعنی وحدانیت خدا اور رسالت رسولؐ کے تسلیم کرنے کا اعلان کرنا:

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''کہہ دو! اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے ہاں اور تمہارے ہاں''۔ (آل عمران ۶۴)

''اور کلمہ اخلاص ہے کہ یہ فطرت الٰہیہ ہے'' [1]

۵)۔ کلمہ نبوت :

''جس نے اپنے نظام سے ان کی اطاعت کو پابند بنایا اور اپنی دعوت پر ان کی الفتوں کو متحد کیا''۔ [2]

۶)۔ کلمہ کی مزید قسمیں یعنی کلمہ کفر اور کلمہ سوء :

کلمہ کفر لا الٰہ ہے یعنی کوئی خدا نہیں، جبکہ کلمہ سوء سے مراد نفاق، افتراق اور انتشار ہے۔

۷)۔ کلمہ اخلاص یعنی توحید و رسالت۔

۸)۔ کلمہ خیر یعنی کلمہ خیر دعوت بہ اتحاد ہے۔

## اسلام کا اصلی کلمہ کے اصلی اور اضافی اجزاء :

آغاز اسلام سے لیکر اب تک تمام فرق و مذاہب اسلام کے نزدیک کلمۂ اسلام دو جزء وحدانیتِ خداوندی اور رسالت پر مشتمل تھا چنانچہ نہج البلاغہ میں خود حضرت علیؑ نے یہی کلمہ پڑھا ہے:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے ...اور میں گواہی

---

[1] [و كلمة الاخلاص فانها الفطرة (نہج البلاغہ خطبہ ۱۱۰، جوادی ص ۲۱۹)]

[2] [فعقد بملته طاعتهم و جمع علىٰ دعوته الفتهم (نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۲)]

دیتاہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندہ اوراس کے رسول ہیں"۔ [1]

اوراب بھی ایساہی ہے لیکن چندصدیوں سے شیعہ کے غالی گروہوں نے ایک اورکلمہ ایجاد کیا جووقت گزرنے کے ساتھ کلمہ اسلام میں بطورِاضافہ داخل کردیا گیا۔

ہماری کتاب "عقائدورسومات شیعہ" کی پہلی طباعت کے منظرعام پرآنے کے بعدکلمۂ اسلام میں یعنی "وخلیفۃ بلافصل" کے جملہ کے اضافے سے متعلق عرائض کے بارے میں شیعیانِ حیدرکرارکی طرف سے اس کے خلاف دھواں دار اعتراضات ،زبانی اورتحریری نکتہ چینی کے ساتھ موصول ہوئے بعض دینی مدارس نے بھی کتاب ہٰذا کے مندرجات میں سے ایک موضوع "کلمہ" کواٹھایا،اس کتاب میں ہم نے عام مسلمانوں سے ہٹ کرشیعیانِ حیدرکرارکی طرف سے کلمے میں شہادتِ ثالثہ کا اضافہ کرنے کوبیان کیا تھاجو لمبی چوڑی شہادت دی جاتی ہے۔خودحضرت علی ابن ابی طالبؑ پرکھلا جھوٹ باندھنے پرمبنی ہے۔

**فقہاء ومجتہدین کا بیان :**

ا۔اس سلسلے میں فقہاء ومجتہدین نے اذان میں اس شہادت کا جزء یاواجب یااستحباب نہ ہونے پر اتفاق کیاہے۔

بہرحال یہ کلمہ اذان میں کب سے شامل ہوااس بارے میں علمائے کرام اختلاف نظررکھتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ کلمہ صفویوں کا پیدا کردہ ہے جیسا کہ صاحب روضات الجنات، محقق کرکی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شاہ اسماعیل صفوی نے شیعہ حکومت کا اعلان کرنے کے بعداذان میں اس کلمے کوبھی اضافہ کیاان کے بقول قبل ازیں ایک عرصے سے اذان میں کلمہ شہادت ثالثہ پرپابندی عائدتھی لیکن یہ پابندی کب سے تھی اورکس نے اسے بندکیا تھااس کاذکرنہیں کیاہے،بعض علماء کا کہناہے کہ یہ دسویں ہجری میں کلمہ میں شامل ہوا جبکہ دیگرکئی علماء کے مطابق یہ چوتھی ہجری سے آل بویہ کا پیدا کردہ ہے البتہ بعض نے ٦٧ ہجری میں مختارثقفی کے وزیرومشیرابراہیم بن مالک اشترکی طرف اس کی نسبت دی ہے غرض اس کی سندرسول اللہؐ تک نہیں پہنچتی۔

---

[1] [اشهدان لااله اللهوحده لاشريک له ...واشهدان محمداًعبده ورسوله (نہج البلاغہ خطبہ۲ جوادی ص ۳۷) ]

۲۔ بعض شیعہ فقہاء نے وقتاً فوقتاً فتویٰ کے ذریعے اور عملاً بھی شہادت ثالثہ کو اذان میں جاری رکھا ہے لیکن بعض نے اسے اقامہ سے احتیاطی طور پر حذف کیا ہے چنانچہ اس وقت آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ اسے اقامۃ نماز میں پڑھنے کو جائز نہیں جانتے ہیں۔

۳۔ عصر حاضر کے بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ اس کلمے کو اذان میں پڑھتے وقت اسے کسی قسم کی شرعی حیثیت نہ دی جائے۔

۴۔ بعض فقہاء کے مطابق اس کلمے کو پڑھتے وقت اسے وجوب استحباب کی نیت یا بقصد ورود سے نہ پڑھا جائے بلکہ اسے تبرکاً پڑھا جائے، لہٰذا اس کے پڑھنے کا حکم فقہاء و مجتہدین کے نزدیک واضح اور روشن نہیں بلکہ اس کا حکم مبہم اور مشکوک بنا ہوا ہے بعض علماء نے جب اسے چھوڑا تو بعض دیگر نے ان کی ضد میں اسے واجب قرار دیا جبکہ حال ہی میں بعض فتویٰ فروش مجتہدین سے استناد لیتے ہوئے اسے تشہد میں بھی شامل کیا ہے۔ ملک کے بعض بزرگ علماء نے اسے اذان میں ایک بدعت گردانا ہے لیکن یہ اپنی جگہ ایک انوکھی اور ناقابل فہم بات ہے کیونکہ انہوں نے دوسری جانب بعض گمنام غیر مستند کتابوں کی چند ضعیف السند احادیث سے استناد کر کے اسے کلمہ کا جزو قرار دیا ہے اگر یہ اصول دین میں سے ہے تو اذان میں پڑھنا بدعت کیوں ہے؟ اور حافظان و نگہبانان دین کی طرف سے اساس دین کے طور پر اسے دین میں شامل کرنا جو کہ تساہل و تسامح یا شخصی اجتہاد کا ایک نمونہ ہے۔

## طلابِ دینی کے اعتراضات :

چنانچہ اس سلسلے میں ایک مدرسے کے برجستہ و لائق طالب علم نے ہمارے ایک دوست کو چند گھنٹے تک اسی مدرسے میں اپنے زیرِ عتاب رکھا اور تند و تیز سوالات کے ذریعے اسے نشانہ بنایا لیکن اس انسان سے پوچھنا چاہیے جو دینی علوم سے وابستہ نہ رہا ہو کہ اگر وہ طلاب علومِ دینی کے محاصرے میں گھر جائے تو ان پر کیا گذرے گی انہوں نے اس سلسلے میں جو اعتراض و انتقاد کیا ہے اس حوالے سے ان عزیزان کے ساتھ ملک کے گوشہ و کنار میں رہنے والے نالان و ناراض مومنینِ کرام کی خدمت میں انتہائی ادب کے ساتھ اس بارے میں مندرجہ ذیل مفروضات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں :

۱۔ کلمہ شہادت ثالثہ جیسا کہ محدث قمیؒ نے اپنی کتاب ''کنی والقاب''میں کسی قسم کی نفی واثبات کا نظریہ قائم کئے بغیر لکھا ہے کہ اس کلمے کو آل بویہ کے حکمران معزالدولہ نے ۳۳۴ھ میں اپنے اقتدار کے ابتدائی دور میں مساجد سے دی جانے والی اذانوں میں زبردستی شامل کیا۔ محدث قمیؒ کے مطابق معزالدولہ نے پہلے کہا کہ یہ شیعوں کی مسجدوں کے امتیاز کیلئے اذان میں شامل کررہے ہیں لیکن بعد میں انہوں نے اسے اقامت میں بھی شامل کیا تاہم محدث قمیؒ نے اس سلسلے میں مزید کوئی تبصرہ کرنے سے گریز کیا ہے۔

۲۔ مدافعین کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ ۶۷ھ میں مختار ثقفی کے قیام کے دوران ان کے لشکر کے قائد ابراہیم اشتر نے اس کلمے کو اپنی اذان میں شامل کیا تھا، آئمہؑ نے انہیں منع نہیں کیا اس کے باوجود یہ سلسلہ جاری وساری رہا۔

۳۔ بعض افراد نے اس ضمن میں ایک اور تنقید بھی کی ہے کہ ہم نے خود ابھی تک کیوں اذان واقامت میں شہادت ثالثہ کو جاری رکھا ہے؟ ۔

میں نے اپنی ہر کتاب میں واضح اور واشگاف الفاظ میں واضح کیا ہے اور اب بھی یہ کہتا ہوں کہ میری فقہی مسائل پر کسی قسم کی تحقیق نہیں ہے اور نہ ہی میں صاحب رائے ہوں لہٰذا اس شہادت کے پڑھنے کی حرمت کے بارے میں نہ میرا کوئی نظریہ ہے اور نہ کسی معتبر مجتہد کا فتویٰ نظر آیا ہے جس کے تحت احتیاطی طور پر اسے نہ پڑھا جائے، میرے لئے اس سلسلے میں جو چیز ثابت ہے وہ یہ ہے کہ یہ کلمہ اذان میں پیغمبر اسلامؐ جو کہ صاحب شرع ہیں کے بعد شامل ہوا ہے اور اس بات کا سب ہی اعتراف کرتے ہیں کہ جو چیز پیغمبر اسلامؐ کے بعد دین میں شامل ہوئی ہو اسے شریعت کی زبان میں بدعت کہا جاتا ہے ہمارے لوگ خاص کر بعض جذباتی لوگ لفظِ بدعت کو سنتے ہی اس کے مفہوم ومعانی سمجھے بغیر وہابیوں کی ضد میں فوراً یہ کہہ دیتے ہیں کہ آپ نے اسے بدعت کیوں کہا؟ گویا بدعت تنہا وہابیوں کے نزدیک بری ہے اور ہمارے ہاں اچھی ہے۔

برادرانِ گرامی، ملت اسلامی کے تمام علماء کے نزدیک ہر وہ چیز بدعت ہے جو پیغمبرؐ کے بعد دین میں آئی ہے تو کیا ہم اس کے بدلے میں کوئی اور لفظ استعمال کریں؟ یا کہیں کہ یہ پیغمبرؐ کے دور سے ہی رائج تھا، اذان میں اس دور میں اہل سنت کے پاس ''الصلوٰۃ خیر من النوم'' اور شیعوں کے پاس ''علی ولی اللہ'' ہے۔ دونوں نبی کریمؐ کے بعد ہونے والی بدعات میں سے ہیں۔

جب کوئی چیز پیغمبر اسلامؐ کے بعد ایجاد ہو اور اسے دین میں شامل کیا جائے تو اسے مذہب میں جاری رکھنے کی کیا منطق ہے؟ اس سلسلے میں عرض گزار ہوں کہ اگر امت نے اذان میں ایک فقرہ شامل کیا ہے مثلاً اہل سنت نے اذان میں **الصلاۃ خیر من النوم** کو شامل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر چہ یہ بدعت ہے لیکن بدعت اپنی جگہ احکام خمسہ سے باہر نہیں بدعت: واجب، حرام، مستحب، کراہت اور جائز بھی ہے چنانچہ یہ بدعتِ مذموم نہیں بلکہ پسندیدہ چیز ہے یعنی یہ کلمہ قرآن وسنت سے متصادم نہیں ہے لہٰذا ہم نے **الصلوٰۃ خیر من النوم** کو جاری رکھا ہے، اہل تشیع نے شہادت ثلاثہ کا اضافہ کیا ہے یہ بھی اس جیسی ایک بدعتِ حسنہ ہو سکتی ہے جبکہ یہ بھی اپنی جگہ موضوعِ بحث ہے، کیا اذان واقامت جزءِ نماز ہیں یا نماز سے پہلے ایک الگ واجب یا مستحب ہیں؟ اذان میں شہادت ثالثہ کے بارے میں مندرجہ ذیل مفروضات قائم کرنے کے بعد اس میں سے کسی ایک مفروضہ کو اپنانا ہوگا :

۱)۔ ہر قسم کا اضافہ نبی کریمؐ کے بعد بدعت تصور کیا جائے، حرام قرار دیتے ہوئے اس سے روکا جائے۔

۲)۔ ہر قسم کے اضافہ کی اجازت دی جائے۔

۳)۔ جو اضافہ کیا گیا ہو اس پر خاموشی اختیار کی جائے۔

۴)۔ جو اضافہ رسول اللہؐ کے بعد ہو اس کی مخالفت کیا جائے۔

ان چار مفروضات میں سے کونسا مفروضہ مستحسن اور کونسا کم قباحت والا ہے۔

جس چیز پر پوری ملت تشیع قائم ہے اور دنیا کے گوشہ وکنار میں شیعہ اسے پڑھتے ہیں اور ساتھ ہی فقہاء نے بھی اسے حرام قرار نہ دیا ہو اسے چھوڑنے سے مجھے، آپ کو یا پوری امت اسلامیہ کو کیا، کیا فوائد جلیلہ نصیب ہوں گے اگر ہم دو اضافات کو چھوڑ کر اذان دیں گے تو تیسرا فرقہ ہوگا جو ہم بننا نہیں چاہتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی بات ہے تو ہم اسے چھوڑ سکتے ہیں یہ باتیں شہادت ثالثہ کا اذان میں شامل ہونے سے متعلق تھیں۔

## کلمہ میں شہادت ثالثہ کا شامل ہونا :

اب ہم شہادت ثالثہ کا کلمے میں شامل کرنے سے متعلق موضوع کی طرف آتے ہیں جہاں تک شہادت ثالثہ کا کلمے میں شامل کرنے کا مسئلہ ہے اس سلسلے میں ہم کئی حوالوں سے گفتگو کریں گے :

۱۔ اسلام کا کلمہ اور پوری امت مسلمہ کا کلمہ ایک ہی ہوتا ہے لہٰذا مسلمانوں میں اختلاف رائے اور شدت پسندی والے مذاہب میں سے کسی نے بھی توحید و رسالت کے علاوہ تیسرا کوئی کلمہ اضافہ نہیں کیا ہے۔

۲۔ شیعہ ایک فرقہ ہے اور فرقے کا کوئی الگ کلمہ نہیں ہوتا اگر فرقے کا کلمہ ہونا تسلیم کیا جائے تو دوسرے فرقوں کا بھی الگ الگ کلمہ ہونا چاہیے۔

۳۔ اگر پیغمبر اسلامؐ کے بعد وقت کے رہبر، خلیفہ و امام کے نام سے کلمہ پڑھنا ضروری ہو تو ہمیں اس وقت بارہویں امام کے نام سے بارہ (۱۲) کلمے پڑھنے چاہئیں کیونکہ ہمارا دور بارھویں امام کا دور ہے۔

۴۔ اگر علیؑ کو ہی نکتہ اتفاق قرار دینے کے بعد اس مسئلے میں اختلاف و افتراق کی کوئی گنجائش نہ نکلتی ہوتی تو پھر بات بن جاتی اور اسی بنا پر علیؑ کا نام کلمے میں شامل کیا جا سکتا جبکہ آپؑ کے بعد کیسانیہ، زیدیہ، جارودیہ، واقفیہ اور اسماعیلیہ وغیرہ فرقے وجود میں آئے، جنہوں نے حضرت علیؑ کے بعد اپنے مقتدیٰ کو بدل لیا لہٰذا اگر اسی نکتہ کو معیار قرار دیا جائے تو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ علیؑ ولی اللہ کہنے والا کیسانیہ، جارودیہ، اسماعیلیہ ہے یا رافضیہ ہے۔

ہمیں اپنے آپ کو ان سب فرقوں سے الگ اور جداگانہ طور پر متعارف کرانے کیلئے اس امام کا ذکر کرنا چاہیے جسے صرف ہم ہی مانتے ہوں اثنا عشری ہوتے ہوئے اپنے بارہویں امام کو چھوڑ کر صرف پہلے امام پر ہی اصرار کرنا اس بات کی دلیل ہوگی کہ ہم اثنا عشری نہیں ہیں بلکہ یہ شیعیان علیؑ کا گروہ ہے جو پیغمبرؐ کے بعد صرف ایک امام کے قائل ہیں اور انہی پر ان کی امامت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور اسی کا نام انحراف اور گمراہی ہے۔

۵۔ پیغمبرؐ کی جانشینی کے مسئلہ کو چاہے شیعہ نقطۂ نظر کے تحت منصوص من الرسول کہیں یا امت کے انتخاب کو درست قرار دیں یہ دین اسلام کے بنیادی اصول میں سے نہیں ہے، فروع دین میں سے ہے جیسا کہ اہل سنت کا موقف ہے یا یہ فرقہ کے اصول میں سے ہے یعنی نبوت کی شاخ یا ثمر ہے، دونوں صورتوں میں اسے اصول اساسی کے برابر قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

۶۔ شہادت ثالثہ کلمے کا جز ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں چند مفروضے بن سکتے ہیں:

۱)۔واجب یا مستحب: ابھی تک کسی نے نہیں کہا ہے کہ اس کی کوئی سند ہے۔
۲)۔پڑھنا حرام ہے کے بارے میں بھی کوئی سند نہیں ہے۔
۳)۔پڑھنا جائز ہونے کے بارے میں علمائے امامیہ میں اختلاف ہے۔

اذان میں اشکال نہیں ہے اقامت میں احتیاط کہ نہیں پڑھنا چاہیے البتہ دونوں میں جائز کہنے والے اکثر ہیں تو اذان جو کہ اپنی جگہ مستحب ہے موضوع بحث ہوا سے کلمے میں کیسے شامل کیا جاسکتا ہے، کیسے ممکن ہے کہ اسے دین کے اصول میں شامل کیا جائے جو چیز فروع دین میں بھی صحیح نہ سمجھی جاتی ہو اسے اصول دین میں شامل کرنے والے انسانوں کو بے وقوف نہیں تو کیا کہا جائے؟۔

اگر شہادت ثالثہ کے کلمے کا جزو ہونا یقینی اور غیر مشکوک ہے تو علمائے اعلام سے درخواست ہے کہ وہ اس پر چند صفحات ضرور لکھیں یا کم از کم آدھے گھنٹے کا بیان ضبطِ آلات صوت کر کے پیش کریں یا اگر یہاں کے علماء یہ فرمائیں کہ وہ فلاں جیسی غیر ذمہ دارانہ حرکت کرنے والے نہیں ہیں لہٰذا یہ ان کی ذمہ داری نہیں، تو یہ ان مجتہدین اور مراجع سے استفسار کریں جو تمام امور شیعہ کے ذمہ دار اور مرجع ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تا کہ وہ اپنی توضیح المسائل میں اس سلسلے میں چند صفحاتِ وضاحتی کا اضافہ فرمائیں کیونکہ اتنا اہم مسئلہ اگر، مگر اور اقویٰ، احتیاط وغیرہ سے نہیں چل سکتا۔

## حضرت علیؑ کا خلیفہ بلافصل ہونا :

۱۔ مندرجہ بالا سقم کے علاوہ (شہادت ثالثہ میں خلیفتہ بلافصل کا فقرہ) شیعہ مذہب کے ماتھے پر کا لا داغ ہے اور خصوصاً وہ افراد جو ملک کے طول و عرض میں تین بار جھوٹ بولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیؑ خلیفہ بلافصل تھے بالفرض اگر علیؑ خلیفہ بلافصل تھے لیکن جب یہی سوال خود علیؑ سے پوچھا جاتا کہ کیا آپؑ خلیفہ بلافصل رسولؐ ہیں؟ یا چوتھے خلیفہ ہیں تو حضرت علیؑ کیا جواب دیتے یقیناً فرماتے چوتھا خلیفہ، اگر آپ کہتے ہیں کہ ظاہری طور پر علیؑ چوتھے تھے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بات دیگران کو کیسے سمجھائیں گے اور اگر آپ پہلے سے ہی خلیفہ تھے تو خلیفہ سوم کے قتل ہونے کے بعد لوگ آپ کو کیا چیز پیش کر رہے تھے اور کس چیز کی درخواست کر رہے تھے اور آپؑ کیوں اسے وصول کرنے سے گریزاں تھے؟۔

۲۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں خلافت کی کوئی حیثیت و اہمیت نہیں ہے ہم تو امامت

کو مانتے ہیں تو ہمارا یہ کہنا ہے کہ اگر آپ کلمہ خلافت سے ہی نفرت کرتے ہیں اور اس سے بدگمانی ہے تو علیؑ کو خلیفہ بلافصل کیوں کہتے ہیں؟ اگر آپ خلافت کو نہیں مانتے اور امامت کے معتقد ہیں تو کلمے میں امام بلافصل کیوں نہیں کہتے اور خلیفہ بلافصل کیوں کہتے ہیں؟ دنیا بھر کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے علاوہ خود شیعہ بھی یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کی طرف سے نامزدگی صلاحیت واہلیت اور وصی ووارث ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود علیؑ کو خلیفہ نہیں بنایا گیا اور وہ مظلوم رہے جیسا کہ نہج البلاغہ میں خود علیؑ شکایت کرتے ہیں تو دوسری صورت میں اگر علیؑ کو خلیفہ بلافصل کہا جائے تو علیؑ کس حوالے سے مظلوم تھے اور علیؑ کی بات کو مانیں یا آپ کی؟

۳۔ ان تمام شکوک وشبہات کے پیش نظر اس اضافی فقرہ اور کلمے کی کسی بھی حوالے سے تفسیر وتوضیح ممکن نہیں اور اذان میں خلیفہ بلافصل کا اضافہ کر کے چیخ وپکار کرنے کی مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور عداوت کے علاوہ کیا تفسیر وتوضیح ہوسکتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے مذہب کو کیا فوائد حاصل ہوئے ہیں اور کیا فوائد آئندہ ملنے کی توقع ہے۔

دوسرے مرحلے میں یہ کلمہ خود حضرت علیؑ کے ساتھ جسارت واہانت ہے یا پھر ان کے خلاف ایک غلط دعویٰ ہے کیونکہ انھوں نے خلافت، رسول اللہؐ کی رحلت کے پچیس (۲۵) سال بعد ۳۶ ہجری کو چوتھے مرحلے پر سنبھالی اور رسول اللہؐ کی وفات سے خلافت سنبھالنے تک کا عرصہ حضرت علیؑ نے اپنے گھر میں ایک قسم کی گوشہ نشینی یا غیر مداخلت والی زندگی کے تحت گزارا، اس کے باوجود اگر یہ کہا جائے کہ حضرت علیؑ پہلے روز سے ہی خلیفہ بلافصل تھے تو یہ بات خود علیؑ کی عملی زندگی سے متصادم ہے۔ خلافت درحقیقت عملی زندگی کا نام ہے جو علیؑ کو چوتھے مرحلے پر ملی، اگر ہم کہیں کہ علیؑ خلیفہ بلافصل ہیں تو علیؑ کہیں گے کہ میں بلافصل نہیں بنا ہوں لہٰذا یہ حقیقت سے متصادم عقیدہ ہوگا

۴۔ اگر دنیا کے غیر مسلموں کو اس اختلاف کے بارے میں اپنی توجیہ یوں پیش کریں کہ دوسروں کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ عملی زندگی میں چوتھے مرحلے پر خلیفہ تھے جو کہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ علیؑ خلیفہ بلافصل ہیں یعنی وہ پہلے خلیفہ تھے یہ بات ان کیلئے قابل فہم نہیں ہوگی کیونکہ یہ ہمارے عقیدے اور علیؑ کی عملی زندگی میں متصادم ہے جو کسی بھی

طبقے یا حلقے کیلئے قابل تحلیل اور قابل فہم وادراک نہیں ہے یہ اس مذہب پر سب سے بڑا ظلم و جنایت نہیں تو اور کیا ہے؟ ۔اس مذہب کو عقل کے دائرے سے نکال باہر کرنے کے بعد عقلائے مذاہب یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ یہی ہمارا عقیدہ ہے جو تمہارے لئے قابل فہم و ادراک نہیں ہے گویا یہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ جو کہتے ہیں بیٹا خدا ہے خدا بیٹا ہے۔

یہ ساری مصیبتیں ہمارے مذہب پر اس لئے ہیں کیونکہ مذہب میں یہ معاملہ پنجابی مثال (چار قُلی اسّی میٹ) بن گئی ہے معلوم نہیں ہمارے مراجع و مجتہدین جو ہماری سرپرستی کا دعویٰ کرتے ہیں ابھی تک وہ کس شریف خانے سے ہماری حالت زار ذلت وخواری کا نظارہ فرما رہے ہیں کیا وہ پردہ غیب سے ہماری سرپرستی کر رہے ہیں اگر ایسا ہے تو پھر مرجعیت کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ ہمارا مرجع ورہبر تو پہلے سے ہی غیب میں ہے۔

# نرم گوشہ

۱ کہتے ہیں کہ خلفاء کے بارے میں قلم اٹھاتے ہوئے ہم ان کیلئے نرم گوشہ رکھتے ہیں جو کہ خلفاء کے بارے میں شیعہ موقف سے دست بردار ہونے کے مترادف ہے۔

۲ ہمارے اوپر ہونے والی الزام تراشی کا ایک سبب خلفاء کے ساتھ نرم گوشہ رکھنا اور ان کی مخالفت کی بجائے حمایت کرنا ہے اور ہم سے کہتے ہیں کہ آپ خلفاء پر سبّ وشتم کے خلاف ہیں۔

۳ خلفاء کا لعن ونفرین کے مستحق ہونے کا ایک بڑا ثبوت حضرت زہراؑ کے گھر کے دروازے پر دھاوا بولتے ہوئے اس گھر کے ساتھ ہتک آمیز رویہ اختیار کرنے کا واقعہ جو کہ اہل سنت اور ہمارے معتبر کتابوں میں موجود ہے۔ خلفاء سے نفرت کا اس سے بڑا جواز اور کیا ہوسکتا ہے؟۔

٤ خلفاء پر سبّ وشتم کرنے سے منع کیا جانا اس لئے برا لگتا ہے کیونکہ وہ خلافت کو غصب کرنے کی وجہ سے اس سبّ وشتم کے مستحق ہیں۔

**جواب :**

ہم اور ہماری کتابوں پر انگلی اٹھائی جانے کی ایک وجہ خلفاء کے ساتھ نرم گوشہ رکھنا یا حمایت کرنا وغیرہ ہے جس کی بنا پر بعض افراد واضح تر انداز میں ہمارے سنی العقیدہ ہونے کے بارے میں یقین کی حد تک پہنچنے کا اظہار فرماتے ہیں یہاں تک کہ بعض بزرگان نے فرمایا ہے کہ ہمارے خدشات درست ثابت ہوئے۔

ان لوگوں نے یہ تہمت وافترا کا سلسلہ اس وقت سے شروع کر رکھا ہے جب سے ہم نے عزاداری میں شامل ہونے والی خرافات کی واضح اور روشن طور پر نشاندھی کرنا شروع کی۔ ان کا مقصد دراصل مجھے تہمت و دھمکی کے ذریعے اپنے وظیفہ عمل سے روکنا تھا۔ یہ صورت حال اس وقت پیچیدہ ہوئی جب ہم نے خلفاء کی حیات کے متعلق نہ صرف پہلی بار مختلف انداز فکر سے قلم اٹھایا بلکہ اپنی کتاب ''قرآن میں امام وامت'' میں

ہمارے ملک میں خلفاء کے ساتھ رکھے جانے والے ناروا سلوک اوران پر سبّ وشتم حتٰی کہ تمام اہل سنت کو دشمنانِ اہل بیتؑ قرار دینا بلکہ اس سے آگے اس عملِ شنیع سے روکنے والوں کو بھی برملا سبّ وشتم کرنے کی سنت قائم کرنے کا ذکر کیا۔ گرچہ اہل سنت والجماعت اس عمل کو ظاہری طور پر تمام شیعہ کی طرف نسبت دیتی ہے لیکن حقیقت میں اس بدعتِ مذموم کو رواج دینے کے پس پردہ کسی اور مخصوص گروہ کا ہاتھ ہے جن کا کشف نقاب بعد میں کیا جائے گا۔

یہ لوگ سبّ خلفاء سے روکنے والوں کو بھی تہمت وافتراء اور بدنام کرنے کے علاوہ ان کو دشمنانِ اہل بیت گردانتے ہیں جن کے بارے میں بعض لوگ زبانی اور خط وکتابت کے ذریعے اشارتاً کہتے ہیں کہ یہ گروہ سبّ وشتم کے مستحق ہیں وہ اس سلسلے میں تین اہم دلائل پیش کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱)۔ حضرت علیؑ سے خلافت غصب کرنا۔

۲)۔ حضرت زہرا مرضیہؑ کے دروازے کو جلانا، گرانا اور آپؑ کو زخمی کرنا۔

۳)۔ حضرت زہراؑ کا دنیا سے رحلت فرماتے وقت خلفاء سے ناراض رہنا۔

ہمیں یہاں ان تینوں وجوہات کی سند، متن اور حکمِ اسلام یعنی شریعت کی روشنی میں ہر ایک کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہے، اس سے متعلق سوالوں کا جواب مختلف زاویوں سے دینے کی ضرورت ہے:

پہلے حضرت علیؑ سے غصب خلافت کے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں :

اس دنیا میں خداوند متعال کی طرف سے دین اسلام کی طرف دعوت دینے والے انبیاءِ الٰہیؑ ہیں اسی طرح آخری دین کے داعی خاتم الانبیاء ہیں، خاتم الانبیاءؐ کی دعوت محکم، پائیدار اور غیر متزلزل ستونوں پر قائم تھی بلکہ آپ کی دعوت ہمیشہ دائر بہ نفی واثبات میں ہوتی تھی آپؐ کو خداوند متعال نے مجادلہ سے گریز کرنے اور عقل ونقل مسلمات سے استناد کر کے دعوت دینے کی ہدایت کی لہٰذا ہمیں ایسے مسائل قرآن، سنت نبی کریمؐ اور مستند ومعتبر کتابوں سے ثابت کرنے کے بعد اٹھانا چاہیے تا کہ رائے عامہ کے پاس شرمندہ اور بعد میں مذہب بدنام وفرسودہ اور فسطائی شکل اختیار نہ کرلے پہلے ہم مسئلہ خلافت کی طرف جاتے ہیں :

۱)۔ قرآن اور سنت نبی کریمؐ میں آپ کے جانشین یا امت اسلامی کے سربراہ کا انتخاب یا یہ مقام ومنصب سیاسی واجتماعی واقتصادی اصول وضوابط کے تحت ہونا ضروری ہے۔

۲)۔ اس طرح کے واقعات کے وقوع پذیر ہوجانے کے دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے کسی سنی یا شیعہ کتاب

میں کسی واقعے کا موجود ہونا کافی نہیں کیونکہ دونوں فرقوں میں مفاد پرست اور اسلام دشمن عناصر امت اسلامی کو ایک دوسرے سے دست وگریباں رکھنے کی مہم میں سرگرم رہنے کیلئے کافی حد تک نفوذ کر چکے اور یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں یہاں اس خدشے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہی مفاد پرست عناصر اور اسلام دشمن افراد نے اہل سنت کی صفوں میں داخل ہو کر انھیں شیعوں کے خلاف اُکسانے کیلئے اس طرح کے واقعات گھڑ لیے ہوں یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ انہی عناصر نے شیعوں میں گھس کر اہل سنت کے خلاف اشتعال دینے کیلئے ایسا کیا ہو۔

۳)۔قرآن کریم اور سنت نبی کریمؐ میں بیان کردہ فضائل اور برتری کی بنیاد پر انتخاب :

قرآن کریم اور سنت نبی کریمؐ میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حاکم وافضل وبرتر ہونے کیلئے کچھ معیار اور کسوٹیاں بیان کی گئی ہیں جن کی دو قسمیں ہیں:

ا۔عام :

عام حالات میں جن فضائل ومناقب کے حامل افراد دوسروں پر افضل وبرتر قرار پائیں گے۔

قرآن کریم اور روایات میں ان مسلمانوں کو دیگر ان پر فضیلت برتری دی گئی ہے:

(ا) پہلے ایمان لانے والے :

﴿وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْاِيمَانِ﴾ ''اور ہمارے ان بھائیوں کو جو سبقت لے گئے ہم پر ایمان میں''۔(حشر۱۰) فاطر۳۲،توبہ۱۰۰،مومنون۶۱،واقعہ۱۰،

(۲) ہجرت کرنے والے :

﴿اَلَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے ،ہجرت کی ،اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بہت بڑے مرتبہ والے ہیں،اور یہی لوگ مراد پانے والے''۔(توبہ۲۰)

(۳) صاحب جہاد :

﴿وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنفُسِهِمْ﴾ ''اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے''۔(توب ہ۲۰) انفال۷۲،۷۵،توبہ۱۹،بقرہ۲۱۸،توبہ

۸۸،نحل ۱۱۰۔

(۴)تقویٰ اپنانے والے:

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾ ”بلاشبہ تم میں زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے“۔(حجرات ۱۳)

(۵)شریعت کا علم رکھنے والے :

﴿اَوَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ اٰیَۃً اَنْ یَّعْلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ﴾ ”کیا نہیں ہے ان (اہل مکہ) کیلئے یہ کوئی دلیل کہ جانتے ہیں اسے علماء بنی اسرائیل“ (شعراء ۱۹۷) فاطر ۲۸۔

یہ وہ صفات ہیں جن کے حامل افراد نص قرآن کے تحت دوسروں پر فضیلت و برتری رکھتے ہیں اور دوسروں پر مقدم ہیں۔

۲۔خاص:

پیغمبر اسلامؐ کے مقام و منصب پر جانشین بننے والے افراد اس میں شامل ہیں جنہیں اس دور میں خلیفہ کہا جاتا تھا بعد میں انہیں سربراہ مملکت، امام اور امیر المومنین وغیرہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

خصوصی کے بارے میں نہج البلاغہ میں آیا ہے :

”دیکھو! اہل بیتؑ پیغمبرؐ پر نگاہ رکھو اور انھیں کے راستے کو اختیار کرو انھیں کے نقش قدم پر چلتے رہو“ [1]

مسلمان ایک دوسرے پر امتیاز اور ترجیح قائم کرنے کے عام و خاص اصول بیان کرنے کے بعد پیغمبرؐ کے جانشین کے انتخاب کے بارے میں کتنے مفروضے قابل عمل ہو سکتے ہیں عقل اور قرآن و سنت کی روشنی میں کونسا مفروضہ صحیح قرار پائے گا :

۱)۔اُمت کے رحم و کرم پر چھوڑا ہے:

یہ مفروضہ اسلام اور مسلمین کیلئے تا قیامت ایک صالح بہتر لائحہ عمل تھا اس کا کوئی نعم البدل نہیں تھا ان کا کہنا انسانوں کو اپنی تقدیر بنانے کا حق دینا چاہیے جسے آج کل آزادی اور خود مختاری کہتے ہیں۔

---

[1] [انظروا اھل بیت نبیکم فالزموا سمتھم و اتبعوا اثرھم (خطبہ ۹۷) خطبہ ۱۱۸، ۱۲۵، ۱۶۴، ۲۱۷، کتب ۴۸]

۲)۔نامزدگی :

جن کے نام بطور صراحت اعلان ہوں کسی کو بھی نام اور مراد میں جائے شک وتردید باقی نہ رہے جو کہ ناقابل تردید ہوں جسے منصوص من اللہ، منصوص من الرسولؐ کہا جاتا ہے۔

۳)۔پیغمبرؐ کی رہنمائی یا خواہش :

پیغمبر اسلامؐ کی دلی خواہش تھی کہ پہلے حضرت علیؑ ان کے بعد حضرات حسنینؑ اور پھر یکے بعد دیگر ائمہؑ کا انتخاب ہو جیسا کہ بارہا حضرت علیؑ کی شخصیت کو ممتاز اور اپنے جیتے ہونے کا اظہار کرنا علیؑ میں امامت کی صلاحیت موجود ہونے کے بارے میں اظہار فرمانا۔

۴)۔صفات خاصہ کا حامل ہونا:

اُمت میں سے صاحبِ علم ہمیشہ صاحبِ ایمان، تقویٰ، جہاد اور ہجرت جیسی خصوصیات رکھنے والی شخصیات کو خلیفہ انتخاب کیا جائے۔

۵)۔صلاحیت واہلیت کے بارے میں نبی کریمؐ کی رہنمائی :

یہ مفروضہ سابقہ چار مفروضوں کے مقابلے میں تاریخ بشریت میں اولیٰ وارفع مفروضہ ہے اگر اس پر امت عمل کرتی تو دنیا اس کا ثمر دیکھتی اس آیت کریمہ کا مصداق بن جاتی:

﴿ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوا ﴾ ''اس کا میوہ ہمیشگی والا ہے اور اس کا سایہ بھی۔ یہ ہے انجام پرہیزگاروں کا''۔ (رعد ۳۵) ابراہیم ۲۵۔

یہ مفروضہ قرآن اور سنت کی روش تاریخ کی روشنی میں تاریخ ادیان میں انوکھا غیر مسبوق نظریہ بلکہ نقباء اور اسباط کے عنوان تک جارہا ہے ان ذوات کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے میدانِ عمل میں ہمیشہ ترجیح اپنے حق سے زیادہ اسلام اور مسلمین کو دیں چنانچہ حضرتؑ سے لیکر آخرین آئمہؑ تک کسی نے بھی اپنے عزیز ترین خاندان کے افراد کا ساتھ نہیں دیا جیسے زیدیین اور حسنیین کے قیام سے واضح ہوتا ہے ذیل میں ہم ان پانچ مفروضوں پر بحث کریں گے۔

قرآن وسنت اور سیرت پیغمبرؐ کی روشنی میں آپ کی جانشینی کا انتخاب نہ امت کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا درست ہے اور نہ ہی انتخاب میں نص صریح ہونے کی ضرورت کا دعویٰ صحیح ہے جہاں تک خلافت کو امت کے رحم وکرم پر چھوڑنا غلط ہے اس کے چند دلائل ہیں :

**خلافت** : خلافت اسلام کے اصول وفروع کی محافظ ونگہدار اور اجرا کنندہ ہے۔

الف۔ اس بارے میں پیغمبرؐ نے کوئی ہدایت ورہبری اور رہنمائی نہ کی ہو یہ انتہائی بعید از قیاس ہے کیونکہ پیغمبرؐ کی طرف سے جسم پر خراش کی دیت تک بیان ہونے کا دعویٰ ہے لہٰذا قرآن وسنت اور سیرت پیغمبرؐ کی روشنی میں آپ کے جانشین کا انتخاب امت کے رحم وکرم پر چھوڑنا اس مفروضے کے غیر صالح بلکہ تالی فاسد ہونے کے مندرجہ ذیل شواہد ہے :

۱۔ جہاں خود پیغمبرؐ نے خارش کا دیۃ تک بتانے کا دعویٰ کیا ہو آپ کے خلیفہ وجانشین کے بارے میں کسی قسم کی ہدایت ورہبری اور رہنمائی نہ کی ہو یہ بات انتہائی بعید از قیاس ہوگی جس کی مثال مستحب کو بیان کر کے بڑے واجب کو چھوڑ دینے، کراہت کو بیان کر کے بڑے حرام کو چھوڑ دینے کی مانند ہوگی

۲۔ نبی اسلامؐ اور آپؐ کے لائے ہوئے دین میں خاندان وقبیلہ پرستی کا تصور ناپید ہے یہ سیاہ وسفید عرب وعجم تمام کیلئے یکساں ہے خاندان کا تصور قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں نہ ہونے کا اعلان کیا ہے :

﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّورِ فَلَآ اَنسَابَ بَیْنَهُمْ﴾ ''پھر جب پھونکا جائے گا صور تو نہ باقی رہیں گے رشتے ناتے ان کے درمیان''۔ (مومنون ۱۰۱)

۳۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اس دین میں ہر قسم کی قومی عصبیت کی خاتمے کا اعلان کیا ہے۔

۴۔ خاندان کا تصور علویین، صفویین، حسنیین، زیدیین اور بعد میں شاہان صفوی اور برصغیر میں نوابگان کا گھڑا ہوا ہے جسے آئمہ طاہرینؑ نے مسترد کیا ہے مولا امیر المومنین علیؑ کا فرمان ہے :

''پیغمبرؐ کا دوست وہی ہے جو ان کی اطاعت کرے، چاہے نسب کے اعتبار سے کسی قدر دور کیوں نہ ہو اور آپ کا دشمن وہی ہے جو آپ کی نافرمانی کرے چاہے قرابت کے اعتبار سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو''۔ [1]

۵۔ دین اسلام میں علیؑ، حضرات حسنینؑ سمیت بارہ اماموں کا مقام ہے نہ کہ علویوں، فاطمیون، حسنیوں، حسینیوں، زیدیوں کا نہ ہی شاہان اور نوابگان کا۔

---

[1] [ان ولی محمد من اطاع اللہ وان بعدت لحمتہ وان عدو محمد من عصی اللہ وان قربت قرابتہ (کلمات قصار ۹۶)]

۶۔اُمت کا یہ لائحہ عمل پیغمبرؐ کی وفات کے بعد تیس سال سے زیادہ عرصہ تک نہ چل سکا اور خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی۔

۷۔ خود خلفاء اس طریقہ انتخاب کو بہتر نہیں سمجھتے تھے چنانچہ پہلے خلیفہ کے بارے میں حضرت عمرؓ نے کہا یہ انتخاب ہنگامی صورتحال کی وجہ سے ہوا خدا نے ہمیں اس کے شر سے بچالیا ہمیں چاہیئے کہ آئندہ اس قسم کی غلطی اس جیسی شر سے اپنے آپ کو بچائیں۔

۸۔ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ دوم کے انتخاب میں متردد تھے۔

۹۔ حضرت عمرؓ نے نہ امت پر چھوڑنا مناسب سمجھا اور نہ منتخب کرنا مناسب سمجھا چنانچہ پریشان حال میں کمیٹی تشکیل دے دی۔

لہٰذا نص کے ذریعے انتخاب کرنے کا طریقہ اس نظریے کے خلاف ہے اس تصور سے اسلام میں اپنے شکم کے اندر تشویش ناک خدشات کے ساتھ حمل ٹھہرا ہے، اس فکر کے حامی اپنے دین کی بہتری و برتری کو دنیا کے دیگر اقوام وملل اور مذاہب کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہیں وہ اس مدعا کو ثابت کرنے کی بجائے گو نگے رہتے ہیں۔

جہاں تک خلفاء اور طریقہ انتخاب کی بات ہے تو ہمارا نقطہ نظر کچھ یوں ہے :

الف)۔عمل انتخاب کیلئے وحی یا امت کی طرف سے وضع کردہ کسی بھی ایک اصول پر عمل درآمد نہیں ہوا بلکہ ہر مرتبہ ایک نیا اصول وضع کیا گیا جس کے تحت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسلام میں انتخاب رہبری صرف اسی اصول کے مطابق ہوتا ہے، پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد خلیفہ کا انتخاب ہنگامی حالت کے تحت عمل میں لایا گیا۔ خلفاء کا دور خلافت دور رسالت سے قریب تھا اور خلفاء پیغمبرؐ کے ساتھیوں میں سے تھے جس کے باعث اُن کا دور بعد میں آنے والے ادوار سے ممتاز رہا یہی وجہ ہے کہ انھیں خلفائے راشدینؓ کہا گیا ہے۔

تینوں خلفاء ایک ترتیب کے تحت پہلے ایمان لانے اور ہجرت کرنے کے علاوہ نبی کریمؐ کے ساتھ آخری وقت تک رہنے والوں میں سے تھے لہٰذا اس بارے میں پس وپیش یا کوئی اور الزام تراشی کرنا حقیقت سے انحراف اور دعویٰ بلا دلیل ہوگا۔

ب)۔خلفاء کا انتخاب قرآن اور سیرت رسولؐ میں بیان کئے گئے معیارات اور امتیازات کا لحاظ پورا

کئے بغیر بقول خلیفہ دوئم ہنگامی حالات میں سادہ اور سرسری انداز میں کیا گیا اس کی وجہ سے ایک محدود عرصہ کے بعد برے اثرات مرتب ہوئے۔

## خلفاء کی سیرت کے بعض پہلوؤں پر ردّ عمل :

تاریخ کی کتب مصادر میں نقل مکرر و مسلسل کے مطابق خلفاء نبی کریمؐ پر ایمان لانے میں پہل کرنے والے، ہجرت کرنے میں سبقت اور غزوات میں شرکت کرنے والوں میں سے تھے تاہم پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد ان کی طرف سے منصب خلافت پر فائز ہونے کی خاطر اصول وضوابط کو یکسر نظر انداز کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے غیاب کے بعد دیگر انسانوں کی طرح ان کی خواہشات نے بھی سر اٹھایا اور یوں یہ لوگ خواہشات نفسانی کے طوفان پر قابو نہیں رکھ سکے۔ ایک طرف سے انھوں نے نبی کریمؐ پر ایمان لانے کیلئے اپنی جان ومال اور اہل وعیال کی پرواہ کئے بغیر سبقت لی اسی انداز سے اپنے خلیفہ انتخاب کرانے میں بھی پہل کی۔

ان کے آخر الذکر رویئے کو بنیاد بنا کر یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ ان لوگوں کو مسیلمہ کذاب جیسے تھے اور یہ کہیں کہ وہ منحرف پھر کافر و مرتد ہو گئے تھے جس کی وجہ سے لعن ونفرین کے مستحق قرار پا گئے اور انھیں سبّ و شتم کرنا قرآن اور سنت رسولؐ اور آئمہ طاہرینؑ کی سیرت کے سراسر خلاف ہے اگر یہ عمل قرآن وسنت کے مطابق ہے تو تمام برسر اقتدار افراد کو بیک وقت سبّ وشتم کا نشانہ کیوں نہیں بناتے ؟ اور پھر یہ کہنا پڑے گا کہ ہمارے مذہب کی جان وروح سبّ وشتم پر قائم ہے جبکہ ہم خلفاء پر لعن طعن کی مخالفت قرآن کریم کی آیات، مولا علیؑ کی کتاب نہج البلاغہ اور سیرت ائمہ طاہرینؑ کی روشنی میں کرتے ہیں لیکن اگر شیعہ عقائد قرآن وسنت اور نہج البلاغہ سے ہٹ کر یا ان سے مافوق ہونے کے بارے میں کوئی مستند اور بہتر مصادر ہیں تو انھیں منظر عام پر لایا جائیں۔ خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں اصول وضوابط قرآن وسنت اور سیرت پیغمبرؐ میں بطور فراوان منتشر ہیں جنھیں جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

## خلافت کے بارے میں نص صریح ہونے کا دعویٰ :

یعنی نبی کریمؐ نے حضرت علیؑ کو خلافت کیلئے پر نص صریح سے نامزد فرمایا یہ دعویٰ چند حوالوں سے مشکوک ہونے کے ساتھ بعض مسلمات وحقائق سے بھی متصادم ہے۔

۱)۔ خود نبی کریمؐ کی قولی و فعلی سیرت۔

۲)۔ اُمت مہاجرین و انصار میں ان نصوص کے بارے میں فہم و ادراک کا فقدان۔

۳)۔ اولادِ علیؑ کی طرف سے اس نص کو نظر انداز کرنا۔

۴)۔ خود حضرت علیؑ کا ان نصوص سے صرفِ نظر کرنا۔

۵)۔ پیغمبرؐ کی سیرت میں آپؐ کی رحلت سے قبل آپؐ کی طرف سے قلم و دوات کا طلب کیا جانا تا کہ امت کو ایسا تمسک دے دیں جس کی موجودگی میں امت اختلاف نہ کر پائے تاہم حضرت عمر بن خطابؓ کی مداخلت یا اعتراض کے باعث اُسے عملی جامہ نہیں پہنایا جاسکا یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبرؐ علیؑ کی شان میں پہلے بتائے گئے فضائل یا اشاروں کو علیؑ کی خلافت کیلئے نص نہیں سمجھتے تھے۔

۶)۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے خطبات :

جن نکات کو حضرت زہراؑ نے اٹھایا ہے اور وہ خطبہ جو آپؑ نے انصار و مہاجرین سے خطاب کر کے فرمایا ہے ان سب میں اہلیت اور صلاحیت حضرت علیؑ کو اٹھایا ہے نہ کہ نص کو۔

۷)۔ نص اُسے کہتے ہیں جہاں کلام کے بارے میں سامعین کے ذہنوں میں کسی قسم کے شکوک و شبہات نہ ہوں، اسی طرح کسی اور معنی یا مقصد کی طرف ذہن منتقل نہ ہوتا ہو اور معانی کو اخذ کرنا سب کیلئے یکساں ہو۔

اب ہم مولا امیر المومنینؑ کی جانشینی کے بارے میں دعویٰ نصِ صریح کے عناصر ترکیبی بیان کرتے ہیں :

نصِ انتخاب اہل بیتؑ میں سے خاص افراد کا منصوص ہونے کے نظریئے کی خامیاں :

اسلام میں پیغمبر اسلامؐ کے بعد صرف اور صرف منصوص ہی کے ذریعے انتخاب ہونے کا نظریہ چند ین حوالوں سے ناقص اور مخدوش نظر آتا ہے۔

۱)۔ اگر خلافت کو علیؑ اور اولادِ علیؑ میں بارہ (۱۲) تک کیلئے قیادت و رہبری کو نص صریح سے محدود قرار دے دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام میں نظامِ رہبری صرف ڈھائی سو (۲۵۰) ہجری تک کیلئے مخصوص تھا تو اس کے بعد یہ نظام اصول و ضوابط کا دائرہ نہ ہونے کی وجہ سے بے لجام چھوڑ دیا جائے گا، یوں اسلامی معاشرہ بے لجام درندہ کی صورت اختیار کر لے گا۔

یہاں پہلے مفروضہ سے اتنا فرق ہوگا کہ پہلے مرحلے میں پیغمبر اسلامؐ کے فوراً بعد امت پر چھوڑا ہے جبکہ دوسرے نظریئے کے تحت ۲۶۰ سال گزرنے کے بعد امت کے رحم وکرم پر چھوڑا ہے لہٰذا یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ نصِ صریح کا غالیوں نے ڈھنڈورا پیٹا ہے جو کہ ایک سازش کا حصہ ہے تا کہ اسلام کے بارے میں صحیح قیادت ورہبری کے خواب کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا جائے۔

اسلام ایک دین دائمی وجاوید دین ہے جو قیام قیامت تک کیلئے ہے لہٰذا اس کے لئے رہبری بھی قیام قیامت تک کیلئے ہونی چاہیے۔ یہ ایسی صورت میں ممکن ہے جب قیادت ورہبری افضلیت، اہلیت وصلاحیت کی بنیاد پر ہو اور مدعائے رہبری کے دلائل وشواہد قرآنی سے جو قرآن میں منتشر ہیں اور انھیں جمع کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ اس سلسلے میں اہل تشیع کے مایہ ناز اور مذہب اہل بیتؑ کے حق میں دفاع کرنے والی شخصیات کے بیانات دلائل الصدق اور احقاق الحق میں ملاحظہ کریں جو تمام کے تمام علیؑ کی اہلیت وصلاحیت کے بارے میں ہیں نہ نص کے بارے میں ہیں کہ آپ منصب خلافت کیلئے سب سے زیادہ لائق وسزاوار تھے۔

۲)۔ حضرت علیؑ کا تیسرے مرحلے پر چھ رکنی شوریٰ میں بحیثیت امیدوار شامل ہونا ہے اس کی دوسری دلیل خود علیؑ کا چوتھا خلیفہ بننے کیلئے راضی ہونا ہے، اگر خلافت پہلے تین ادوار میں نا قابل قبول، باطل اور غصب در غصب کی بنیاد پر قائم ہوتی تو تیسری خلافت کیلئے کوشش نہ کرتے اور چوتھی کو قبول نہ کرتے یوں چوتھی خلافت کو قبول کرنا غصب در غصب کے نظام کو دوام دینے کے مترادف ہوگا بلکہ مہر صحت ثبت کرنے کے برابر ہوگا۔

۳)۔ خود علیؑ کا چوتھی نوبت پر اس منصب کو قبول کرنا اس غاصبانہ طریقے کو جواز بخشنا یا توثیق وتائید کرنے کے مترادف تھا اگر ایسا ہے۔

۴)۔ گذشتہ وحاضر ارباب استبداد وآمروں کے نظریات اور اس نظریہ کے درمیان فرق وامتیاز کیسے کیا جائے گا، اگر اقتدار مل جائے تو ٹھیک ورنہ اس سے ساز باز بھی کریں یہ وہی نظریہ میکاولی ہے اس سے علیؑ کی شان کو بڑا دھچکا لگے گا۔

۵)۔ اُمتِ رسولؐ کا اکثر وبیشتر حصہ مہاجرین وانصار :

جن میں سے کسی ایک نے بھی انتخاب جانشین رسول اللہؐ کے موقع پر (سقیفہ بنی ساعدہ) نص کونظرانداز کرنے پر آواز بلند نہیں کی۔

الف۔انصار : اگر انصارا سے نص صریح سمجھتے تو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع نہ ہوتے اور انصار یوں میں سے کسی کے انتخاب پر اتفاق نہ کرتے بالفرض اگر انصار میں قوم پرستی کے داعی موجود تھے تو اسلام کے شیدائی بھی موجود تھے اسلام، پیغمبر اسلام اور خود مولا علیؑ کے چاہنے والے ان میں موجود تھے۔ سقیفہ میں کسی نے بھی نص صریح کو زبانی طور پر کیوں نہیں دہرایا۔

ب۔مہاجرین : مہاجرین نے اس منصب کو تمام مہاجرین کا حق قرار دیا کیونکہ مہاجرین میں قریش بھی تھے جن کا خاندان پیغمبرؐ کا خاندان تھا لیکن انھوں نے مہاجرین میں سے بھی لائق وسزاوار لوگوں کو پیش کیا جیسا علی بن ابی طالبؑ ،ابوبکرؓ،عبیدہ بن الجراح اور حضرت عمرؓ وغیرہ انہوں نے انصار کے سامنے کہا کیا ایسی ہستیاں تمہارے درمیان موجود ہیں۔

۶)۔اہل بیت علیہم السلام :

اگر یہ نص کسی اور کیلئے مبہم ومجمل اور مخفی تھی تو خود اہل بیتؑ اور ان کے چاہنے والوں سے تو نہیں ہونی چاہیے تھی امامت وقیادت کے حوالے سے حضرت علیؑ کے بعد مندرجہ ذیل خاندان اہل بیت سے افراد نے دعوائے امامت کیا:

۱۔زید بن علی بن الحسینؑ نے امام جعفر صادقؑ کے مقابلے میں دعوائے امامت کیا۔

۲۔عبداللہ محض جو کہ ماں کی طرف سے امام حسینؑ کے نواسے ہیں باپ کی طرف سے امام حسینؑ کے پوتے تھے نے بیک وقت اپنے دو بیٹے محمد اور ابراہیم کیلئے امامت کا اعلان کیا۔

۳۔عبداللہ افطح نے امام جعفر صادقؑ کے بعد اپنے لئے دعویٰ کیا۔

اگر نص صریح ہوتی تو کم سے کم گھر کے افراد اس منصب کیلئے دعوے دار نہ بنتے اور خود آئمہؑ ان کے خلاف نص کو اٹھاتے۔

۷)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

خود رسول اللہؐ غدیر خم میں فرمائے گئے کلمات پر مطمئن تھے اور علیؑ کی جانشینی کیلئے بیان کردہ خطاب شافی وکافی تھا جس کیلئے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں تھی؟ اگر ایسا تھا تو پیغمبرؐ نے اپنی رحلت کے موقع پر قلم ودوات لانے کیلئے کیوں اصرار کیا؟ اور نہ لانے کی وجہ سے ناراض ہوئے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا سابقہ فرمان نص صریح نہیں تھا؟۔

پیغمبرؐ کی طرف سے قرطاس کا مطالبہ اس لئے تھا تا کہ امت کو ایسا تمسک دے دیں جس کی موجودگی میں اُمت اختلاف کا شکار نہ ہوتا ہم حضرت عمرؓ کی مداخلت اور اعتراض کے باعث اُسے عملی جامہ نہ پہنایا جاسکا۔

۸)۔ خود حضرت علیؑ نے اہل مصر کی طرف لکھے گئے خط میں تحریر فرمایا کہ میرے وہم وخیال بھی نہیں تھا کہ خلافت ہم سے چھین لی جائے گی اور ہماری جگہ کسی اور کا انتخاب ہوگا یعنی آپ نے اپنے خط میں نصِ صریح کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

۹)۔ جہاں تک امت کی بات ہے، امت میں علیؑ اور آپؑ کے قلیل حامیوں کے سوا انصار ومہاجر غرض ہر ایک اپنے ہی قبیلے سے خلیفہ کے انتخاب کیلئے خواہان وکوشاں تھے آپس میں اختلاف کے باوجود اس بارے میں کسی نے آواز نہیں اٹھائی کہ خلافت کے حوالے سے موجود نص کو نظر انداز کیا گیا۔

**خلفاء کے انتخاب کو نص پر استوار کر کے بیعت کے کردار کی نفی کرنا :**

خلافت کے تعین میں نص کو بنیاد بنا کر بیعت کے کردار کو ردّ کیا جانا ہر لحاظ اور زاویے سے مخدوش اور مذموم عزائم کا حصہ ہے یہ نظریہ بہت سے شرعی اور عقلی حقائق کے علاوہ خود آئمہ طاہرینؑ کی سیرت قولی وفعلی سے متصادم ہے جس کا ہم ذیل میں تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں :

ا۔ اگر خلافت کا تعین نص سے ہونا طے ہے اور بیعت کا اس میں کوئی کردار نہیں ہے تو یہ جبری طور پر مسلط کی گئی اطاعت ہوگی جو کہ قرآن کی درج ذیل آیت کے خلاف ہے :

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ ''نہیں کوئی زبردستی دین کے معاملے میں'' (بقرہ ۲۵۶)

خود پیغمبرؐ سے خدا نے فرمایا کہ آپ انھیں مجبور نہیں کر سکتے ہیں :

﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ '' تو کیا تم زبردستی کرو گے

انسانوں پر تا کہ ہو جائیں وہ مومن؟'' (یونس ۹۹)

اس طرح سے لوگوں کی طرف سے حضرت علیؑ کی بیعت نہ کرنا بھی کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ حضرت علیؑ کی بیعت کرنے کے حوالے سے ان پر کوئی شرعی فرض عائد نہیں ہوتا اور اس بارے میں انھیں کوئی پریشانی نہیں، جب پریشانی نہیں تو کوئی مذمت بھی نہیں۔

جبکہ حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کے صحیح ہونے کی دلیل لوگوں کی قرار دیتے ہیں آپؑ فرماتے ہیں:

۱۔ جن لوگوں نے پہلے تین خلفاء کی بیعت کی انہوں نے ہی میری بیعت کی:

''دیکھو میری بیعت اسی قوم نے کی ہے جس نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی بیعت کی تھی'' [۱]

۲۔ لوگوں نے بغیر کسی جبر و اکراہ کے میری بیعت کی:

''جس کے بعد لوگوں نے میری بیعت کی جس میں نہ کوئی جبر تھا اور نہ اکراہ، بلکہ سب کے سب اطاعت گذار تھے اور خود مختار''۔ [۲]

۳۔ لوگوں نے کسی کے دباؤ میں آ کر میری بیعت نہیں کی، لوگوں نے خوشی سے میری بیعت کی:

''تم لوگ ''کل'' بیعت بیعت کا شور مچاتے ہوئے میری طرف اس طرح آئے تھے جس طرح نئی جننے والی اونٹنی اپنے بچوں کی طرف دوڑتی ہے''۔ [۳]

۴۔ میں نے کسی سے بیعت طلب نہیں کی بلکہ لوگوں نے میری بیعت کی:

''اور میں نے بیعت کیلئے اقدام نہیں کیا ہے جب تک انھوں نے بیعت کرنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا ہے'' [۴] ''دیکھ یہ بیعت ایک مرتبہ ہوتی ہے جس کے بعد کسی کو نظر ثانی کا حق نہیں ہے''۔ [۵]

---

[۱] [انه بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علیٰ مابایعوهم علیه (نہج البلاغہ کتب ۶ جوادی ص ۴۸۸)] [۲] [وبایعنی الناس غیر مستکرهین ولا مجبرین بل طائعین مخیرین (نہج البلاغہ کتب ۱ جوادی ص ۴۸۲)] [۳] [فاقبلتم الی اقبال العوذ المطافیل علیٰ اولادها تقولون: البیعة البیعة (نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۷ جوادی ص ۲۶۰۔ خطبہ ۲۲۹)] [۴] [ولم ابایعهم حتیٰ بایعونی وانکما ممّن ارادنی وبایعنی وان العامة لم تبایعنی (نہج البلاغہ کتب ۵۴ جوادی ص ۵۹۶)] [۵] [لانها بیعة واحدة لا یثنیٰ فیها النظر (نہج البلاغہ کتب ۷ جوادی ص ۴۸۸)]

۵۔میرے ذمہ پر دوسروں کی بیعت تھی :

''اور میری گردن میں حضرت کے عہد کا طوق پہلے سے پڑا ہوا تھا''۔[۱]

دوسروں کے ذمہ آپ کا بیعت تھا:

''اور میرا حق تمہارے اوپر یہ ہے کہ بیعت کا حق ادا کرو''۔[۲]

۶۔طلحہ وزبیر سے احتجاج کر کے فرمایا کہ تم لوگوں نے پہلے میری بیعت کی اس لئے اسے توڑا نہیں جاتا:

''پس اگر تم دونوں نے میری بیعت اپنی خوشی سے کی تھی تو اب خدا کی طرف رجوع کرو اور فوراً توبہ کرلو''۔[۳]

۷۔زبیر سے فرمایا کہ تم نے اپنے ہی ہاتھوں میری بیعت کی:

''زبیر کا خیال یہ ہے کہ اس نے صرف ہاتھ سے میری بیعت کی ہے اور دل سے بیعت نہیں کی ہے''۔[۴]

۸۔ مروان سے فرمایا کہ تم نے عثمانؓ کے قتل کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی:

''کیا اس نے قتل عثمانؓ کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی؟ مجھے اس کی بیعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔[۵]

۹۔لوگوں سے کہا گیا کہ میرے لئے تمہاری بیعت اچانک اور ہنگامی صورت نہیں تھی :

''میرے ہاتھوں پر تمہاری بیعت کوئی ناگہانی حادثہ نہیں ہے اور میرا اور تمہارا معاملہ ایک جیسا بھی نہیں ہے''۔[۶]

۱۰۔ آپؑ نے خلفاء کے بیعت کا ذکر کیا :

''اور تمہارا یہ کہنا کہ میں اس طرح کھینچا جارہا تھا جس طرح نکیل ڈال کر اونٹ

---

[۱] [واذاالمیثاق فی عنقی لغیری (نہج البلاغہ خطبہ ۳۷/۴ جوادی ص ۹۰)] [۲] [واماحقی علیکم والوفاء بالبیعة (نہج البلاغہ خطبہ ۳۴ جوادی ص ۸۶)] [۳] [کنتمابایعتمانی طائعین فارجعاوتوباالیٰ اللہ من قریب (نہج البلاغہ کتب ۵۴ جوادی ص ۵۹۷)] [۴] [یزعم انہ قدبایع بیدہ ولم یبایع بقلبہ (نہج البلاغہ خطبہ ۸ جوادی ص ۴۸)] [۵] [اولم یبایعنی بعدقتل عثمان ؟لاحاجةلی فی بیعة (نہج البلاغہ خطبہ ۷۳ جوادی ص ۱۲۴)] [۶] [لم تکن بیعتکم ایای فلتةولیس امری وامرکم واحداً (نہج البلاغہ خطبہ ۱۳۶ جوادی ص ۲۵۸)]

کو کھینچا جاتا ہے تا کہ مجھ سے بیعت لی جائے تو خدا کی قسم تم نے میری مذمت کرنا چاہی اور نادانستہ طور پر تعریف کر بیٹھے"۔ [1]

۱۱۔ آپؑ نے معاویہ سے اپنے لئے بیعت کا مطالبہ فرمایا :

"اب مناسب یہی ہے کہ اپنے یہاں کے لوگوں سے میری بیعت لے لو اور سب کو لے کر میرے پاس حاضر ہو جاؤ"۔ [2]

## خلافت اہلیت وصلاحیت کی بنیاد پر قائم ہے

### صفات اور پیغمبر اسلام کی خواہش :

صفات حمیدہ و جمیلہ کے حامل افراد کو پیغمبرؐ کی خواہش کے مطابق منتخب کیا جائے تا کہ خلافت اسلام کے اصول وفروع کے محافظ ونگہدار اور اجراء کنندہ ثابت ہو سکیں۔

۱)۔ نبی کریمؐ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے کئی بار اور خاص کر غدیر خم کے موقع پر ایک عظیم الشان اجتماع میں حضرت علیؑ کو اپنے بعد بطور اپنا جانشین پیش کرنے کا اعلان ان الفاظ و کلمات میں کیا :

[من کنت مولا فھٰذا علی مولا] جو اپنی جگہ نص صریح اور نا قابل تشکیک وتردید ہے۔

۲)۔ حضرت علیؑ نے اپنے ایک خط میں مصر والوں کے نام تحریر فرمایا کہ میں بہت پُر امید تھا کہ امت اسلامی خلیفہ کیلئے میرے علاوہ کسی اور کا انتخاب نہیں کرے گی لیکن ایسا نہیں ہوا لہٰذا میں نے اپنی اقتدار کی خاطر اسلام و مسلمین کو داؤ پر لگانے اور خطرے میں ڈالنا پسند نہیں کیا اور لوگوں کے ساتھ نرم رویہ رکھا :

"یہ بات میرے خیال میں بھی نہ تھی اور نہ میرے دل سے گزری تھی کہ عرب اس منصب کو اہل بیتؑ سے اس طرح موڑ دیں گے اور مجھ سے اس طرح دور کر دیں

---

[1] [انی کنت اقاد کمایقاد الجمل المخشوش حتیٰ ابایع ولعمر اللہ لقد اردت ان تذم فمدحت وان تفضح فافتضحت (نہج البلاغہ کتب ۲۸ جوادی ص ۵۱۸ کتب ۵۴)]

[2] [فبایع من قبلک واقبل الی فی وفد اصحابک (نہج البلاغہ کتب ۷۵ جوادی ص ۶۲۲ کتب ۸)]

گے کہ میں نے اچانک یہ دیکھا کہ لوگ فلاں شخص کی بیعت کیلئے ٹوٹے پڑ رہے ہیں تو میں نے اپنے ہاتھ کو روک لیا یہاں تک کہ یہ دیکھا کہ لوگ دین اسلام سے واپس جارہے ہیں اور پیغمبر کے قانون کو برباد کردینا چاہتے ہیں تو مجھے یہ خوف پیدا ہوگیا کہ اگر اس رخنہ اور بربادی کو دیکھنے کے بعد بھی میں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد نہ کی تو اس کی مصیبت روز قیامت اس سے زیادہ عظیم ہوگی جو آج اس حکومت کے چلے جانے سے سامنے آرہی ہے جو صرف چند دن رہنے والی ہے اور ایک دن اسی طرح ختم ہوجائے گی جس طرح سراب کی چمک دمک ختم ہوجاتی ہے یا آسمان کے بادل چھٹ جاتے ہیں تو میں نے ان حالات میں قیام کیا یہاں تک کہ باطل زائل ہوگیا اور دین مطمئن ہوکر اپنی جگہ پر ثابت ہوگیا''۔[1]

صلاحیت واہلیت خلافت کے حامل افراد کی طرف سے نشاندہی ہوجانے کے بعد اس کی روشنی میں امت خلیفۃ الرسول ؐ کا انتخاب کرے گی یہ طریقہ قیام قیامت تک جاری رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس میں کسی قسم کا اشکال اور اعتراض نہیں ہے آیئے دیکھتے ہیں :

''تمہیں معلوم ہے کہ میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں اور خدا گواہ ہے کہ میں اس وقت تک حالات کا ساتھ دیتا رہوں گا جب تک مسلمانوں کے مسائل ٹھیک رہیں اور ظلم صرف میری ذات تک محدود رہے تاکہ میں اس کا اجر وثواب حاصل کرسکوں اور اس زیب وزینت دنیا سے اپنی بے نیازی کا اظہار کر

---

[1] [ماکان یلقیٰ فی روعی ولایخطر ببالی ان العرب تزعج ھٰذاالامر من بعدہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن اھل بیتہ ولاانھم منحوہ عنی من بعدہ إفماراعنی الاانثیال الناس علیٰ فلانٍ یبایعونہ فامسکت یدی حتیٰ رأت راجعۃالناس قدرجعت عن الاسلام یدعون الیٰ محق دین محمدٍصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فخشیت ان لم انصر الاسلام واھلہ ان اریٰ فیہ ثلماًاوھدماًتکون المصیبۃبہ علی اعظم من فوت ولایتکم التی انماھی متاع ایام قلائل یزول منھاماکان کمایزول السراب اوکمایتقشع السحاب فنھضت فی تلک الاحداث حتیٰ زاح الباطل وزھق واطمأن الدین وتنھنۃ (نہج البلاغہ کتب ۶۲، جوادی ص ۶۰۴)]

سکوں جس کیلئے تم سب مرے جارہے ہو"۔ ۱

"(یادرکھو) کہ مجھ سے پہلے حق کی دعوت دینے والا صلۂ رحم کرنے والا اور جود وکرم کا مظاہرہ کرنے والا کوئی نہ ہوگا"۔ ۲

۳)۔ حضرت علیؑ کا غیر منصوص افراد کے ساتھ چھ رکنی شوریٰ میں شرکت کرنا اور اس فیصلے کو تسلیم کرنا:

حضرت علی بن ابی طالبؑ کے منصب خلافت کیلئے دوسروں پر مقدم ہونے کے بارے میں جن دلائل سے آپؑ اور دیگر آئمہ طاہرینؑ نے استدلال کیا ہے، ان میں سے کوئی بھی فضیلت نص کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس منصب کیلئے لائق وسزاوار ہونے اور صلاحیت واہلیت کی بنیاد پر ہے۔

۴)۔ اسی طرح علمائے برجستہ نے بھی استدلال نص صریح سے نہیں بلکہ اہلیت وصلاحیت کی بنیاد پر کیا ہے اس سلسلے میں سب سے زیادہ اور سب سے پہلے استدلال کرنے والی شخصیت علامہ حلی علیہ الرحمہ ہیں جنھوں نے جتنی آیات وروایات سے استدلال کیا ہے وہ اہلیت وصلاحیت کی بنیاد پر ہیں لہٰذا اہلیت، صلاحیت اور افضلیت جو عقلی ومنطقی اور سینکڑوں شرعی دلائل کا حامل نظامِ دائم وجاوید ہے جبکہ اس کیلئے نسب در نسب سے استدلال کرنا شیعہ مذہب کو لنگڑا، پابرہنہ اور دوسروں کیلئے ناقابل فہم ودرک بنانا ہے جو کہ ایک بڑی سازش اور دین کے ساتھ خیانت ہے۔

"حالانکہ اسے معلوم ہے کہ خلافت کی چکی کیلئے میری حیثیت مرکزی کیل کی ہے علم کا سیلاب میری ذات سے گذر کر نیچے جاتا ہے اور میری بلندی تک کسی کا طائر فکر بھی پرواز نہیں کرسکتا ہے" ۳

"یہاں تک کہ وہ بھی اپنے راستہ سے چلا گیا لیکن خلافت کو ایک جماعت میں

---

۱ [لقدعلمتم انی احق الناس بهامن غیری ووالله لأسلمن ماسلمت امور المسلمین ولم یکن فیهاجور الاعلی خاصة التماساً لأجر ذلک وفضله وزهداً فیماتنافستموه من زخرفه وزبرجه (نہج البلاغہ خطبہ ۷۴، جوادی ص ۱۲۵)] ۲ [لن یسرع احدقبلی الیٰ دعوة حق وصیلة رحم وعائدة کرم فاسمعوا قولی وعوا منطقی (نہج البلاغہ قصار ۱۳۹ جوادی ص ۲۶۳)]

۳ [وانه لیعلم ان محلی منهامحل القطب من الرحاینحدرعنی السیل ولایرقیٰ الی الطیر (نہج البلاغہ خطبہ ۳ جوادی ص ۳۹ بحار الانوار ج ۲۸ ص ۱۸۶)]

قرار دے گیا جن میں ایک مجھے بھی شمار کر گیا جب کہ میرا اس شوریٰ سے کیا تعلق تھا؟ مجھ میں پہلے دن کون سا عیب و ریب تھا کہ آج مجھے ایسے لوگوں کے ساتھ ملایا جا رہا ہے" [1]

امام حسینؑ کا خط اشراف بصرہ کے نام :

"خداوند متعال نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مخلوقات میں سے منتخب کیا اور انھیں نبوت و رسالت سے نوازا اور جب تبلیغ رسالت اپنے اختتام کو پہنچی تو انھیں اپنی طرف بلایا اس وقت ہم ان کے اہل، ولی وصی اور وارث تھے اور ان کی جانشینی کیلئے ہم دوسروں سے زیادہ حقدار و سزاوار تھے لیکن ہماری قوم نے ہم پر سبقت کی ہم اس پر راضی ہوئے اور تفرقہ سے کراہت کی اور عافیت کو پسند کیا درحالاں کہ اس مقام کیلئے ہم دوسروں سے زیادہ اس مقام کے متعلق و سزاوار تھے"۔ [2]

۵)۔ امیر المومنینؑ اور آپ کے فرزندان طاہرینؑ میں سے کسی نے بھی خلفائے راشدہؓ کو غاصب قرار نہیں دیا ہے بلکہ ان کے اس بارے میں کلمات یہ تھے کہ ہم اس منصب کے کیلئے لائق و سزاوار تھے، ہم پر اُمید تھے کہ یہ حق ہمیں ہی ملے گا لیکن ہمیں اس سے محروم رکھا گیا غصب خلافت کیلئے سب سے زیادہ محکم دلیل نہج البلاغہ کے خطبہ ۳ کو پیش کرتے ہیں۔ نہج البلاغہ کی تیسرے خطبے کو بعض اہل سنت والجماعت خلفاء کی تنقید پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حضرت علیؑ کے فرمان ہونے سے انکار کر کے شریف رضی کی جعل بتاتے ہیں جبکہ اہل تشیع نے اس خطبے سے خلفاء کی طرف سے غصب خلافت اور اسلام سے انحراف پر استدلال کیا ہے جبکہ خطبہ کے کلمات اپنی جگہ حقائق پر مشتمل ہیں یہاں حضرت کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت اہلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر منتخب نہیں کی گئی اس میں اصول کو نظر انداز کیا گیا ہے آپ نے کہا کہ میں نے اسلام کی خاطر ہر قسم کے صبر و تحمل کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اسی خطبے کے کلمات نص پر نہیں بلکہ صلاحیت اور اہلیت پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"اور ایسے امر کو طلب کیا ہے جس کے نہ اہل ہو اور نہ اس سے تمہارا کوئی بنیادی لگاؤ ہے"۔ [2]

---

[1] [حتیٰ اذامضیٰ لسبیله جعلهافی جماعةزعم انی احدهم فیاللهوللشوری متیٰ اعترض الریب فی مع الاول منهم (نہج البلاغہ خطبہ ۳ جوادی ۴۰)] [2] [نفس المہموم تالیف محدث قمی، ص ۸۳] [2] [وطلبت امر الست من اهله ولا فی معدنه (نہج البلاغہ کتب ۶۳ جوادی ۶۱۰)]

خلافت اسلامی :

۶)۔ حضرت علیؑ اپنے آپ کو اہلیت اور صلاحیت کے بنا پر اسلام کے نظام کو چلانے کیلئے حقدار سمجھتے تھے نہج البلاغہ خطبہ ۶۷ میں آیا ہے کہ جب حضرتؑ کو سقیفہ کے فیصلے کے بارے میں بتایا جانے لگا تو آپؑ نے پوچھا کہ انصار نے کیا دلیل پیش کی تو لوگوں نے بتایا کہ ان کا کہنا ہے کہ ایک امیر ہمارا ہوگا اور ایک تمہارا، تو آپؑ نے ان کے موقف کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ کیا پیغمبرؐ نے ان کے بارے میں امت کو سفارش نہیں کی تھی کہ اچھے لوگوں اور نیک کرداروں کے ساتھ حسن سلوک اور خطا کاروں سے عفو درگزر کریں۔

اگر یہ لوگ خود خلافت کے حقدار بن سکتے تھے تو ان کے بارے میں سفارش نہیں کرتے، اس کے بعد آپؑ نے پھر پوچھا کہ قریش نے کیا کہا تو آپ کو بتایا گیا کہ ان لوگوں نے خود رسولؐ کے خاندان سے ہونے کو یعنی اپنے آپ کو رسولؐ کے شجرہ سے ثابت کیا تو آپ نے فرمایا افسوس کہ ان لوگوں نے شجرہ سے استدلال کیا اور ثمرہ کو ضائع کر دیا۔

آپؑ کا یہ خطبہ اپنی جگہ اہلیت کی طرف دلیل ہے کہ وہ خلافت کے اہل تھے۔ حضرت خلافت کیلئے ہمیشہ اپنی صلاحیت و اہلیت پر اعتماد کرتے تھے۔

## اسلامی نظام سیاست :

پچھلی چند ایک صدیوں سے اسلام کے نظام سیاست کے بارے میں مسلمانوں میں انتہائی شد و مد اور ناقابل افہام و تفہیم اختلافات پائے جاتے ہیں ایک فریق کا کہنا ہے کہ دنیا میں نظام خلافت چلے گی تو دوسرے کا اس بات پر اصرار ہوتا ہے کہ اسلام میں خلافت نہیں بلکہ نظام امامت ہی ہونی چاہئے۔

اس معاملے میں اختلاف کی مثال حیوانات کی حکایات والی کتابوں میں موجود حکایتوں اور کہانیوں سے مختلف نہیں، مثلاً ایک واقعہ میں کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک مردہ جانور پر دو شکاری میں اختلاف پیدا ہو گیا اس موقع پر ایک شکاری نے کہا کہ یہ جانور میرے حصے میں آیا ہے جبکہ دوسرے کا کہنا تھا کہ یہ اس کا حق بنتا ہے یہ دونوں ثالثی کی غرض سے قاضی کے پاس جا پہنچے، قاضی نے عادلانہ فیصلہ کرنے کیلئے اس جانور کے گوشت کو تقسیم کر کے ترازو میں ڈال دیا اور جب ایک طرف کا پلّہ بھاری ہوتا تو وہاں سے گوشت کاٹ

کر اپنے کھاتے میں ڈال دیتا اور دوسرا پلّہ بھاری ہونے پر یہی عمل دھراتا تھا اور یوں گوشت ختم ہو گیا، دونوں شکاری جانور کے گوشت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور خالی ہاتھ چل پڑے، آجکل مسلمانوں کے دونوں فرقوں کا حشر بھی ایسا ہی ہو رہا ہے۔

دور حاضر کے قاضی و مسلطین بھی کبھی امامت والوں کو اٹھا کر خلافت کے قائل حلقے کو ردّ کرتے ہیں تو کبھی خلافت کو اہمیت دے کر امامت والوں کو مسترد کرتے ہیں اس طرح حقیقی دین ان سے جاتا رہتا ہے۔

دونوں کی محرومیت کا سبب قاضی نہیں بلکہ دونوں کا دین کے بارے میں موقف کا مستند نہ ہونا ہے اسلام میں نظام خلافت ہے نہ امامت بلکہ اسلام حضرت محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کا نام ہے لہٰذا دین کا نظام قرآن کریم اور سنت رسولؐ کے تحت چلے گا۔ اگر کوئی شخص جو خود کو حقیقی مسلمان کے طور پر پیش کرتا ہے اور اپنے دل میں کفر چھپا کے رکھتا ہو تو وہ نظام خلافت و امامت کو تو مسترد کر سکتا ہے مگر اسلام یعنی دینِ محمدؐ کو ردّ نہیں کرے گا لیکن اگر اسلام پر بھی لب کھولنے کی کوشش کرے گا تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے اندر چھپے کفر نے سر اٹھایا ہے۔ اسلام نہیں چاہئے کہنے والے اور اس میں اگر مگر لگانے والوں میں (کہ اسلام کا ایک حصہ کارآمد ہے اور دوسرا ناقابل عمل ہے) کوئی فرق نہیں بلکہ دونوں ایک جیسے ہیں۔

## خلافت اسلامی کا انتخاب :

خلافت اسلامی کیلئے افراد کا انتخاب اعلیٰ وارفع اقدار اسلامی پر ہونے کے بارے میں کچھ بیان کرنے کے موقع پر ہمارے اوپر پڑنے والی مصیبت کے ایک قطعہ مرثیہ کو نثر کی صورت میں پیش کرنا مناسب اور ضروری سمجھتا ہوں ولایت فقیہ جو کہ خلافت اسلامی کا ایک متبادل نظام ہے جسے پہلی بار امام خمینیؒ نے دنیا کو متعارف کرایا جو اس سے قبل ترکیبی صورت میں رائج نہیں تھا، اس نظام کے بارے میں نفسیاتی طور پر ہمیں گھیرنے والے مسائل میں ایک مسئلہ خود ولایت فقیہ ہے جسے بعض حلقوں نے ایران کے نظام حکومت کا نام دیا تو بعض نے اسے شیعوں کا نظریۂ حکومت قرار دیا اسی طرح ایک حلقے نے اسے نظریۂ منصوص من اللہ و رسول سے متصادم گردانا اور اس کی مخالفت پر اصرار کیا جبکہ کچھ دیگر لوگوں نے ان نظریات کے مدمقابل اسے غیر معقول اور غیر شرعی طریقے سے اٹھانے اور پرچار کرنے کی مہم چلا رکھی ہے، یہ گروہ ولایت فقیہ کے بارے میں وہی تصور پیش کر رہا ہے جسے انھوں نے پچھلے ایک عرصے سے امام مہدیؑ کے بارے میں قائم کیا

ہوا ہے ہم نے درج بالا حلقوں کے افراط وتفریط پر مبنی نظریات سے ہٹ کر ولایت فقیہ کے حقیقی یعنی عقلی اور شرعی تصور کو اپنی کتاب ''شکوہ جواب شکوہ'' میں پیش کیا ہے جو کہ میرے لئے مزید چہ مگوئیوں کی صورت میں گھیراؤ کا سبب بنا لہٰذا یہاں اس بارے میں مزید وضاحت پیش کر کے قارئین کو زحمت دینا چاہوں۔

## دنیا سے رخصتی کے موقع پر حضرت زہراؑ کی ناراضگی :

حضرت زہرا مرضیہؑ نبی کریمؐ کی عزیز اور چہیتی بیٹی ہونے پر امت اسلامی میں کسی کو اختلاف نہیں اس سلسلے میں نبی کریمؐ سے منقول روایتیں بھی آپ کی شان و مرتبے میں اضافے کا باعث ہیں اس بارے میں کسی نتیجے تک پہنچنے سے پہلے اس تصور سے متعلق تمام مفروضے کو بحث و تمحیص کے کٹہرے میں لانا ہوگا مثلاً:

(۱)۔ حضرت زہرا مرضیہؑ بعض لوگوں سے ناراض تھیں اور ناراضگی کی حالت میں دنیا سے چلی گئیں یہ بات اپنی جگہ درست اور قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپؑ کی نماز جنازہ اجتماعی طور پر نہیں پڑھی گئی کیونکہ آپؑ نے وصیت کی تھی کہ مجھے رات میں دفنایا جائے، آپؑ کو دیا گیا فدک خلیفہ نے واپس لیا، خلیفہ کا تعین بھی حضرت علیؑ کی غیر موجودگی میں انجام پایا حالانکہ علیؑ اور زہراؑ ایسا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد دوسرے مفروضے کے بارے میں غور کرتے ہیں۔

(۲)۔ حضرت زہراؑ کن لوگوں اور کن گروہوں سے ناراض تھیں؟

۱)۔ صرف خلیفہ اوّل اور خلیفہ دوم سے

۲)۔ تمام مہاجرین سے

۳)۔ انصار و مہاجرین دونوں سے۔ خطبۂ حضرت زہراؑ بستر مرگ پر ملاحظہ کریں (۴) پوری امت سے۔

(۳)۔ حضرت زہراؑ کس بات پر ناراض تھیں؟

۱۔ فدک کو غصب کرنے پر جسے خلیفہ دوم نے اپنے دور خلافت میں اسے واپس بنی ہاشم کو دے دیا اور خلیفہ سوم نے اپنے دور خلافت میں یہ ان سے دوبارہ چھین لیا گیا تاہم حضرت علیؑ کے دورِ خلافت میں یہ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا۔ ایسی صورت میں نعوذ باللہ حضرت زہرا مرضیہؑ فدک چھیننے والوں سے تو ناراضگی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئیں لیکن تارک صوم وصلوٰۃ، مرتکبِ فحشا و

منکرات ، نیلام گھروں میں برہنہ وعریان رقص کرنے والیوں ، دین وشریعت کوفرسودہ وبوسیدہ کہنے والوں سے آپ ناراض نہیں تھیں گویا زہرا مرضیہؑ کوشریعت کے تہس ونحس ہونے سے کوئی سروکار نہیں تھا بلکہ ان کی ناراضگی صرف اپنے شوہر کے اقتدار اور بچوں کے لقمۂ حیات سے وابستہ تھی۔

۲۔حضرت علیؑ کوخلافت سے محروم رکھنے پر۔

۳۔حضرت علیؑ کا ساتھ نہ دینے پر۔

۴۔دروازہ گرایا جانا پر۔

دروازہ گرانے پر مصائب تو اس طرح پڑھائے جاتے ہیں گویا حضرت زہراؑ کو نبیؐ سے جدائی اور فدک اور خلافت چھیننے سے زیادہ پریشانی اپنے زخم سے تھی۔

(۴)۔حضرت زہراؑ کی ناراضگی کے احکامات :

الف)۔ اگر حضرت زہراؑ کسی فرد وگروہ سے ناراض ہوئی تو متعلقہ حلقے کے بارے میں قرآن اور سنت نبیؐ کی روشنی میں کس قسم کا حکم لاگو ہوگا:

ب)۔ حضرت زہراؑ سے ناراضگی مرتد ہونے کے زمرے میں آتی ہے تو وہ مرتد کی کس قسم میں آئے گی جیسے مرتد ملی یا مرتد فطری۔

اگر متعلقہ لوگ مرتد کے زمرے میں آتے ہیں تو حضرت علیؑ کا ان کے پیچھے نماز پڑھے جانے کی کیا تفسیر کریں گے، کیا ایک مرتد وکافر شخص نماز پڑھتا ہے اور اس کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے۔

ج)۔کیا حضرت زہراؑ سے ناراضگی خدا کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔

ح)۔یہ ناراضگی انکار نبوتِ خاتم النبین جیسی تھی؟

خ)۔اس ناراضگی پر منکر قیامت کا حکم لاگو ہوتا ہے؟

د)۔مسلمہ شرعی فروعات جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے منکر کی مانند ہے؟۔

ذ)۔آئمہ طاہرینؑ میں سے کسی کی امامت سے انکار کی طرح ہے؟۔

(۵)۔حضرت علی، حضرات حسنین اور دیگر آئمہ طاہرینؑ نے زہرا مرضیہؑ کی خلفاء سے ناراضگی کا سلسلے کو کس حد تک اور کب تک جاری رکھا درج بالا تمام شقوں پر تسلی اور اطمینان بخش بحث و

گفتگواور ہرایک پر محکم دلائل کے ساتھ تجزیہ وتحلیل کئے بغیر کوئی دوستدار اہل بیتؑ، زہرا مرضیہؑ کی محبت یا خلفاء کی دشمنی میں دین اسلام کو بالائے طاق رکھ دیں یا داؤ پر لگا دیں ایسا نہیں کر سکتے۔ اگر اسلام ہے تو محمدؐ ہیں اور محمدؐ ہیں تو زہراؑ آپؐ کی چہیتی بیٹی اور امت کیلئے عزیز اور مثالی خاتون ہیں لیکن اگر اسلام اور محمدؐ نہ ہو تو زہراؑ کا مقام بھی نہ رہے گا اور خلفاء سے دشمنی کی بنیاد بھی خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

چنانچہ کسی حتمی نتیجے تک پہنچنے کیلئے پہلے مرحلے میں زہراؑ کی بعض لوگوں سے ناراضگی سے متعلق باتوں کا تمام تاریخی کتابوں میں موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ دونوں فریق (شیعہ سنی) تاریخ اسلام کو سمجھنے کیلئے انہی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر مسئلے پر بحث وگفتگو کی نوبت آتی ہے، جس کے بعد اس کے قابل قبول یا مسترد ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے لیکن جہاں تک خلیفہ دوئم کا تعلق ہے ان کے حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے دروازے پر آنے اور وہاں جسارت آمیز حرکت کرنے سے متعلق واقعے کا ذکر جن کتابوں میں آیا ہے اس میں کتاب احتجاج طبرسی بھی شامل ہے لیکن کتاب شناس بزرگ شیعہ آغا بزرگ تہرانی اپنی گراں قدر کتاب ''الذریعہ جلد ا ص ۲۸۰'' میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب ابی منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی کی ہے جس کے تمام کے تمام واقعات بغیر کسی سند کے کتاب میں بیان کئے گئے ہیں۔

کتاب تفسیر امام حسن عسکری کہ جس کے بارے میں بعد میں دیکھیں گے وہ کس حد تک معتبر کتاب ہے صاحب ریاض لکھتے ہیں کہ کتاب ''احتجاج'' تین شخصیات سے منسوب ہے:

۱)۔ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی۔

۲)۔ابی علی طبرسی صاحب کتاب تفسیر مجمع البیان۔

۳)۔شیخ ابی الفضل طبرسی۔

لیکن سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کتاب احتجاج کا متن تمام مراسل ہیں یعنی بے حوالہ ہے سوائے تفسیر امام حسن العسکری کے۔

اس کتاب کا نام ''الامامۃ وسیاسہ'' ہے اور یہ ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ سے منسوب ہے جبکہ یہ کتاب حال ہی میں ایران اسلامی کے مکتب شریف رضی سے نشر ہوئی ہے، کتاب کے عرضِ ناشر میں لکھا گیا ہے کہ اس نام کی کوئی کتاب ابن قتیبہ کی کتابوں کی فہرست میں نہیں ہے چنانچہ صاحب ''کشف الظنون'' نے ان

کی تصنیف کردہ کتابوں کا ذکر کرتے وقت بھی مذکورہ کتاب کا ذکر تک نہیں کیا ہے لہٰذا یہ کتاب بھی ان گمنام کتابوں میں شمار ہوتی ہے جنھیں نامعلوم لوگوں سے لکھوا کر معروف شخصیات کی طرف نسبت دی جاتی ہیں جیسے مسند امام صادق، عیون الاخبار الرضا، فقہ رضا اور مصباح الشریعہ وغیرہ

لہٰذا ایک ایسی کتاب میں درج روایت کو بنیاد بنا کر اتنی ہنگامہ آرائی کی صورت حال پیدا کرنا اس مذہب کی سبکی کی دلیل بنتی ہے جبکہ مذہب غصے، دشنام، گالی گلوچ، سینہ کوبی، سر پیٹنے، پابرہنہ پیدل مارچ اور جلوس سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی عمارت دلیل سے قائم ہوتی ہے۔

اگر زہرا مرضیہ سلام اللہ علیہا اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت خلفاء سے ناراض تھیں تو خلفاء سے ناراضگی اور مخالفت مول لینے کے سزاوار ان کے شوہر بزرگوار علیؑ باوفا اور ان کے فرزندانِ جگر گوشہ حضرات حسنین علیہما السلام کو ہونا چاہیے تھا لیکن تاریخ میں ان حضرات کی طرف سے خلفاء کی مخالفت کے حوالے سے کہیں بھی کوئی مثال نہیں ملتی بلکہ حضرت علیؑ کے اصحابِ باصفا اپنی حیات میں خلفاء کے معاون و مددگار رہے:

۱۔ سلمان فارسی خلیفہ دوم کے دور میں جنگ اسلام و فارس میں شریک ہوئے اور بعد میں ان کی طرف سے مدائن میں والی بنے۔

۲۔ عمار یاسر کوفے کے والی بنے۔

۳۔ عبداللہ بن مسعود صاحب بیت المال رہے۔

اسی طرح دیگر اصحاب حضرت علیؑ، حضرات حسنینؑ اور ان کے بعد آنے والے دیگر آئمہ طاہرینؑ کی سیرت کو ترک کر کے صرف اور صرف انتقام کی خاطر خلفاء پر سبّ و شتم کرنے کیلئے عقلی و شرعی طور پر کوئی جواز نہیں بنتا ہے تاہم حضرت زہراؑ کی خلفاء سے ناراضگی کو علامہ مجلسی نے کتاب ''بحار الانوار کی جلد ۴۳، صفحہ ۲۰۲ پر بغیر سند دیئے کلمہ ''فلما مرضت'' سے قصہ نقل کیا ہے یہ روایت اپنی جگہ بے سند ہونے کے ساتھ اس کا متن بھی کئی حوالوں سے مخدوش ہے ان کی طرف سے روایت کی سند کا نہ دیا جانا بذات خود روایت کے مخدوش ہونے کیلئے کافی ہے کیونکہ یہ روایت ایسی کتابوں سے ماخوذ ہے جو بذات خود مشکوک و گمنام ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں روایت اگر متن کے حوالے سے صحیح و بلا اشکال ہو تو سند ضعیف ہونا چندان اشکال نہیں رکھتا ہے یہ بات ایک حوالے سے وزن رکھتی ہے لہٰذا ہم اس کے متن کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں۔

جہاں تک متن کا تعلق ہے تو اس کے مخدوش ہونے کے بارے میں وضاحت کی ضرورت ہے تو اس ضمن میں

روایت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔یعنی متن میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جن میں سے

(۱) حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ۔

(۲) حضرت علیؑ۔

(۳) حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا۔

روایت کا واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے :

''ابوبکرؓ وعمرؓ نے ایک دفعہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؑ سے کہا کہ سنا ہے کہ دختر رسولؐ بہت علیل ہیں اور وہ ہم لوگوں سے ناراض ونالاں بھی ہیں لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ ان کی عیادت کریں اور اس سلسلے میں آپ ان سے ہماری سفارش کریں، حضرت علیؑ نے ان کی پیشکش کو بغیر کسی تبصرے کے قبول کیا اور انھیں اپنے ہمراہ گھر تک لے گئے، جب تینوں افراد زہرا مرضیہؑ کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو علیؑ، ابوبکرؓ وعمرؓ کو دروازے سے باہر چھوڑ کر خود اندر داخل ہوئے اور زہراؑ سے فرمایا کہ فلاں فلاں افراد گھر کے باہر کھڑے ہیں، وہ آپ کی عیادت اور آپ سے معذرت کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں ہم سے سفارش کے طلب گار ہیں جسے میں نے قبول کیا ہے۔

حضرت علیؑ کی باتیں سننے کے بعد حضرت فاطمہؑ نے فرمایا کہ یہ گھر آپ کا ہے، خواتین اپنے شوہر کے تابع ہوتی ہیں لہٰذا میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتی آپ جو مناسب سمجھتے ہیں وہی کریں اس پر علیؑ نے ابوبکرؓ وعمرؓ دونوں کو اپنے گھر میں بلایا، انھوں نے گھر میں داخل ہو کر سلام کیا اور احوال پرسی کے بعد زہراؑ سے عفو ودرگزر کیلئے کہا، زہراء مرضیہؑ نے ان سے کہا کہ میں پہلے تم لوگوں سے ایک سوال پوچھتی ہوں اگر اس سوال کا درست جواب دیا گیا پھر تو میں اس بارے میں سوچوں گی۔زہراءِ مرضیہؑ کے بیان پر دونوں نے کہا کہ آپ جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھ سکتی ہیں۔

زہراؑ نے کہا کہ کیا تم دونوں نے میرے والد گرامی کے یہ کلمات سنے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ خداوند متعال اس سے راضی ہے جس سے زہراؑ راضی ہیں اور اس انسان سے وہ ناراض ہے جس سے زہراؑ راضی نہیں ہیں، دونوں نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت زہراؑ نے اپنا

ہاتھ بلند کیا اور فرمایا کہ خداوندا تو گواہ ہے کہ ان دونوں نے مجھے ناراض کیا لہٰذا میں آپ دونوں سے ناراض ہوں اور یوں ابوبکرؓ و عمرؓ زہراؑ کی رضامندی حاصل کرنے میں ناکام رہے! وراسی حالت میں وہ دونوں فریاد وفغاں کرتے ہوئے زہراؑ کے گھر سے چلے گئے"۔

اب ہم اس روایت کے متن کی طرف آتے ہیں :

۱۔ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ :

اگر ابوبکرؓ و عمرؓ سے زہرا سلام اللہ علیہا ناراض تھیں اور ان کی رضائیت خدا کی رضامندی سے مشروط ہے لیکن اگر کوئی شخص خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

۱۔ اسے چاہیے کہ وہ جا کر زہراؑ کو خوش کرے یعنی اگر کسی سے زہراؑ کے بارے میں کوتاہی ہوئی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ زہراؑ سے معذرت کرے یا معافی مانگے۔

۲۔ اگر زہرا انہیں معاف نہ کریں تو پھر معافی کے طلب گار انسان کی کیا تقصیر یا غلطی ہوگی؟ وہ انسان اپنی غلطی پر معافی مانگنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہے؟

۳۔ آیا زہراؑ نے خلفاء پر مزید شرائط عائد کر دی تھیں کہ وہ ان کی رضامندی کیلئے مزید کام کریں؟

۴۔ اگر زہراؑ ان سے ناراض رہنے پر مصر تھیں تو ان جیسے دیگر لوگ کیا کر سکتے ہیں؟ تو کیا یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں یہ کہنے میں حق بجانب نہیں ہونگے کہ خدایا ہم تیرے فرمان کے مطابق زہراؑ کے گھر پر گئے تا کہ عفو و درگزر کی درخواست کر سکیں مگر انھوں نے ہمیں بخشنے سے انکار کیا اب تو ہی "ارحم الراحمین" ہے تو ہمارے سرّ و اخفاء سے واقف ہے کوئی اس کا جواب دینے والا ہے جو یہ بتائے کہ اس سے آگے کیا کرنا چاہیے؟۔

۲۔ علی بن ابی طالبؑ :

ابوبکرؓ و عمرؓ نے جب حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ ہم آپ کے گھر آنا چاہتے ہیں تا کہ زہراؑ سے معذرت طلب کی جا سکے لہٰذا آپ ان سے ہمارے لئے سفارش کریں اگر یہی قصہ صحیح ہے تو مندرجہ ذیل نتائج آسانی سے آخذ کر سکتے ہیں :

۱)۔ حضرت علیؑ حضرت زہرا مرضیہؑ کی حیات میں ہی خلفاء سے خوشگوار یا مصالحتی تعلقات قائم کئے

ہوئے تھے۔

۲)۔جب علیؑ جانتے ہیں کہ زہراؑ ان سے نالاں وناراض ہیں تو انھیں ان کی درخواست یہ کہہ کر رد کر دینی چاہیے تھی کہ زہراؑ آپ دونوں سے ناراض ہیں، اس لئے زہراؑ کی خاطر میں بھی تم دونوں سے خفا ہوں لہٰذا آپ دونوں کو اپنی باوفا زوجہ کے پاس نہیں لے کر جا سکتا۔

علیؑ کی طرف سے خلفاء کی پیشکش پر بغیر کسی تبصرے کے انھیں اپنے گھر لے جانا کیا اس بات کی علامت نہیں کہ ان کا مطالبہ جائز اور منطقی تھا اور علیؑ خود کو غیر جانب دار رکھنا چاہتے تھے، زہراؑ کی واضح ناراضگی کے باوجود حضرتؑ کا ان دونوں کو اپنے گھر لے جانا کیا اس بات کی دلیل نہیں بنتی کہ زہراؑ اور علیؑ دونوں کے اہداف ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علیؑ خلفاء سے دوستی وآشتی اور نرم رویہ رکھنے کے حق میں تھے جبکہ زہراءِ مرضیہؑ خلفاء سے نالاں اور لاتعلقی کی خواہاں تھیں یعنی دونوں کے موقف میں تضاد پایا جاتا تھا۔

ایک دوسرے کے علاوہ کسی اور کیلئے کفونہ بننے والے زوج وزوجہ کا ایک مصیبت کے موقع پر مصلحت اندیشی میں بھی نقطہ نظر ایک دوسرے سے جدا ہونا اور کسی ایک بات پر اتفاق نہ ہونا لمحہ فکریہ نہیں ہے؟ اگر اس روایت کو خلفاء کی دشمنی اور علیؑ وفاطمہؑ کی شان میں گھڑ لیا گیا ہے تو ایسے دوستوں کے بارے میں انتہائی غور وفکر کے ساتھ سوچنے کی ضرورت ہے بلکہ ان کا رویہ بھی لمحہ فکریہ ہے جو اپنے دشمن سے دشمنی میں اپنے مقتداؤں کی عظمت وبزرگی اور رحمت وشفقت کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔

۳۔حضرت زہرا سلام اللہ علیہا

(۱)۔اس روایت کے مطابق زہراؑ کا کردار آج کل کی دنیا میں قائم تفتیشی اداروں کی مانند ہو جاتا ہے جو اپنے مخالف فریق سے سچ بولنے پر معاف کرنے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن وعدہ معاف گواہ بننے کے بعد اس کے ساتھ وعدہ وفا نہیں کرتے۔

(۲)۔آپ کے والد گرامی نے کئی ایسے مجرموں کو عفو وبخشش سے نوازا جن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ وہ سچ بولیں تو انہیں معاف کر دیا جائے گا۔پیغمبرؐ کی طرف سے وعدے کے بعد انھوں نے سچ بولا تو پیغمبرؐ نے انہیں معاف کر دیا لیکن پیغمبرؐ کی دختر گرامی نے پہلے سچ بولنے کا وعدہ لیا مگر سچ بولے جانے کے باوجود اپنی ناراضگی کو برقرار رکھا۔درج بالا روایت کے تحت

واقعے سے اگر کسی کو فائدہ پہنچتا ہے تو وہ دشمنانِ اسلام ہی ہوں گے کیونکہ انھیں اس جیسی روایت سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔

(۳)۔ یہاں روایت کے مطابق علیؑ کی سوچ کے بارے میں ظاہر ہوتا ہے کہ عظیم مصلحت اسلامی کی خاطر اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں اور اسلام و مسلمین کیلئے خلفاء کی مخالفت و دشمنی کے رویے کو ترک کر دیں جبکہ روایت زہراؑ کی ذات کی عکاسی اس طرح کرتی کہ انہوں نے اپنی ذاتی مصلحت کی خاطر خلفاء سے مخالفت کو جاری و ساری رکھا اور اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئیں، اب آپ بتائیں کہ کس کی مصلحت اندیشی، دور اندیشی اور دانشمندی خدا اور رسولؐ کی مرضی کے مطابق ہو گی لہٰذا دونوں کی سوچ تو قابل قبول نہیں ہو گی ایک کو قبول اور دوسری کو ردّ کرنا ہو گا۔

خاتم الانبیاءؐ نے اپنے اور اپنے عزیز ترین افراد پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کو بخش دیا ہے تو کیا نبی کریمؐ کی صاحبزادی کیلئے یہ سزاوار نہیں کہ وہ اپنے شفیق و مہربان باپ کے نقش قدم پر چلیں جبکہ زہراؑ کی ناراضگی یا احتجاج کو جاری و ساری رکھنے کیلئے علیؑ اور پھر حضرات حسنین علیہما السلام تھے لیکن ان کی طرف سے کوئی احتجاج نہیں ہوا بلکہ اختلافات کو ختم کر دیا گیا۔

اس روایت کی بنیاد پر ہر سال لاوڈ اسپیکروں کے ذریعے مسلمانوں کیلئے دل خراش اور تند و تیز بیانات جاری کئے جاتے ہیں جن کے ذریعے مسلمانوں میں عداوت و دشمنی فروغ پاتی ہے، اس طریقہ کار سے عظمت و بزرگی علیؑ و زہراؑ اور اسلام کی خاطر جان قربان کرنے والوں کو ہی نقصان و ضرر پہنچتا ہے فائدہ تو صرف ان کو پہنچتا ہے جنہوں نے علیؑ اور زہراؑ کے حق میں جسارت و اہانت کر کے اپنے مخالفین پر غصہ نکالا۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی فائدہ پہنچا ہے جو شروع سے آج تک پیغمبر اکرمؐ کے لائے ہوئے دین کو مسخ کرنے میں مصروف عمل ہیں اگر کسی کی دل آزاری ہوتی ہے تو وہ امت محمدؐ ہی ہے۔

کوئی بھی شیعہ کو جو حضرت علی، امام حسن، حسین، علی بن الحسین، محمد باقر، جعفر صادق، موسیٰ کاظم، علی رضا محمد تقی، علی الہادی، حسن عسکری اور محمد مہدی علیہم السلام کے تابع و پیرو ہونے کا معتقد ہے اُسے خلفائے ثلاثہ پر لعنت اور نفرین کرنے کی کسی قسم کی گنجائش اور جواز نہیں ملتا، اگر کسی کے پاس ان اماموں سے کوئی سند ہے تو سامنے لائے بجائے اس کے کہ غالیوں کی غلاظت اور خود ساختہ جعلیات کو دین سمجھا جائے۔

....ہم ان باتوں کو الزام یا تہمت نہیں کہیں گے بلکہ یہ حقیقت پر مبنی ہیں کیونکہ ہم خلفاء کو سبّ وشتم کرنے کی صرف مخالفت ہی نہیں کرتے بلکہ اسے قرآن وسنت اور سیرتِ طیبہ اہل بیتؑ کے بھی سراسر خلاف سمجھتے ہیں جن کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''قرآن میں امام وامت'' میں لکھ دی ہے، یہ انتہائی تعجب خیز اور حیرت انگیز بات ہے کہ خود کو شیعہ علیؑ کہنے والے کیسے سیرتِ معاویہ پر گامزن ہیں۔

خلاصۂ کلام اُمت مسلمہ (جو قرآن اور سنت پیغمبرؐ پر ایمان رکھتی ہے اور کعبہ کو قبلہ سمجھتی ہے) سے نفرت کرنا جائز نہیں ولوگ اس پر اصرار کر رہے ہیں ان کی منطق اور بولی بھی غالیوں کی بولی ہے جس کے مندرجہ ذیل شواہد ہیں :

۱۔ قرآنی آیات، سنت نبی کریمؐ اور کلمات امیر المومنینؑ کے علاوہ امام حسنؑ اور امام جعفر صادقؑ کے فرزندوں کے نام بھی خلفاء کے نام سے موسوم ہیں۔

۲۔امام صادقؑ نے اپنا سلسلہ نسب ماں کی طرف سے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ منسوب ہونا بیان فرمایا ہے ۳۔خلفاء پر سبّ وشتم نہ صرف قرآن اور سیرت اہل بیتؑ کے خلاف ہے بلکہ یہ غالیوں کی منحوس تعلیمات پر مبنی ہے جو کہ مغیرہ بن سعید غالی کے مذموم عزائم کا نتیجہ ہے جس نے امام صادقؑ کے زمانے میں ان سے دوستی کے نام پر اسلام کے دائرے میں داخل ہو کر کفر والحاد پھیلایا جس نے خلفائے ثلاثہ پر سبّ وشتم کو رواج دیا اور ساتھ ہی آئمہؑ کی الوہیت کا دعویٰ کیا۔

۴۔کتاب ''الامام الصادق والمذاہب الاربعہ'' تالیف اسد حیدر ج ۴، ص ۱۵۳ میں شہرستانی سے نقل کیا گیا ہے کہ مغیرہ نے امام محمد باقرؑ کے بعد امامت کا دعویٰ کیا، بعد ازاں نبوت کا بھی دعویدار بنا، یہ وہی شخص ہے جس نے ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم پر لعن طعن کی مہم کا آغاز کیا، امام جعفر صادقؑ نے اس شخص سے نفرت اور برأت کا اظہار کیا، یہ وہی شخص ہے جس نے مکتب اہل بیتؑ میں کفر وزندیقی افکار کو فروغ دیا۔

لہٰذا قرآن وسنت اور سیرت اہل بیتؑ کی پیروی کرنے والوں پر کسی بھی حوالے سے خلفاء پر سبّ وشتم کرنا جائز نہیں اور ایسا عمل کرنے والا مغیرہ بن سعید کے مذہب پر ہوگا نہ کہ امام جعفر صادقؑ کے مذہب پر۔

۵۔شیخ عباس قمی نے اپنی کتاب ''الکنی ولالقاب ج ا،ص ۱۴۱'' پر لکھتے ہیں کہ ابوالقاسم حسین بن روحؒ اپنے دور میں شیعہ سنی سب کے نزدیک محترم شخصیت تھے،علماء اہل سنت ان کا بہت احترام کرتے تھے ایک مرتبہ دو عالم دین آپس میں مناظرہ کیا ایک نے کہا پیغمبرؐ کے بعد ابوبکرؓ سب سے افضل تھے پھر عمرؓ پھر علیؑ دوسرے نے کہا کہ علیؑ،عمرؓ سے افضل ہیں تو ابوالقاسم بن روحؒ نے کہا کہ سب سے مقدم صدیق ہیں اس کے بعد علیؑ وصی ہیں۔اصحابِ حدیث اس پر اتفاق رکھتے ہیں یہی ہمارے پاس صحیح ہے۔شیخ عباس قمی اپنی کتاب میں پھر لکھتے ہیں ایک مرتبہ سفیر سوم نے اپنے گھر کے دروازے پر دربان کو لعن کرتے ہوئے دیکھا تو اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔

کسی بھی عمل کا وجود شریعت میں اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک وہ انسان کیلئے جان لیوا ثابت نہ ہو محرمات اس وقت تک حرام ہوتیں ہیں جب تک انہیں ترک اور پرہیز کرنا جان دینے کا سبب نہ بنے،اس حوالے سے بھی سبّ وشتم کو اگر فرضی طور پر ایک مستحب اور پسندیدہ عمل قرار دیا جائے تو اسے جاری رکھنے کیلئے ہزاروں مسلمانوں کی جانیں قربان کرنا،ملک میں فتنہ وفساد پیدا کرنے دینے کی اجازت دینا ہے لیکن اس سے کفار اور مشرک کیلئے مسلمانوں میں مداخلت کرنے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔تو کیا یہ کہنا درست ہے کہ ہم لعن طعن کی خاطر قربانیاں دیں گے بلکہ اس موقف کی تو عقل وشرع میں سے کوئی بھی تائید نہیں کرتا اس لئے یہ بات کوئی احمق یا سازش کار ہی کہہ سکتا ہے عاقل نہیں،یہ فلسفہ سازی محرمات کے برعکس نہیں ہوتی ہے،کیا لعن ونفرین ترک کر کے مسلمانوں کی جان ومال اور عزت کو محفوظ کر رکھنا ضروری نہیں؟

## حضرت علیؑ کا خلفاء سے یکے بعد دیگر نرم سلوک :

ہمارا ائمہ سے ایک قدم آگے بڑھ کر خلفاء سے دشمنی کو تسلسل دینا کس سند کے تحت صحیح ہوگا لازماً یہ علیؑ کے ان کلمات کے بھی خلاف ہوگا جہاں آپؑ نے خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کو روم کی جنگ کے مواقع پر اپنے مشورے سے نوازا :

> ''اللہ نے صاحبانِ دین کیلئے یہ ذمہ داری لے لی ہے کہ وہ ان کی حدود کو تقویت دے گا اور ان کے محفوظ مقامات کی حفاظت کرے گا اور جس نے ان کی اس وقت

بھی نہ کر سکتے تھے وہ ابھی بھی زندہ ہیں اور اس کیلئے موت نہیں ہے۔ تم اگر خود دشمن کی طرف جاؤ گے اور ان کا سامنا کرو گے اور نکبت میں مبتلا ہو گئے تو مسلمانوں کیلئے آخری شہر کے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہ رہ جائے گی اور تمہارے بعد میدان میں کوئی مرکز بھی نہ رہ جائے گا جس کی طرف رجوع کر سکیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ کسی تجربہ کار آدمی کو بھیج دو اور اس کے ساتھ صاحبانِ خیر و مہارت کی ایک جماعت کو کر دو اس کے بعد اگر خدا نے غلبہ دے دیا تو یہی تمہارا مقصد ہے اور اگر اس کے خلاف ہو گیا تو تم لوگوں کا سہارا اور مسلمانوں کیلئے ایک پلٹنے کا مرکز رہو گے"۔ [1]

اسی طرح خلیفہ دوم کو جنگ فارس کے بارے میں مشورہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"یاد رکھو کہ اسلام کی کامیابی اور ناکامیابی کا دارومدار قلت و کثرت پر نہیں بلکہ یہ دین اور دینِ خدا پر ہے جسے اسی نے غالب بنایا ہے اور یہ اسی کا لشکر ہے جسے اسی نے تیار کیا ہے اور اسی نے اس کی امداد کی ہے یہاں تک کہ اس منزل تک پہنچ گیا ہے اور اس قدر پھیلاؤ حاصل کر لیا ہے۔ ہم پروردگار کی طرف سے ایک وعدہ پر ہیں اور وہ اپنے وعدہ کو بہر حال پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کی بہر حال مدد کرے گا۔ ملک میں حکمراں کی مثال تسبیح میں مہروں کی مانند ہوتی ہے جو سب کو جمع کئے رکھتا ہے اور اگر وہ ٹوٹ جائے تو سارا سلسلہ بکھر جاتا ہے اور پھر کبھی جمع نہیں ہو سکتا ہے اگر چہ آج عرب قلیل لیکن اسلام کی بنا پر کثیر ہیں اور اپنے اتحاد و اتفاق کی بنا پر غالب آنے والے ہیں، لہٰذا آپ (خلفاء) مرکز میں رہیں اور اس کی چکی کو انھیں کے

---

[1] [وقد توکل اللہ لاھل ھٰذا الدین بباعزاز الحوزۃ وستر لعورۃ والذی نصرھم وھم قلیل لاینتصرون و منعھم وھم قلیل لایمتنعون حی لایموت. انک متیٰ تسر الیٰ ھٰذا العدو بنفسک فتلقھم فتنکب لاتکن للمسلمین کانفۃ دون اقصیٰ بلادھم لیس بعدک مرجع یرجعون الیہ فابعث الیھم رجلاً محرباً واحفز معہ اھل البلاء النصیحۃ فان اظھر اللہ فذالک ماتحب وان تکن الاخریٰ کنت ردئاً للناس و مثابۃً للمسلمین۔ (نہج البلاغہ کلام ۱۳۴، جوادی صفحہ ۲۵۷)]

ذریعہ گردش دیں اور جنگ کی آگ کا مقابلہ انھیں کو کرنے دیں آپ زحمت نہ کریں کہ اگر آپ نے اس سرزمین کو چھوڑ دیا تو عرب چاروں طرف سے ٹوٹ پڑیں گے اور سب اس طرح جنگ میں شریک ہو جائیں گے کہ جن محفوظ مقامات کو آپ چھوڑ کر گئے ہیں ان کا مسئلہ جنگ سے زیادہ اہم ہو جائے گا۔

ان عجموں نے اگر آپ کو میدان جنگ میں دیکھ لیا تو کہیں گے کہ عربیت کی جڑ یہی ہے اس جڑ کو کاٹ دیا جائے ایسی صورت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے راحت مل جائے گی اور اس طرح ان کے حملے شدید تر ہو جائیں گے اور وہ آپ ہی کے حوالے سے زیادہ طمع کریں گے اور آپ نے جس بات کا ذکر کیا ہے کہ لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کیلئے آ رہے ہیں تو یہ بات آپ سے زیادہ خدا کو ناگوار ہے اور وہ جس چیز کو ناگوار سمجھتا ہے اس کے بدل دینے پر قادر بھی ہے اور یہ جو آپ نے دشمن کی تعداد کا ذکر کیا ہے تو یاد رکھئے کہ ہم لوگ ماضی میں بھی کثرت کی بنا پر جنگ نہیں کرتے تھے بلکہ پروردگار کی نصرت اور اعانت کی بنیاد پر جنگ کرتے تھے"۔ [1]

---

[1] [ان هٰذاالامر لم یکن نصره ولا خذلانه بکثرة ولا بقلة وهو دین اللهالذی اظهره وجنده الذی اعده [اعزه] وأمده [ایده] حتیٰ بلغ مابلغ وطلع حیث طلع ونحن علیٰ موعود من اللهواللهمنجزوعده و ناصر جنده ومکان القیم بالامر مکان النظام من الحرز یجمعه ویضمه فان انقطع النظام تفرق الخرز وذهب ثم لم یجتمع بحذافیره ابداًوالعرب الیوم وان کانوا قلیلاًفهم کثیرون بالاسلام عزیزون بالاجتماع !فکن قطباًواستدر الرحیٰ بالعرب واصلهم دونک نار الحرب فانک ان شخصت من هٰذه الارض انتقضت علیک العرب من اطرافها و اقطارها حتیٰ یکون ماتدع وراء ک من العورات اهم الیک ممابین یدیک ان الأعاجم ان ینظروا الیک غداًیقولوا هٰذااصل [رجل]العرب فاذاافتطعتموه استرحتم فیکون ذٰلک اشدلکلبهم علیک وطمعهم فیک فاما ما ذکرت من مسیر القوم الیٰ قتال المسلمین فان اللهسبحانه هو اکره لمسیرهم منک و هواقدر علیٰ تغیر مایکره واماماذکرت من عددهم فانالم نکن نقاتل فیما مضیٰ بالکثرة وانما کنانقاتل بالنصر والمعونة (نہج البلاغہ کلام ۱۴۶ ص جوادی ۲۷۰)]

## غصبِ فدک :

فدک سے متعلق فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ناراضگی کو قرآن وسنت اور سیرت علیؑ وفاطمہ زہراؑ کی روشنی میں تجزیہ وتحلیل کرنے کے بعد اس بارے میں رائے قائم کرنے کی ضرورت ہے پھر دیکھنا چاہئے کہ آیا شیعیان علیؑ اور آئمہ طاہرینؑ کیلئے اس سلسلے میں اس وقت حقیقت میں کیا موقف اختیار کرنا چاہئے اور انہوں نے اب کیا موقف اختیار کر رکھا ہے پہلے خود فدک کے بارے میں کچھ وضاحت۔

۱۔فدک جیسا کہ معجم الحجاز نے معجم البلدان تالیف یاقوت حموی سے نقل کیا ہے کہ ابن دریر کا کہنا ہے کہ فدک کی لغوی معنی کپاس بننے کو کہا جاتا ہے جبکہ جغرافیائی معنی حجاز میں ایک قریہ کا نام ہے جو کہ مدینہ سے پیدل تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔

۲۔ساتویں ہجری میں مسلمانوں نے خیبر کے قلعہ کو فتح کیا، مسلمانوں کی جانب سے قلعہ خیبر فتح کرنے کی خبر جب ان قریہ والوں کو ملی تو انھوں نے اپنی درآمدات کے نصف حصے کو بطور مصالحت پیغمبرؐ کو دینے کی پیشکش کی جسے پیغمبرؐ نے قبول فرمایا یہ وہ مقام ہے جو بغیر کسی لشکر کشی کے پیغمبرؐ کے قبضے میں آیا لہٰذا ان کی طرف سے ملنے والا مال حکم غنیمت میں نہیں آتا تھا یعنی مجاہدین اسلام کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا اس لئے یہ مال براہ راست رسول اللہؐ کے حصے میں آیا:

﴿ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

"اور جو (مال) پلٹائے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان سے لے کر تو (وہ ایسے مال) نہیں ہیں کہ دوڑائے ہوں تم نے ان پر گھوڑے یا اونٹ بلکہ اللہ تسلط عطا فرما دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے"۔(حشر ۶)

جسے آپؐ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمۃ زہراؑ کے نام کر دیا۔

۳۔پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کا منصب سنبھالا تو انھوں نے فدک کی درآمدات کو اپنی تحویل میں لیا، زہراؑ نے ان کے اس اقدام کے خلاف احتجاج کیا اور آپؑ خود ابوبکرؓ کے سامنے اس سلسلے میں مسجد میں اپنے خطابات میں احتجاج کو دہرایا۔

۴۔ابوبکرؓ کے بعد خلیفہ دومؓ نے اُسے دوبارہ بنی ہاشم کے سپرد کیا جس حصے کے بارے میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؑ کے درمیان اختلاف بھی ہوا اور معاملہ دوبار خلافت میں گیا تو خلیفہ نے کہا یہ آپ کا آپس کا اختلاف ہے آپ خود فیصلہ کریں۔

۵۔خلیفہ سوم کے دور حکومت میں مروان نے اُسے اپنے قبضے میں لیا۔

۶۔حضرت علیؑ نے اپنے دور میں یہ ایک بار پھر اپنی تحویل میں لیا

۷۔زید بن عبدالمالک کے دور میں پھر حکومت کے ہتھے چڑ گیا یہاں تک کہ بنی امیہ کے دور حکومت کا خاتمہ ہوا اور بنی عباس کے دور کا آغاز ہوا۔

۸۔جب ابوالعباس سفاح خلیفہ عباسی برسر اقتدار آیا، انھوں نے فدک کی درآمدات کو حسن بن حسن بن علی بن ابی طالبؑ یعنی امام حسنؑ کے پوتے اور امام حسینؑ کے داماد کو واپس کیا۔

۹۔پھر جب اولادِ امام حسنؑ نے بنی عباس کے خلاف قیام کیا تو منصور نے اسے دوبارہ اپنی تحویل میں لے لیا۔

۱۰۔منصور کے بیٹے مہدی نے اسے بنی ہاشم کے حوالے کر دیا

۱۱۔پھر یہ موسی بن ہادی کے پاس چلا گیا

۱۲۔مامون کے دور میں دوبارہ اولادِ علی کو دیا گیا۔

فدک کے اس تاریخی پس منظر کے بعد ہم زہراؑ کی ناراضگی کی وجوہات کی طرف آتے ہیں۔

دنیا سے رخصت ہونے کے وقت حضرت زہراؑ کی ناراضگی کی وجوہات میں پیش کردہ مفروضات میں سے ایک آپؑ سے فدک کا چھیننا بیان کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے حضرت زہراؑ خلیفہ کے علاوہ تمام انصار و مہاجرین سے بھی ناراض و نالاں تھیں لیکن یہاں یہ اہم سوال پیش آتا ہے کہ حضرت زہراؑ کے تمام تر احتجاج کا محور اور مرکز کیا تھا؟ یعنی پیغمبرؐ کی جدائی، فدک کا چھن جانا یا پھر علیؑ کو خلافت سے محروم رکھنا۔

خلفاء کو زہراؑ کے نام گرامی سے سبّ و شتم کرنے اور انھیں کفر و طاغوت قرار دینے کا ڈھنڈورا صرف فدک چھیننے کی بنیاد پر پیٹا جاتا ہے یہاں دیکھنا یہ ہے کہ دور حاضر میں کسی ایک علاقے کی درآمدات کا ہاتھ سے نکل جانا دنیاداروں پر کس حد تک گراں گزرتا ہے اور اولیاء اللہ، خدا کے مقرب بندے نبی کریمؐ کی چہیتی بیٹی پر کہاں تک گراں گزرنا چاہیے اور اسی کی بنیاد پر یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ حضرت زہراؑ کی حد سے زیادہ

پریشانی وشکایت اور ملامت کا مظاہرہ کرنا اور حضرت زہراؑ کے مقام ومنزلت کو بیان کرنے اور خلفاء کو کافر و طاغوت قرار دینے میں کس حد تک صحیح ہے؟ بالفرض اگر حضرت زہراؑ کے تمام دکھ درد کا مرکز ومحور فدک کا چھن جانا تھا تو آج کل کی برسر اقتدار یا مالدار عورتیں جن کی روزانہ آمدنی واخراجات لاکھوں میں ہو وہ اگر عہدوں سے معزول کر کے جیل میں ڈال دی جائیں یا پھر جلاوطن کر دی جائیں تو وہ کتنی چیخ وپکار کریں گی اور اپنی پریشانی کا اظہار کس حد تک کریں گی، لیکن ہم ان عورتوں پر زہرائے مرضیہؑ کو کیسے برتر وافضل قرار دیں گے کیونکہ درج بالا موقف کے تحت زہراؑ کی فدک چھننے پر چیخ وپکار اور فریاد وفغاں کی برگشت ہے وہ اپنے بچوں کے عیش وآرام تک محدود نظر آتی ہے حالانکہ زہراؑ کو فدک ملنے سے نہ اسلام کو تقویت مل سکتی ہے اور نہ ہی امت اسلامی کو کیونکہ اسلام کو کبھی اور کسی بھی مرحلے پر مال ودولت سے طاقت نہیں ملی ہے لیکن آج عالمی ادارے اسلام کے نام پر پس پردہ کتنی رقوم دے رہے ہیں اس کا اندازہ ناممکن ہے اور انہی پیسوں سے مساجد مدارس اور دانش گاہوں کی تعمیرات ہو رہی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان میں قرآن، سنت رسولؐ، سیرت ائمہؑ نام کی کوئی چیز موجود نہیں علاوہ ازیں حضرت زہراؑ کو فدک یعنی دنیوی مال کی بناء پر انتہائی حد تک پریشان حال اور کرب واضطراب میں مبتلا دکھانا ان کے کفو کریم اور شوہرِ وفادار علیؑ کے قول وفعل کے بھی سراسر منافی ہے کیونکہ خود حضرت علیؑ فدک کے چھن جانے کو ایک معمولی عمل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فدک کی حیثیت ان کی نظر میں ناچیز اور حقیر ہے آپؑ اس کی حقارت کے سبب کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسے دنیوی مال کے بارے میں کسی کو بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

دوسری جانب فدک کے چھن جانے قرآنی آیات پر عمل پیرا نہ ہونے اور مال زہراؑ پر تصرف کرنے کے پیش نظر خلفاء کو نعوذ باللہ شرق وغرب کے طاغوتوں کے برابر قرار دیا جاتا ہے جس سے نہ صرف عام مسلمانوں کا اسلام پر عمل پیرا رہنا مشکل ہو جائے گا بلکہ بڑے بڑے علماء جو مالِ مسلمین میں خرد برد کرتے ہیں وہ بھی اور گناہ گار مسلمان سادات وغیر سادات جو میراث تقسیم ہونے کے ڈر سے کہ کہیں بیٹیوں کو ارث نہ دینی پڑے شادی ہی سے محروم کرتے ہوئے قرآن اور امام زمانہؑ سے شادی وغیرہ جیسے بیٹیوں پر ظلم کے جرائم میں ملوث ہیں وہ سب کافر وطاغوت میں شامل ہوں گے پھر یہ عقیدہ مذہب اہل بیتؑ کا نہیں بلکہ خوارج کا عقیدہ تصور ہوگا۔

## مسئلہ فدک کا دوسرا رخ :

فدک عام مسلمانوں کا مال نہیں تھا بلکہ فدک رسول اللہؐ سے مخصوص تھا اس سلسلے میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں :

(۱)۔سورۂ حشر آیت ۶۔

(۲)۔رسول اللہؐ نے اس کو مسلمانوں میں تقسیم نہیں کیا۔

(۳)۔فدک حضرت زہراؑ کے قبضے میں تھا۔

(۴)۔خلیفہ اول نے اسے متروکہ مال قرار دے کر اپنی تحویل میں لیا۔

(۵)۔حضرت زہراؑ نے اسے اپنی وراثت قرار دیا اور آیاتِ قرآنی سے استدلال کیا۔

(۶)۔خلیفہ دوئم جو خود اس اقدام کا مشورہ دینے والے تھے فدک کو بنی ہاشم کو واپس کیا۔

(۷)۔خلیفہ سوم کے دور میں فدک دوبارہ حکومت کے ہاتھ آیا۔

(۸)۔حضرت علیؑ کے دور خلافت میں خود حضرت علیؑ کے قبضے میں رہا۔

(۹)۔عمر بن عبدالعزیز نے واپس بنی ہاشم کو دیا۔

(۱۰)۔خلفاء کا وقتاً فوقتاً بنی ہاشم کو واپس کرنا۔

یہ تمام اس بات کی نشانی ہے کہ خلفاء اس کو حقِ ذوی القربیٰ خود رسول اللہؐ سمجھتے تھے۔

جب آیات قرآن سے یہ ثابت ہوگیا کہ زہراؑ کو ملنے والا فدک مخصوص من الرسول اللہؐ تھا اور زہراؑ نے بھی اپنے خطبوں میں آیات ارث سے استدلال کیا ہے جبکہ حضرت علیؑ اپنے گورنر عثمان بن حنیف کے نام لکھے گئے خط میں بیان فرماتے ہیں :

''خدا کی قسم میں نے تمہاری دنیا میں سے نہ کوئی سونا جمع کیا ہے اور نہ اس مال و متاع میں سے کوئی ذخیرہ اکٹھا کیا ہے اور نہ ان دو بوسیدہ کپڑوں کے بدلے کوئی اور معمولی کپڑا مہیا کیا ہے اور نہ ایک بالشت پر قبضہ کیا ہے اور نہ ایک بیمار جانور سے زیادہ کوئی قوت (غذا) حاصل کی ہے یہ دنیا میری نگاہ میں کڑوی چھال سے بھی زیادہ حقیر اور بے قیمت ہے ہاں ہمارے ہاتھوں میں اس آسمان کے نیچے صرف ایک فدک تھا مگر اس پر بھی ایک قوم نے اپنی لالچ کا مظاہرہ کیا اور دوسری قوم نے اس

کے جانے کی پرواہ نہ کی اور بہرحال بہترین فیصلہ کرنے والا پروردگار ہے اور ویسے بھی مجھے فدک یا غیر فدک سے کیا لینا دینا ہے جب کہ نفس کی منزل اصلی کل کے دن قبر ہے جہاں کی تاریکی میں تمام آثار منقطع ہو جائیں گے اور کوئی خبر نہ آئے گی یہ ایک ایسا گڑھا ہے جس کی وسعت زیادہ بھی کر دی جائے اور کھودنے والا اسے وسیع بھی بنا دے تو بالآخر پتھر اور ڈھیلے اسے تنگ بنا دیں گے اور تہ بہ تہ مٹی اس کے شگاف کو بند کر دے گی"۔ ۱؎

خود زہراؑ نے بھی فدک کو اپنا حق ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ان تمام دلائل کی موجودگی میں حضرت ابوبکرؓ نے جو حدیث نقل کی کہ پیغمبرؐ کا ترکہ ارث میں نہیں جاتا تو بعد میں آنے والے خلفاء نے کیوں فدک کو ذوی القربیٰ الرسولؐ کو واپس کیا۔

## ولایت فقیہ یعنی ایک دین شناس و دیندار حکومت کا قیام :

اسلامی حکومت سے متعلق یہ نظام شیعہ سے مخصوص ہے نہ سنیت سے اور نہ ہی اتفاق فقہاء و مجتہدین کا نیازمند ہے بلکہ یہ قرآن کریم اور سنت رسولؐ کے علاوہ عقلی نظام کی عکاسی کرتا ہے جس کے تحت نظام ولایت فقیہ دین و شریعت کی سربلندی کے ساتھ مسلمانوں کی عزت کا داعی و ضامن ہے۔

تاریخ اسلامؑ میں مقام و منصب سے عدم دلچسپی، بے توجہی یا بے رغبتی صرف اور صرف دو گروہوں کے حصے میں آئی، ایک حلقہ اس سلسلے میں صلاحیت و اہلیت سے بالکل عاری تھا جسے یہ یقین تھا کہ وہ ایسے مقام و منصب کو کسی بھی وقت نہیں سنبھال سکیں گے دوسری وہ ہستیاں ہیں جنھیں اس مقام و منصب کو حاصل کرنے

---

۱؎ [ فواللہ ما کنزت من دنیاکم تبراً ولا ادخرت من غنائمها وفراً ولا اعددت لبالی ثوبی طمراً و لاخزت من ارضها شبراً ولا اخذت منه الا کقوت اتانٍ دبرة ولهی فی عینی اوهیٰ واهون من عفصة مقرة بلیٰ کانت فی ایدینا فدک من کل ما اظلته السماء فشحت علیها نفوس قوم وسخت عنها نفوس قوم آخرین ونعم الحکم اللہ وما اصنع بفدک و غیر فدک والنفس مظانها فی غدجدت تنقطع فی ظلمته آثارها وتغیب اخبارها و حفرة لوزید فی فسحتها واوسعت یدا حافرها ل اضغطها الحجر المدروسد فرجها التراب المتراکم (نہج البلاغہ کتب ۴۵ جوادی ص ۵۵۷)]

کیلئے بھاری شرائط کا سامنا کرنا پڑا، وہ ان شرائط کو قبول کرنے کو اپنے دین ودیانت کیلئے خطرے سے خالی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسلام و مسلمین کیلئے بھی نقصاندہ سمجھتے ورنہ عادی حالات میں اس کے حصول کیلئے کاوش، جدوجہد کرنے میں قرآن وسنت کے حوالے سے کوئی قباحت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ نے مہاجرین سے شکایت کی تھی کہ خلافت اسلامی کے انتخاب میں ہمیں نظرانداز کیا گیا، حضرت عمرؓ کی تعین کردہ چھ رکنی شوریٰ میں خود کو شریک کیا لہٰذا اسے حاصل کرنا ایک مسلمان کیلئے کفر کے برابر ہوا ایسی کوئی شرط قرآن وسنت میں نہیں آئی۔

قرآن کریم، نہج البلاغہ اور سیرت آئمہ طاہرینؑ کی روشنی میں سبّ وشتم کی مخالفت کرنا بھی جرم ہوجائے تب بھی ہمارا حشر ان لوگوں سے زیادہ برا نہیں ہوگا جنہوں نے مذہبی مقام ومنصب کی طاقت پر کفر والحاد کا پودا لگایا اور اس کی آبیاری کی۔

**۵** اتنی عرق ریزی کر کے مصادر نکال کر خلفاء سے دفاع کر کے کس کو خوش کیا اور کس کو دکھ دیا یا یہ کس کے فائدے اور کس کے نقصان میں ہے؟

**جواب :**

صاحبِ صداقت وامانت اور طہارت وپاکیزہ ذوات کے بارے میں جعلیات گھڑ کر اور گمنام اور بے سند روایتوں کو پیش کر کے لوگوں کو رُلانے کی خاطر توانائیاں ضائع کر کے کس کی خدمت کی جارہی ہے ؟

دنیا کے سامنے اہل بیتؑ کو محبوب وپسندیدہ بنایا یا خود شیعوں کو اسی طرح اسلام کو عزیز وموقر رکھا گیا یا دنیائے کفر وشرک کو خوش کر کے ان سے مرحبا لیا گیا ؟

**٦** آپ کی کتابوں میں جابجا خلفاء کا دفاع کیا گیا ہے جو کہ درست نہیں ؟

**جواب :**

یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ خلفاء کی حمایت اور دفاع کی بنیاد پر لکھا ہے کیونکہ ہم پہلے مسلمان اور قرآن وسنت کے تابع ہیں اس لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ قرآن اور سنت رسولؐ میں کن لوگوں سے اور کس بنیاد پر عداوت ودشمنی اور دوری اختیار کرنے کیلئے واضح نشاندہی کی گئی ہے۔

دوسرے مرحلے پر ہم نبی کریمؐ کے برگزیدہ اہل بیت اطہارؑ حضرت علیؑ، حضرات حسنین علیہما السلام اور ان کے بعد آنے والے آئمہ طاہرینؑ کی سیرت کا پیرو ہونے پر افتخار کرتے ہیں۔ ہمارا کہنا ہے کہ کوئی بھی موقف و سلوک کے سلسلے میں قرآن وسنت اور ائمہ طاہرینؑ کی سیرت کی طے کردہ حدود میں رہتے ہوئے اختیار کرنا چاہیے۔

آیا ہمارے ہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ قرآن کریم، سنت نبیؐ اور سیرت آئمہ طاہرینؑ کی روشنی میں ہو رہا ہے؟ یا یہ سب کچھ ماضی کے شکست خوردہ اور دورِ حاضر میں مقدرات اسلام پر غالب کفار و مشرکین کے اشاروں سے ہو رہا ہے! ہمارے موجودہ رویے سے مسلمانوں کو دھچکا لگتا ہے جس کے نتیجے سے دنیائے کفر و شرک خوشی محسوس کر رہی ہے؟ اور ہمارے اس بے بنیاد و بے جواز عمل سے جہاں ایک طرف اسلام کے اصول و فروغ دنیا میں گم نام ہوئے ہیں جبکہ دوسری جانب امت اسلامی خاص کر ملت تشیع کو نا قابل برداشت نقصان پہنچا ہے، یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اپنے تعارف کے اظہار کے بعد انھیں مناسب جگہوں پر کرائے کا مکان بھی نہیں مل سکتا ہے؟

# دینی درسگاہوں

## سے متعلق شکوک وشبہات کے جواب

یہ کہنا کہ دینی درسگاہوں میں دین نہیں اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ دینی مدارس میں پڑھنے والے دین و دیانت کیلئے نہیں پڑھتے کیونکہ ان درسگاہوں میں کم سے کم وہی افراد آتے ہیں جو دین ودیانت سے وابستہ ہوتے ہیں لیکن اس وقت اکثر لوگ رہائش حاصل کرنے کیلئے یہاں آتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ عمارت دینداروں کیلئے بنائی تو گئی ہے لیکن ہمارا بھی اس میں حق ہے اور اس میں کیا حرج ہے کہ اگر ہم بھی یہاں کی سہولیات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی مروجہ تعلیم کو جاری رکھیں۔

یہاں ہمارا مقصد یہ کہنا نہیں کہ طلبا بے دین ہوتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان مدارس کے رائج نصاب میں قرآن وسنت کو بطور نصاب نہیں پڑھایا جاتا ہے ان درس گاہوں کے قائدین، مالکان، اساتید اور شاگردوں کا اصرار ہے کہ یہاں دین ہی کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان کی ''دین'' سے مراد صرف ونحو، منطق اور فلسفہ ہے ان کے بقول یہی چیزیں دینی علوم کی اساس ہیں جبکہ بزرگ علماء کا کہنا ہے کہ یہ علوم دین کے مقدمات واساس ہیں جن کو پڑھے بغیر کما حقہ دین نہیں سمجھا جاسکتا، ہم بھی اس حوالے سے ان سے اتفاق کرتے ہیں کہ یہ چیزیں علومِ اسلامی سمجھنے کیلئے تمہید اور مقدمے کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن سوال یہ ہے ان درس گاہوں کے قیام سے لے کر اب تک، مدرسہ چھوڑنے یا وہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے بعد بھی مقدمات سے کیوں نہیں نکلتے ؟ اسی خاطر ان کے فارغ التحصیل اصل دینی نصاب کو دور سے بھی نہیں چھوئے ہوتے یا جن بنیادی باتیں کا ورد کر کے فارغ ہوتے ہیں ان کے فوائد مدرسہ وحوزہ کی چار دیواری تک محدود ہوتے ہیں۔

بنیادی باتوں سے نہ ہمیں کوئی اعتراض ہے اور نہ کسی اور کو ہے بلکہ سب کا ان پر اتفاق ہے لیکن حقیقت یہ ہے جس بنیاد پر دین کی عمارت کو کھڑا ہونا چاہیے تھا اگر اس پر دین کی عمارت قائم نہ کیا گیا تو اس بنیاد کی بھی کوئی قیمت نہیں، جب ہم کہتے ہیں کہ مدارس میں دین کا نصاب نہیں تو اس سے مراد دینی مصادر ومآخذ کا فقدان ہے، دین کے مصادر، قرآن کریم اور سنت وسیرت نبیؐ ہیں یہ دونوں بطور نصاب ہماری درس گاہوں

میں نہ ہونے کے برابر ہیں جس کی وجہ سے آج ہم ذلیل وخوار ہیں۔

تقریباً نوے فیصد مدارس میں قرآن سے متعلق سرگرمیاں قرآن کی تلاوت سکھانا اور حفظ کروانے تک محدود ہیں جو بھی مدارس میں داخل ہوا اس نے قرآن کو لحن کے ساتھ پڑھا یا زیادہ سے زیادہ حفظ کیا حالانکہ صرف قرآن کی تلاوت یا اسے صرف حفظ کرنے کا اشارہ نہ قرآن کریم میں موجود ہے نہ ہی پیغمبرؐ کی سنت میں موجود روش کی تائید وسند ہے۔ قرآن کریم سمجھنے، عمل کرنے اور احکامات خداوندی کے نفاذ کیلئے آیا ہے جس کی طرف خود قرآن میں بار بار اشارہ کیا گیا ہے مگر اس جانب سے مدارس نے ایک قدم بھی نہیں بڑھایا ہے البتہ بعض مدارس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہنے کیلئے روزمرّہ جرائد، ٹی وی، کیبل، شطرنج، کرکٹ، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، انگریزی زبان سیکھنے اور ورزش وغیرہ کی سہولیات میسر ہیں۔

لیکن انہی مدارس میں درس قرآن، قرآن فہمی، قرآن پر فکر وعمل اور دعوتِ قرآن جیسے امور کی انجام دہی کیلئے کوئی سہولت موجود نہیں البتہ انہی حلقوں کی طرف سے یہ سننے میں آتا ہے کہ قرآن کریم آسانی سے سمجھی جانے والی کتاب نہیں لہٰذا اس کتاب کو سمجھنے کیلئے اہل بیتؑ کے دروازے پر جانا ہوگا جبکہ اہل بیتؑ کے دروازے پر جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے سامنے موجود ہوں اور ہم ان سے از خود جا کر قرآن کریم کی تفاصیل کو دریافت کر سکیں لیکن یہ ذوات دورِ حاضر میں ہماری نظروں سے غائب ہیں اور ان تک ہماری رسائی بھی نہیں، گویا یہ باتیں ارباب مدارس اور دیگر حضرات کی طرف سے اٹھائی جانے والی فرسودہ باتوں میں سے ایک ہے جس کی سند نہ قرآن کریم میں ہے نہ سنت رسول اللہؐ میں۔

احادیث رسولؐ کے بارے میں روایت ودرایت کی چھان بین کیلئے سب سے پہلا نصاب سنت ہونا چاہیے لیکن کسی مدرسے میں پہلے نصاب کے عنوان سے ایسی کوئی کتاب نہیں، یہ وہ مظلوم علم ہے کہ عام طلاب تو چھوڑیں فقہاء ومجتہدین بھی درس خارج کے دوران اس پر ضمنی گفتگو کر کے گزر جاتے ہیں، کبھی راوی کے بارے میں معمولی اظہارِ نظر فرماتے ہیں تو کبھی متن حدیث کے بارے میں مختصر بحث ہوتی ہے اور کوئی سنجیدہ طالب علم اس پر ذرا توجہ دیتا بھی ہے تو صرف فقہی مسائل کیلئے سنت سے کچھ معلومات حاصل کرتا ہے ورنہ درس خارج تک پہنچے بغیر درس گاہیں چھوڑ کر میدانِ عمل میں کود پڑتے ہیں جہاں وہ امام وخطیب یا کسی نہ کسی مدرسے کے مدرس بن جاتے ہیں، وہ دین کے بارے میں ان کتابوں کا حوالہ دینے پر اکتفا کرتے ہیں جو ناقص، نامعقول اور جعلی روایتوں کا ایک طرح سے مجموعہ ہیں اور ہر مصنف کے مقام ومنزلت کی شعاعیں

کتابوں پر لگا کر اپنے مدعا کو نا قابل تردید انداز میں پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے ان کے بقول فقہ کی کتاب اگر ہمارے مصنفین کی ہو تو وہ غیر مستند نہیں ہو سکتی لیکن اگر کتاب فریقِ مخالف یا دوسروں کی تحریر کردہ ہو تو اس کتاب کیلئے جتنے بھی کلمات استہزاء ومذاق اور تمسخر ہیں استعمال کرنا درست ہے۔

**۱** آپ خود مدارس پر تنقید کرنے کی بجائے ایک نمونہ ومثالی مدرسہ قائم کیوں نہیں کرتے؟

**جواب :**

دنیا میں ادنیٰ عقل وشعور رکھنے والا اور ناکام ثابت ہونے والا مزید ناکام تجربہ کرنے سے گریز کرتا ہے، دینی مدارس کے قیام کا اصل مقصد ہر حوالے سے ناپید ہو چکا ہے جسے دہرایا جانا دین کے فائدے میں تو قطعاً نہیں البتہ صرف نالائق، بے روزگار انسانوں کے گزراوقات اور دال روٹی کے بندوبست کی خاطر مزید مدارس بنائے جاسکتے ہیں قارئین کرام مدارس کی ناکامی کے معاملے کے متعلق مزید تفصیل سے جاننا چاہتے ہیں تو ذرا مختصر سا وقت نکال کر ہمارا ساتھ دیں۔

۱۔ ویران خرابوں میں ایک اور خرابہ کا اضافہ :

ملک میں قائم انتہائی شان وشوکت اور آرائش وآسائش کے حامل مدارس میں طالب علموں کی خاطر خواہ موجودگی نہ ہونے کے برابر ہے، جہاں غالباً ۳۰۰ طلبا کیلئے گنجائش والی جگہوں پر صرف (۱۰۰) یا زیادہ سے زیادہ (۱۵۰) طلبا زیر تعلیم ہوتے ہیں اور ۱۵۰ نشستیں خالی ہوتی ہیں، اس کے تحت اگر فرض کریں کہ ایک شہر میں ۲۰ مدرسے قائم ہیں تو دو ہزار طلباء کی جگہ اب بھی خالی ہے اس صورت حال کے پیش نظر ہماری طرف سے بھی ایک مدرسہ قائم کیا جانا انہی ویران خرابوں میں ایک اور خرابہ کا اضافہ ہوگا۔

۲۔ بانیانِ مدارس کا احساسِ شرمندگی :

اچھی خاصی مقام ومنزلت اور شہرت رکھنے والے ارباب مدارس اپنے مدرسے کو "خالص دینی مدرسہ" کہلوانے سے شرماتے ہیں وہ اس شرمندگی کو دور کرنے کیلئے درج ذیل اصلاحات کا اعلان کرتے ہیں، کم از کم ان میں سے ایک اصلاحی پہلو ہر مدرسہ میں آپ کو ملے گا :

الف)۔ ہمارے مدارس میں دینی نصاب کے ساتھ ساتھ جدید تعلیمات کیلئے کالج اور یونیورسٹیوں

میں بھی داخلہ لینے یا امتحان دینے کی سہولت موجود ہے۔

ب)۔ ہمارے ہاں کمپیوٹر سیکھنے کے مواقع بھی ہیں۔

ج)۔ مدرسے میں عربی زبان کے ساتھ انگریزی بھی سکھائی جاتی ہے۔

د)۔ ہمارے مدرسہ میں ورزش کی تمام اقسام جیسے فٹ بال، والی بال، کرکٹ اور کراٹے وغیرہ کی سہولتیں موجود ہیں۔

خ)۔ ہمارے مدرسے سے فارغ ہونے والوں کیلئے حوزہ علمیہ قم میں خوابگاہ کی سہولت بھی میسر ہے۔

۳۔ خود مختاری :

بہت سے بانیانِ مدارس کا دعویٰ تھا اور ہے کہ ان کے مدارس خود مختار اور مستقل آزاد ہیں جنھیں وہ اپنی مرضی سے چلا رہے ہیں اور چلائیں گے لیکن تجربے نے ثابت کیا ہے کہ کوئی بھی بانی نہ تنہا اپنے اس دعوے اور وعدے پر قائم رہ سکا بلکہ وہ اس خود مختاری کو چند دین افراد کیلئے فروخت یا حوالے کرنے پر مجبور ہے اور ایسا ہو رہا ہے۔

الف)۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض اربابِ مدارس اپنا مدرسہ بنانے کے بعد اسے کسی شخص یا افراد کو چند سال کیلئے ٹھیکے پر دینے کا سلسلہ شروع کیا ہے جو اپنی جگہ مدارس اور دین کی حالت زار کی دلیل ہے۔

ب)۔ غیر منطقی توجیہات کے ساتھ اربابِ مدارس دینی نصاب کے فقدان کا اعتراف کرتے ہیں۔

ج)۔ فارغ التحصیلات مدارس اور حوزات علمیہ کی دینی خدمات سے مایوس ہیں۔

حوزات و مدارس دینی کے بڑے بڑے اساتید اور ان کے شیداء و فریفتہ شاگردان سربازانِ امام زمانؑ اس بارے میں اظہار کرتے ہوئے تین اہم نکات کی وضاحت فرماتے ہیں :

(۱)۔ قرآن کریم ہمارے لئے قابل فہم و درک کتاب نہیں کیونکہ وہ آئمہ طاہرینؑ سے مخصوص ہے۔

(۲)۔ نہ ہم نبی کریمؐ اور نہ ائمہ طاہرینؑ کی قطعاً تاسی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ معصوم تھے۔

(۳)۔ امر معروف اور نہی عن المنکر کیلئے اثر اور فائدہ ہونے کی امید اور قدرت دو شرائط ضروری ہے جو ہم میں نہیں ۔ اثر نہ ہونے کا ثبوت ان کا دعوائے علم غیب ہے انھیں کیسے معلوم ہوا کہ اثر نہیں ہوگا تاہم جو چیز ان میں نہیں ہے وہ علم قرآن اور سنت ہے جسے انھوں نے بدقسمتی سے پڑھا ہی نہیں۔

اس وضاحت کے بعد اب مدارس دینی کے قیام کی ضرورت خود بخود اس اصول کے تحت ختم ہو جاتی ہے۔

جب ان اربابِ مدارس سے ببانگِ دھل اور صریح الفاظ میں پوچھا جاتا ہے کہ آپ کے مدرسہ میں خالص دینی نصاب کیوں نہیں ہے؟ تو وہ پہلے تو اسے تسلیم کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں دین سکھانے کیلئے بنیادی ومقدماتی علوم سکھائے جاتے ہیں لیکن ان سے دوسرے مرحلے کے بارے میں پوچھا جائے کہ خالص دین کہاں سکھایا جاتا ہے تو ان کے پاس خاطر خواہ جواب نہیں ہوتا۔

بعض اربابِ مدارس کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم اپنے مدرسے میں خالی الذہن افراد تیار کرتے ہیں ان کی یہ بات اپنی جگہ صداقت پر مبنی ہے کیونکہ یہاں سے فارغ التحصیل افراد کے ذہن میں ''دین'' سے متعلق کوئی چیز نہیں ہوتی ہے اور اگر یہی طریقہ صحیح ہے تو دینی مدرسے کا قیام اس انسان کیلئے بھی کوئی قبیح ومذموم نہ ہوگا جسے سوالات کے جوابات دینے کی بجائے لاجواب رہنا گوارا ہو، تاہم اگر کوئی سوال کا جواب نہ دے سکنے پر شرمندہ ہونے کی فطری حس اور عنصر رکھتا ہے تو وہ ہرگز ایسا کام نہیں کرے گا۔

**۲** ہم پر ہونے والا ایک اعتراض یہ ہے کہ آپ خود کوئی ایسا مدرسہ قائم کیوں نہیں کرتے جو موجودہ خامیوں سے پاک ہو؟

**جواب :**

ایک معمولی عمارت، چند طلباء، مدرسے کی عمارت کا کرایہ، بجلی، گیس اور ٹیلی فون کے علاوہ صرف طلباء کے طعام وغذا کی ضروریات کو پورا کرنے جیسے کاموں سے کسی کو انکار نہیں۔ اس کیلئے کتنی رقم درکار ہوگی اس کا اندازہ ہر انسان آسانی سے لگا سکتا ہے لہٰذا اتنی مقدار رقم کے حصول کیلئے کسی سرمایہ دار سے رابطہ رکھنا تقریباً یقینی ہے، ان کی طرف سے متعلقہ رقم کی ادائیگی کیلئے عائد کی جانے والی شرائط سب پر واضح ہیں وہ اپنی تعریف و توصیف یا موقع محل پر اپنا تعارف اور مرحومین کیلئے نام لے کر فاتحہ سے کم پر راضی نہیں ہوتے ہیں۔

دوسری جانب ان کی بنیادی شرائط یہ ہوتی ہیں کہ صرف سادہ، سیوطی اور مختصر المعانی جیسی کتابوں کا امتحان لیا جائے اور اچھے نتیجہ حاصل کرنے والے کو ہی شہریہ دیا جائے لیکن اگر کوئی اضافی طور پر نصاب میں قرآن و سنت اور حدیث شامل کرنا چاہتا ہے تو سرپرست ومدرسین کی اپنی مرضی ہوگی البتہ اس بنیاد پر کوئی شہریہ نہیں ملے گا اب بتائیں کہ دونوں گروہوں کی طرف سے درس قرآن وحدیث سے لاتعلقی اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ

کرنے کے باوجود ان سے امیدیں وابستہ کر کے مقاصد کے حصول کیلئے مدرسہ قائم کریں تو کیا مدرسہ فضا میں معلق نہیں رہے گا؟ کیا ممکن ہے کہ اس کی بنیادیں زمین میں جڑ پکڑ سکیں ؟

**۳** بعض دانشمند دوستوں کا اندازِ اعتراض دیگر متعرضین سے قدرے مختلف ہے اور ان کے اعتراضات دو پہلوؤں پر مشتمل ہیں :

۱۔ یہ کہنا درست نہیں کہ دینی مدارس میں قرآن وحدیث نہیں پڑھائی جاتی بلکہ وہاں دونوں کا درس ہوتا ہے۔ ۲۔ آپ کی تقریر وتحریر ہمیں سمجھی نہیں آئی۔

**جواب :**

اگر کوئی انسان مجھے جھوٹا قرار دے تو میں اپنے آپ کو اس کیلئے سچا کیسے ثابت کروں، کیا اپنی بات کی سچائی کو ثابت کرنے کیلئے قسم کھاؤں، لیکن قرآن کریم میں اس طریقہ کار کی مذمت آئی ہے لیکن اگر گواہ پیش کروں تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی جھوٹا ہے، سوال کا دوسرا پہلو بھی اسی نوعیت کا ہے اگر کوئی پہلے سے ہی یہ فیصلہ کر کے آئے کہ ہماری باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں یا انھوں نے سمجھنا ہی نہیں ہے تو ایک انسان کیا کر سکتا ہے؟

# عزاداری

## سے متعلق سوالات واعتراضات کے جواب

تاریخ قوموں کا نسب ہے جہاں وہ عرصۂ وجود میں قدم رکھتی ہیں، مسلمانوں کا نسب پیغمبر اسلامؐ کی دعوت سے ملتا ہے یہی ان کے مجد وعظمت اور عروج وزوال کا روزنامچہ ہے کیونکہ گذشتہ دور کو سامنے لاکر اس سے اپنے دور کا موازنہ ومقابلہ کرایا جاتا ہے اسی زاویۂ نگاہ کے تحت حیات امام حسینؑ تاریخ اسلام کا ایک جلی وظاہر عنوان اور نا قابل فراموش باب ہے اس کے متعلق کسی نہ کسی صورت میں قرآن کریم اور سنت رسولؐ کے دائرے میں بحث وتحقیق کرنا ہر فردِ مسلمان کی ذمہ داری ہے تاکہ صحیح نقطۂ نظر کو سامنے لایا جاسکے لیکن بدقسمتی سے بعض نے پہلے دن سے پورے قیام ونہضت امام حسینؑ کو شعر وشاعری میں محو کیا ہے اب اس میں قرآن وسنت اور تاریخ نامی کوئی چیز نہیں رہی اور بعض احمقوں اور نادانوں نے راہِ انحراف کو اپناتے ہوئے مجوسی ومسیحی فکر کے ذریعے اس کی تفسیر کرنا شروع کردی ہے چنانچہ یہ صفحہ اپنوں اور اجنبیوں سب کیلئے حل نہ ہونے والے مسائل کا مجموعہ بن گیا ہے جیسا کہ بعض پائے کے علماء عزاداری کو اصولِ دین میں شمار کرتے ہیں، وہ بھی ایسا اصول دین جسے اپنانے کے بعد ہر قسم کے حلال وحرام سے انسان مادر پدر آزاد ہوجاتے ہیں، علاوہ ازیں یہاں منبر سے تمام فروعاتِ اسلام کے معطل اور منسوخ ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔

بہت سے برادران کی جانب سے ہم پر تنقیدات کے تیروں کی بارش برسائی جاتی ہے کہتے ہیں :

**۱** اگر یہ سب چھوڑ دینگے تو کیا چیز رہ جائے گی؟ یا یہ کہہ کر دبانے کی کوشش کرتے ہیں اصل میں آپ عزاداری ہی کو بند کرنا چاہتے ہیں ؟

**جواب :**

عزاداری کے بارے میں رائج جعلی روایتوں کے مخدوش قرار پانے کے بعد ہم عزاداری کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں :

۱۔ امام حسینؑ کے قیام مقدس کی صحیح تاریخ اوراس کے اسباب وعوامل اورمحرکات کے بارے میں فہم و ادراک حاصل کرنے کوعزاداری کہتے ہیں،ہمیں اس عزاداری کے خلاف گردانناد ن کورات اور رات کودن کہنے کے مترداف ہوگا کیونکہ ہم نے طویل عرصہ سے اپنی زبان وقلم کے ذریعے عزاداری کے حقیقی اوراصلی چہرے کوروشناس کرایا ہے،جس کا ثبوت ہمارے ادارے کی عزاداری کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں ملے گا۔

۲۔ موجودہ رائج عزاداری کا بذات خودامام حسینؑ اورآپؑ کے قیام سے دور کا بھی تعلق نہیں کیونکہ اس کی تفسیر وتوجیہ، بانیانِ عزا،ان کی اصل ونقل اوراس پر قائم مفروضات کے تحت اہداف و مقاصداورخودعزاداروں کی نقل وحرکت قرآن وسنت سے ٹکراؤ رکھنے کے ساتھ ساتھ مزاجِ شریعت سے بھی متصادم ہے،موجودہ عزاداری نہ دین ودیانت اورنہ ہی ملت کے فروغ کیلئے مفید ہے بلکہ دونوں کودبانے اوردفنانے کا طریقہ کارثابت ہورہی ہے کیونکہ اس کے مشخصات وپہچان بھی کچھ اسی طرح سے ہے۔

الف)۔موجودہ عزاداری میں رونے رلانے کیلئے کہی جانے والی باتیں، قصے، کہانیاں،افسانہ اور مفروضات پر مشتمل ہیں،ان مفروضات وکہانیوں میں جن افراد کے نام لئے جاتے ہیں تاریخ میں کہیں بھی ان کا نام ونشان نہیں پایا جاتا ہے جیسے خودساختہ اورجعلی زوجاتِ امام حسینؑ شہربانو،ام حبیبہ،شیرین ،ہندہ ،اربنب مطلقہ امام حسینؑ اورامام حسینؑ کی مفروضہ وعلیلہ دختر،خرابہ شام میں مدفون یتیمہ اورطفلانِ مسلم وغیرہ۔

ب)۔عزاداری کے دوران مجالس میں پڑھے جانے والے اکثروبیشتر مرثیے اورنوحے اسلام سے ناآشنایا مشکوک الایمان شعراء کے انشاء کردہ ہیں کیونکہ قلبِ جہلا ومنافقین کے منہ سے معصوم معارف وحقائق نہیں نکل سکتے ہیں لہٰذا یقیناً اسی کوعزاداری قرار دینا معصوم کی اہانت ہے۔

بانیانِ عزاء :

بانیانِ عزاء خاص افراد یا خاص علاقے کے لوگ نہیں اسی طرح جہاں کہیں بھی عزاداری ہووہاں انتظام و انصرام کرنے والے،دین ودیانت اورامام حسینؑ سے عشق ومحبت کرنے والوں سے یہ پوچھا جانا چاہیے کہ عزاداری کی مدمیں آنے والی نذورات ورقومات کہاں سے آئی ہیں اورکس کی اجازت سے اورکیسے خرچ کی

جارہی ہیں یا پھر کن لوگوں کا پیٹ بھرا جارہا ہے ؟

جو عزاداریا انجمنیں دستۂ حسینی کے نام سے سینہ کوبی اور زنجیر زنی کے نام سے مشہور ہیں وہ معاشرے میں صوم وصلاۃ، دین ودیانت اور حرام وحلال میں تمیز کرنے کے حوالے سے شریعت کے کس حد تک پابند ہیں؟ ان کے آثار دین ودیانت ایّام عزا کے علاوہ بھی دکھائی دیتے ہیں؟۔

الف)۔ یہ جاننا ضروری ہے، خطیب ومقرر اور ذاکر، امام حسینؑ کے بارے میں کتنی کتب رکھتے ہیں اور کس حد تک ان کا مطالعہ کرتے ہیں، اسلام کے اصول وفروع کے متعلق کتنا جانتے ہیں تا کہ قیام ونہضت امام حسینؑ کو اصول وفروعِ اسلام سے جوڑ کر پیش کرسکیں؟ تاہم ایسے افراد منابر عزاداری امام حسینؑ پر نایاب ہیں۔

ب)۔ دین اسلام کا حقیقی امتیاز وتعارف اس میں ہے کہ وہ انسانی حقوق کا احترام کرتا ہے جس عزاداری میں دوسروں کے حقوق پامال ہوتے ہوں، دوسروں کی مرضی اور رضامندی کے بغیر ان کی عبادت گاہوں کے سامنے سے گزرا جاتا ہو، یقیناً ایسا عمل امام حسینؑ اور آپ کے جدامجد رسول اللہؐ کیلئے کبھی بھی قابل قبول نہیں ہوگا ایسی حرکتوں کی سند قرآن وسنت اور شریعت میں بھی نہیں ملے گی اگر ہم نے عزاداری کے بارے میں زبان وقلم کو استعمال کیا ہے تو وہ اسی طرز عزاداری سے متعلق ہے اگر عزاداری اسلام سے مربوط ہے اور اس کے ذریعے دین کو فروغ دیا جانا چاہیے تو اسے جھوٹ اور باطل ذرائع سے برپا کرنے کی کیا منطق ہے؟ کیونکہ دین کی بنیاد صداقت پر مبنی ہے عزاداری امام حسینؑ تاریخ میں وقوع پذیر ہونے والے ناقابل تردید قیام ونہضت کا نام ہے لیکن اس کا بیان پورے کا پورا جھوٹ، مفروضہ اور افسانہ، فرضیات پر مشتمل ہوتا ہے، عزاداری شہر بانو، طفلانِ مسلم، ام حبیبہ وغیرہ کے نام سے منائی جائے یا امام حسینؑ کے قیام کے مقاصد کو سمجھنے کیلئے برپا کی جائے؟ اگر مقصد قیام امام حسینؑ کو شریعت کی تعطیل اور گناہوں کی بخشش جیسے تصورات سے رونق دی جائے تو یہاں امر بالمعروف اور نہی از منکر نہیں ہوگا جب کہ امامؑ نے فرمایا کہ میں نہی از منکر اور امر بالمعروف کرنے کیلئے نکل رہا ہوں۔

ہماری جدوجہد دین ومذہب کو زندہ کرنا ہے اس دنیا میں کوئی فقیہ، مجتہد یا عالم ایسا نہیں ہوگا جو اوامر ونواہی

کے تمام فصول پر احاطہ رکھتا ہو یا تمام تقاضے پورے کرتا ہو اگر اس میں تمام شرائط کے ہونے پر یقین ہونا ناگزیر ہے تو سمجھ لیں کہ یہ ایک ناقابل عمل فریضہ ہے۔

یہ تمام خرافات ایک دو صدی کی پیداوار ہیں لہٰذا اس کی واضح دلیل عزاداری میں رائج خرافات کے بارے میں سوال اور استفتاء کا سلسلہ ہے جس کا آغاز پہلی بار آیت اللہ نائنیؒ کے دور میں ہوا اس سے پہلے کسی بھی مجتہد سے اس قسم کے سوالات نہیں کئے گئے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں ان سے پہلے نہیں تھیں اگر اس پر غور کیا جائے تو اس کی ایک چھوٹی سی مثال اس علاقے میں پائی جاتی ہے، ہمارے علاقے میں سابق زمانے میں سواری اور تانگہ کیلئے استعمال ہونے والے گھوڑے کو سال میں دو دفعہ امام حسینؑ کے ذوالجناح کے نام پر جلوس میں لایا جاتا تھا لیکن گذشتہ ایک عرصے سے مشرکین کی بت پرستی کی سنت کو تازہ کرتے ہوئے ایک گھوڑے کو وہاں کے علمائے اسلام سے زیادہ خوراک کی سہولیات کے ساتھ خدمت گزار رکھ کر پالنے کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے، کیا یہ انھی تین چار سالوں کی پیداوار نہیں ہے؟ اسی علاقہ میں علم صرف آٹھ محرم کو نکلتا تھا اور اس کے بعد اس کے وجود کا پتہ تک نہیں چلتا تھا، اس کا ڈنڈا عام استعمال میں آتا تھا اور کپڑا صندوقوں میں بند ہو جاتا تھا لیکن اب یہ ہر جلوس میں نظر آتا ہے اور اسے آئے روز بلند و بالا کیا جا رہا ہے اور اس کے نیچے صندوق رکھے جا رہے ہیں یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے؟ امام حسینؑ کے نام گرامی کو بنیاد بنا کر کفر و شرک اور مذہبِ باطلہ کی ثقافت کو فروغ دیئے جانے کے کئی ایک مظاہر ملیں گے ان میں سے ایک نمونہ یہ ہے برصغیر پاک و ہند کے بعض علاقوں میں دس (۱۰) ہاڑ کو امام حسینؑ کے نام پر مناتے ہیں جو کہ ہندوؤں کی تقویم میں ایک مہینہ ہے جس میں سخت گرمی پڑتی ہے۔ ہاڑ کی دسویں منانے والوں کی منطق یہ ہے، کیونکہ امام حسین سخت گرمی کے ایّام میں شہید ہوئے جو کہ مطابق ہندی تقویم ہاڑ کی دس بنتی ہے تو ہمیں سی سم کا احیاء کرتے ہوئے اس کو منانا ہے جبکہ ہمارے بلتستان میں یوم عاشورہ کے نام سے ''اسد'' میں منایا جاتا ہے جو کہ ایرانی مجوس کے مہینوں میں سے ایک کا نام ہے اور مجوسیوں کے سال کا آغاز ''حمل'' سے ہوتا ہے یعنی حمل ان کا پہلا سال ہے ایران میں اس وقت یہ مہینہ ''فروردین'' کے نام سے ملتا ہے مسلمانوں کی زندگی کو شمسی مہینوں پر چلانے کو قرآن کریم کی سورہ توبہ کی آیت ۳۶ میں کفر کہا گیا ہے :

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِی كِتَابِ اللهِ ..... اِنَّمَا النَّسِیءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ﴾ ''مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے

...مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر کی زیادتی ہے"۔

شعائر دین کے نام سے انجام دیتے ہیں لیکن دین کے داخلے پر پابندی ہے۔ دین سے نابلد خطیبوں کو لایا جاتا ہے اگر دین شناس ہو تو اس کو عقائد احکام ریخ اسلام قرآن وسنت سے گریز کرا کر صرف فضائل ومصائب تک محدود رکھا جاتا ہے اور کر کوئی اس حد سے تجاوز کرے تو اس کی خیر نہیں یہ پولو کھیلنے والے' نماز نہ پڑھنے والے اور ہر قسم کی برائیوں میں مصروف جوانوں کے جذبات کے سامنے تسلیم ہونے کا مظہر ہے؟۔

خ)۔آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ علماء اس سلسلے میں خاموش رہے ہیں اگر کہیں پانچ علماء تھے تو ان میں سے ایک یا دو نے ضرور اظہار نظر کیا ہے اور مخالفت بھی کی ہے لیکن نتیجتاً انہیں زندگی بھر ذلت اٹھانا پڑی ہے۔ اس حوالے سے نجف میں مرحوم آیت اللہ محسن امینؒ کے خلاف مظاہرہ کیا گیا، بصرہ میں ان کے پتلے جلائے گئے، لوگوں کی طرف سے آیت اللہ ابوالحسن اصفہانیؒ کی مخالفت کی گئی اور ھندوستان میں آیت اللہ شہید مطہریؒ کا پتلہ جلایا جانا لوگوں کی جہالت کا مظاہرہ تھا جس کو سن کر بیٹے کے سوگ میں روتی ہوئی ماں بھی ہنسنے لگے، یہ ہستیاں اسی مخالفت کی پاداش میں مرنے کے بعد گمنام ہو گئیں، اگر ان خرافات کے خلاف آواز اٹھانے والوں کی ایک فہرست ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں تو ہماری ایک کاوش مثالی عزاداری یا افق گفتگو میں ملاحظہ کریں اُن علماء کے اسماء گرامی اور حدمات پر مشتمل ہزار صفحوں کے قریب کتاب بن سکتی ہے جنہوں نے طول تاریخ میں دین مقدس اسلام کے چہرے سے گرد وغبار اور آلودگی کو اپنے عمامے سے صاف کیا ہے۔

عز وں کی جا' عزاداری پر تنقید اور اعتراضات کا ناگوار گزرنا اس وقت حق بہ جانب تھا جب عزاداری کے توسط سے دین ومذہب سے آشنائی، دین کی سربلندی اور دین کا نفاذ ہو رہا ہو اس سلسلہ کو جاری رہنا چاہیے اور ایسی عزاداری نہیں ہو تو دین سے دوری کا باعث ہوگا لیکن رائج عزاداری صرف دین کی قدر و قیمت ہی کو نہیں گراتی بلکہ ہر طرف سے دین اور دین کے بانیوں کے خلاف مزاحمت کا نام ہے جس میں انبیاء الٰہی علیہم السلام کے ساتھ مذاق تو درکنار الوہیتِ خدا کو بھی معطل کیا جاتا ہے اور صرف علیؑ کی الوہیت کا اعلان کیا جاتا ہے جن عزاداروں کو اسلامیات نامی کوئی چیز دیکھنا اور سننا گوارا نہیں ان کی عزاداری کس قسم کی

عزاداری ہوسکتی ہے یہ لوگ خودکو مدافع عزاداری اور دوسروں کو مخالف عزاداری کہہ کر آپس میں لڑا کر شیعوں کو قربانی کا بکرا بناتے ہیں پھر تحفظ عزاداری کی صدا بلند کر کے خود کو مظلوم ظاہر کرتے ہیں، جو عزاداری شیعوں کو فکر وسوچ سے روکتی ہو اور دین کو فرسودہ، مشکوک اور موہوم بناتی ہو ہماری ذمہ داری ایسی عزاداری کی صرف مخالفت ہی نہیں بلکہ اس سے بیزاری کرنا بھی ہے۔

۱۔ اصول دین یا فروعِ دین میں سے کسی ایک حصہ کو جب بھی تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو اہل دین اس معاملے کو پیچھے مڑ کر بنیاد سے اٹھاتے ہیں جن چیزوں پر آپ لوگوں نے اعتراض کیا ہے یا تنقید کی ہے اس سلسلے میں یہ بتاتا چلوں کہ ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اگر بنیاد صحیح ہو تو اس پر تنقید بلا جواز ہوگی لیکن اگر بنیاد ہی غلط ہو تو تنقید اپنی جگہ درست ہوگی۔

اس اصول کے تحت اگر ہم عزاداری امام حسینؑ کے بنیادی پہلوؤں کو اٹھائیں تو اس کی ایک بنیاد یہ ہے کہ یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کے خلافتِ اسلامی پر ولی عہدی کے ذریعے قابض ہونے پر حضرت امام حسینؑ نے احتجاج کیا اور اس قسم کے انتخابِ خلافت کو قرآن وسنت اور سیرت خلفاءِ راشدینؓ کے منافی قرار دیا۔ اسی احتجاج کی پاداش میں امام حسینؑ کا محاصرہ کر کے آپؑ اور آپؑ کے انصار کو شہید کر دیا گیا اور آپ کے اہل بیتؑ کو اسیر کیا گیا، ہم اس واقعے کی یاد اس لئے مناتے ہیں کہ ہر انسان اپنے دور میں قرآن وسنت کے منافی سرگرمیوں اور رائج ہونے والے برے اعمال کے خلاف احتجاج کرے جب ہم کہتے ہیں اگر امام حسینؑ نے قیام نہ کیا ہوتا تو آج دین باقی نہ رہتا اور قیامِ امام حسینؑ ہی سے دین باقی رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عزاداری بقائے دین کیلئے ہے نہ کہ بقائے عزاداری کیلئے ہے۔

عزاداری میں دو (۲) چیزیں بنیادی ستون کی حیثیت رکھتی ہیں :

(۱)۔ قرآن وسنت پر مبنی عزاداری قائم کرنا۔

(۲)۔ امام حسینؑ کے مقدس قیام ونہضت کو تاریخ نقلی اور علمی وفلسفی اعتبار سے بیان کرنا۔

موجودہ رائج عزاداری میں یہ دو ستون گمنام ہیں، نامِ حسینؑ کی جگہ فرضی نام رائج ہے جیسے فاطمہ صغراء امام حسینؑ کی علیل وبیمار بیٹی، مفروضہ زوجات امام حسینؑ ام حبیبہ وشہر بانو اور اس کے علاوہ کوفہ میں مسلم بن عقیل کے دو کم سن بچے ان ناموں سے مربوط قصے کہانیوں اور خوابوں نے اصل عزاداری کی جگہ لے لی ہے۔ ذاکرین اور مقررین منبر کے ذریعے مال ومتاع کمانے کی خاطر انہی فرضیات اور خوابات کو زندہ رکھے

ہوئے ہیں، اگر ایک انصاف پسند شخص یکم محرم سے عاشوراتک مسلسل مجالس سنے تو اسے ضرور یہ احساس ہوگا کہ پورے عشرے میں امام حسینؑ کا نام نہ ہونے کے برابر ہے اسے ذاکرین کی تقاریر میں کہیں بھی امام کا کوئی خطبہ، جملہ یا امام کا امت سے مطالبہ نام کی کوئی چیز نہیں ملے گی۔

امام حسینؑ کے نام پر عزاداری کا اہتمام ہوتا ہے لیکن اس میں خود امام کے کردار کے بارے میں پہلو گمنام اور تاریک ہوتا ہے اسی طرح ذاکرین مرثیہ خوانوں کے جملے، نوحوں اور مرثیوں کا اسی (۸۰ سے ۹۰) فیصد فرضیات پر مبنی ہوتا ہے انہی فرضیات و وہمیات پر نقد و اعتراض، صحیح واقعے کو اس کی اصل جگہ پر جاگزین کرنے کے مطالبے کو عزاداری کی مخالفت گردانتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ مجالس و عزاداری کے خلاف ہیں۔

مختلف گروہ کے افراد کے خدشات و اعتراضات ہمارے ذہنی تصورات، تحفظات اور اصلاحات سے متعلق نقطہ نظر کو درک نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنے بُرے عزائم اور نیات کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی بیہودہ اور سرازشی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں ان حلقوں کے عزائم یہ ہیں کہ دین میں فرسودگی، وہمیات، خیالات، بے ہودگی اور تمام رسومات کو داخل ہونے دیا جائے بلکہ اسے دین کے نام سے گھسیٹا جائے۔

ان کے بُرے عزائم اس وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب بے ہودہ شعر و شاعری کے ذریعے حتی الامکان دین کے اصلی چہرے اور اس کی حقانیت کو پوشیدہ رکھنے دین کو پیچھے دھکیلنے کی غرض سے بھرپور انداز سے شعر و شاعری کے شور و غل کو برپا کر دیں، دین و دیانت کے بارے میں کم سے کم گفتگو ہو وغیرہ۔

اسی حکمت عملی کے تحت ہر سال روز افزوں بے ہودہ شعر و شاعری میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، ہمیں اس بڑھتی ہوئی بے ہودہ شعر و شاعری پر تشویش لاحق ہے، اگر شعر و شاعری کو اسلامی رنگ دیا جائے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ شعر و شاعری کی گاڑی چار پہیوں پر مشتمل ہے جن میں سے تین پہیے انحراف گوئی پر ہیں جبکہ چوتھے پہیے کے بارے میں ممکن ہے کہا جا سکتا ہے کہ وہ دین و دیانت کی پٹڑی پر ہو اور یہ بات اظہر مّن الشّمس ہے کیونکہ شعر کے بارے میں اہل ادب کی تصریح یوں ہے کہ بہترین شعر وہ ہے کہ جس میں جھوٹ زیادہ ہو۔

جہاں تک شاعروں کا تعلق ہے تو ان کی تاریخ اس بات ک گواہ ہے کہ انھوں نے کبھی بھی دین و دنیا میں سے کسی ایک پہلو پر مسلسل نہیں سوچا بلکہ ایک رات میں ان کی سوچ کئی بار کروٹ بدلتی ہے وہ کبھی اپنے تصورات میں دین اور آئمہؑ کے دروازے پر نظر آتے ہیں تو کبھی کمائی کیلئے متعدد بار ظالمین و جابرین کی محافل کی رونق بنے ہوتے ہیں، اس سلسلے میں کسی ایک ملک و قوم کے شعراء دوسرے ملکوں اور علاقوں کے شعراء سے مختلف یا

پیچھے نہیں ہیں، شاعروں کا پورا سرمایہ الفاظ وقافیہ میں استعمال ہونے والے کلمات ہیں علم وایمان ہمیشہ ان میں کمیاب ونایاب ہی رہتا ہے تو ایسی شعروشاعری سے دین کا تعارف غلط بیانی نہیں تو اور کیا ہے؟

## اشعار یا خرافات کا دروازہ :

فضائل ومناقب اور مصائبِ آئمہ طاہرین علیہم السلام خاص طور پر حضرت امام حسینؑ کے قیام وشہادت میں خرافات و جعلیات، افسانوں اور کہانیوں کے داخل ہونے کا دروازہ اگر تلاش کیا جائے تو وہ اشعار کی صورت میں ملتا ہے۔ شعروشاعری حسبِ تصریح قرآن کریم باطل وگمراہی کے مرکب پر سوار ہے عربی ضرب المثل ہے کہ بہترین شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے ان آیات میں شاعری کی مذمت کی گئی ہے:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ اَلَمْ تَرَى اَنَّهُمْ فِى كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَاَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَايَفْعَلُونَ﴾ ''اور رہے شعراء تو چلا کرتے ہیں ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ کیا نہیں دیکھتے ہو تم کہ وہ ہر وادی میں بھٹکے ہیں اور بلاشبہ وہ کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں'' (شعراء ۲۲۴، ۲۲۶) ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِعر وَمَا يَنْبَغى لَهُ﴾ ''اور نہیں سکھائی ہم نے اس نبی کر شاعری اور نہیں تھی اس کے شایانِ شان یہ چیز'' (یٰسین ۶۹) نحل ۸۰، الحاقہ ۴۱،

خداوند متعال نے نبی کریمؐ کے وجود کیلئے شعروشاعری کو نازیبا مکروہ قرار دیا ہے، فضائل اہل بیتؑ نبی کریمؐ کے ارشادات میں ہیں اور ان کی اپنی پاک سیرت ہے، فضائل ومصائب اہل بیتؑ میں جھوٹ اور افسانے داخل کرنے والوں کیلئے سب سے آسان، بغیر رکاوٹ بلکہ استقبالیہ دروازہ شعروشاعری ہے شعر ہی کے توسط سے واقعہ کربلا نے افسانے اور کہانیوں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس کا واضح ثبوت شعراء کے تاریخی صفحات میں تلاش کریں۔ ان کے اوقات کا بڑا حصہ صاحبانِ دولت اور اربابِ اقتدار کی حدمت وثنا خوانی میں گزرتا ہے ارباب اقتدار کے گناہوں، بے پروائی اور دین ودیانت سے کروٹ لینے کو یہ ان کی مدح سرائی اور ثناخوانی کے طور پر پیش کرتے ہیں، یہ لوگ قرآن وسنت اور سیرت آئمہؑ صلحاء سے ناآشنا ہوتے ہیں، یہ آئمہؑ کی تعریف بادشاہان اور اربابِ اقتدار سے شباہت دے کر بیان کرتے ہیں گویا اصل تعریف بادشاہان اور اربابِ اقتدار کی ہے اسی طرح آئمہ پر پڑنے والے مصائب بیان کرنا ہوں تو معاشرے میں گرے ہوئے فرسودہ اور انپڑھ ونادان لوگوں کے مصائب کے موقع پر بے صبری، وواویلا سے تشبیہ دیتے ہیں۔

ان کے مصائب کو معاشرے کے گرے ہوئے لوگوں کے مصائب سے جوڑ دیتے ہیں اگر ان کی سند تلاش کی جائے تو یہ نہ قرآن کریم کی آیات سے مطابقت رکھتی ہے، نہ سنت رسولؐ اور نہ ہی آئمہ طاہرینؑ کی سیرت سے، بدقسمتی سے تمام مجالس ومحافلِ میلاد وشہادت شعروشاعری میں محوو ناپید ہیں۔ان میں آیاتِ قرآن اور سنت وسیرت نامی کوئی چیز نظر نہیں آتی اگر کوئی خطیب خطبہ دیتا ہے یا نثر پڑھتا ہے تو اس کا مصدر ومآخذ ملک میں رائج اشعار پر مشتمل ہوتا ہے۔

## شعراء کا دین وایمان :

شعراء کی سوانح حیات کا اگر دین وایمان کے حوالے سے جائزہ لینے کی کوشش کی جائے تو اربابِ اقتدار کے دروازوں پر دستک دینا' ان کے صدقات اور احسانات کیلئے تملق وچاپلوسی کرنا' چند پیسوں اور خلعت کیلئے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر کے بیان کرنا' سنگریزے کو ستارہ قرار دینا اور غصہ کے وقت اپنے مخالفین پر کینہ وحسد کی وجہ سے دشنام وتحقیر پر مشتمل اشعار پڑھنا ان کی سیرت ووطیرہ رہا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پوری تاریخ میں شاعری سے دین کو فروغ ملا ہے تو یہ بات ایسے ہی بے بنیاد ہے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ اس ملک میں علماء نے علم جاہلوں سے سیکھا ہے یا یہ کہ صداقت جھوٹوں سے سیکھی جاتی ہے اگر کوئی شخص جو خدا کو حاضر وناظر سمجھتا ہے اور قیامت کے روز عدالتِ خدا میں پیش ہونے پر اس کا ایمان ہے تو ان کو چاہیے کہ وہ محافل ومجالس سے شعروشاعری کو بے دخل کر کے اس کی جگہ بر آیاتِ قرآن کریم، احادیث نبی کریمؐ کو جاگزیں کرے، دین میں خرافاتی چیزیں اس دن سے سرایت کرنے لگیں جب مجالس ومحافل کی مرکزیت وصدارت شعراء ورشاعری کو حاصل ہوئی چنانچہ اہل بیتؑ پر مبنی چہرہ حقانیت انہی اشعار کی وہمی وخیالی دھند میں ڈوبا ہوا ہے، اب کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ کسی اجتماع میں اہل بیتؑ کے چہرۂ طیبہ وطاہرہ کی اصلی صورت کو بیان کر سکے

امام حسینؑ بقائے دین کیلئے قربان ہوئے ہیں جبکہ شعراء وذاکرین کے بقول امام حسینؑ امت کے گناہ گاروں کو بخشش دلانے کیلئے شہید ہوئے گویا امام حسینؑ مجرمین، امت کے گناہ گاروں اور فاسقوں پر قربان ہوئے ہیں، یہ لوگ ایک طرف سے بقائے دین کی بجائے دین کی تنسیخ وتعطیل کی بات کرتے ہیں دوسری جانب یہ اہل بیتؑ کی عظمت وبزرگی کو بیان کرنے کی بجائے اپنے مقام کو بلند کرتے ہیں جیسا کہ یہ کہتے

ہیں حضرت زہرائے مرضیہ سلام اللہ علیہا مختلف کاموں کی انجام دھی کیلئے مختص ہیں مثلاً عزاداروں کے جوتوں کی جگہ بیٹھنا یا پھر عزاداروں کے آنسو صاف کرنے کیلئے رومال لے کر بیٹھنا وغیرہ۔

اگر عزاداری میں خرافات وجعلیات کو تاریخی کتابوں اور راویوں کی طرف نسبت دے کر بیان کیا جاسکتا ہے تو دیگر اصولِ عقائد اور ابواب فقہ میں اس طریقہ کو کیوں نہیں اپنا سکتے ؟ اگر صحیح اور غلط کی کسوٹی نسبت دے کر پڑھنے یا بغیر نسبت پڑھنے میں ہے تو جن مجتہدین کا آپ دفاع کرتے ہیں ان کی کیا ذمہ داری ہے اور ان کا کیا کام ہے؟ اسی طرح صدق وکذب میں امتیاز نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے تو مجتہدین کی جانفشانی اور کاوشیں کس کام کیلئے ہیں؟۔

اگر جھوٹ کو کسی کی طرف سے نسبت دینے سے سب کچھ جائز اور درست ہوجاتا ہے تو پھر اس میں اور سوفسطائیت میں کیا فرق رہے گا، اگر امام حسینؑ کا قیام، انبیاءؑ ومرسلین، خاتم الانبیاءؐ اور علی مرتضیٰؑ اپنے وقت کے ظالموں، فاسقوں اور فاجروں کے خلاف قیام کا تسلسل ہے تو کیونکر عزاداری میں صالحین، فاجرین، عادلین اور فاسقین، شریعت سے بغاوت کرنے والے، جھوٹے، سچے، عدالت خواہوں اور آمریت پسندوں میں اتنی گھل میل اور گٹھ جوڑ کیوں ہے جبکہ قرآن فرماتا ہے کہ فاسقین ومجرمین اور مومنین کو الگ رہنا چاہیے، بدقسمتی سے یہاں بھی آقائی وسرپرستی اور بالادستی منحرف لوگوں کو حاصل ہے دعویدارنِ اہل بیتؑ کیسے اور کس زبان سے دنیا کو بتاسکیں گے یہ حسینی، علوی اور محمدیوں کا گروہ ہے؟

کسی بھی واقعے یا چیز کا دین کا حصہ ہونے یا نہ ہونے کی سند قرآن، سنت رسولؐ اور سیرت آئمہؑ سے ثابت ہونی چاہیے نہ کہ ذاکرین اور زواروں کے قصہ کہانیوں اور خوابوں سے، امام حسینؑ کا قیام اور پھر شہادت عالم خواب وخیال میں نہیں بلکہ روشن دن میں ہوئی، اگر آپ کے پاس رائج عزاداری کی حقانیت وصداقت کے بارے میں کوئی دلیل اور سند موجود ہے تو اسے قرآن وسنت اور سیرت آئمہؑ کی روشنی میں پیش کریں۔

ہم اس عزاداری کے سخت خلاف ہیں جس میں خلفائے اسلام اور مسلمانوں پر سبّ وشتم ہوتی ہو اور اس عزاداری کے خلاف ہیں جہاں خواتین جلوس، مجالس کو نیلام گھر جانتے ہیں اور اسی حساب سے شرکت اور عزاداری کرتی ہے گویا ان کیلئے عزاخانہ، مجالس عزا میں اور نیلام گھر، سنیما گھر امیں کوئی فرق نہیں سوائے ایک سیاہ لباس کے، ہم اس عزاداری کے خلاف ہیں جس میں خدا کی الوہیت پر طنز ہوتی ہے کہ تیرا الوہیت تو بچ گی لیکن حسینؑ کا پورا گھر لٹ گیا۔

**۲** ہماری کتابوں پر ہونے والی تنقید و مذمت کی ایک اور وجہ ہماری طرف سے اس وقت رائج توسّل کی مخالفت ہے؟

**جواب :**

**۱۔ دینی توسل :**

قرآن وسنت کی روشنی میں اگر توسل کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ خدا کی معرفت، حکمِ خدا اور شریعت سمجھنے کیلئے توسّل کی ضرورت ناگزیر ہے کیونکہ خدا سے کوئی بھی انسان تکلم نہیں کرسکتا اور شریعت براہ راست نہیں لے سکتا بلکہ دین وشریعت لینے کیلئے خدا کے برگزیدہ انبیائے الٰہیؑ اور ان کے جانشین علمائے محققین کی طرف رجوع کرنا ہوگا لیکن اگر کوئی اس طریقہ کار سے روگردانی کرے تو سمجھ لیں کہ وہ دین سے ہی روگردانی کررہا ہے یہاں توسّل سے انکار کرنا دین وشریعت کے منکر ہونے کے مترادف ہوگا۔

**۲۔ مادّی توسّل :**

انسان کو مادی زندگی گزرانے اور اسے برقرار رکھنے کیلئے مادی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس دنیا میں جینے اور مادّی وسائل کے حصول کیلئے راہ کا تعین کرنا فقط دین ومذہب سے ہی مربوط نہیں بلکہ یہ. مؤمن، کافر، منافق اور ملحد سب کیلئے یکساں ہے کیونکہ مادے کا حصول مادے کے ذریعے ہی ہوتا ہے ایک عرصے سے سنیوں اور شیعوں کا ایک بڑا گروہ فضل اللہ استرآبادی کے منحرف مذہب کے جال میں پھنسا ہوا ہے جس نے مسلمانوں کو دین وشریعت سے دور رکھنے کیلئے الفاظ کے وردکا رواج ڈالا ہے تاکہ دین اور شریعت کے پابند لوگوں کو گمراہ کرسکیں، وہ چاہتے تھے کہ یہ لوگ عقل اور تجربہ کے ذریعے زندگی گزاریں اور دُرود و اذکار میں مصروف ہوکر عملی زندگی سے دور ہوجائیں، ایسی صورت میں انھیں فقر وفاقہ کی زندگی گزارنی پڑے گی اور رفتہ رفتہ یہی لوگ کفر والحاد سے قریب ہوتے جائیں گے، اس منحرف شخص نے اپنے خودساختہ مذہب پر عمل نہ کرنے والوں کے خلاف الزام تراشی اور تہمت زنی کرکے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرانے کیلئے انہی انحرافات کو بنیاد بنایا، ان چیزوں کو وہی حلقے اہمیت دیتے ہیں جو دین کے نام سے جعلی اور خودساختہ علوم کی رٹ لگاتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص قانون اور جج کی سند لے کر شعبہ جراحی میں آکر ہاتھ میں

آلاتِ جراحی کے ذریعے مریضوں کی جراحی کرنے کا خواہاں ہو لیکن اگر مریض کے دردمند یا عزیز و اقارب موجود ہوں اور اسے جانتے بھی ہوں تو وہ مریض کی جراحی نہیں کرنے دیں گے اسی طرح قرآن وسنت سے بے بہرہ مختصر المعانی، مغنی اللبیب، منطق اور اصول فقہ پڑھنے والوں کو قرآن وسنت کی تفسیر و توضیح کرنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔

نبی کریمؐ کے اہل بیتؑ کے لائق وسزاوار اور مستحق وحقدار ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے ماننے والے جب چاہیں ان کو واسطہ دے کر کچھ بھی حاصل کر سکتے ہوں یا اہل بیتؑ کا واسطہ دینے کے بعد ان کی راہ میں کوئی مشکل حائل نہ ہوتی ہو۔ ایسا کرنا اور عقیدہ رکھنا عقل ونقل کے دائرہ کار سے باہر اور خود کو دنیا میں مفلوج بے سروسامان، بے سروپا اور ناکارہ بنا کے رکھنے کے مترادف ہے جو کہ ایک مذموم کوشش ہے عرصۂ دراز سے عالمی ظلم واستبداد کا نشانہ بننے کے بعد ثابت ہو گیا ہے کہ یہ موہوم توسّل کسی کام کا نہیں کیونکہ ان ذوات کی قبور مطہرہ کے قرب وجوار میں بھی پناہ نہیں مل سکی ہے عصر حاضر کی نجف اور حرم امام حسینؑ پر اشکبار کی بم باری اس کی شاہد وگواہ ہے۔

ان جعلی اور خودساختہ رسومات نے صرف مذہب ہی کو کنارے پر نہیں لگایا ہے بلکہ اس کے ماننے والوں کو بھی بے چارہ اور بے بس کر کے گمنام زندگی گزارنے پر مجبور کیا ہے جبکہ ان کے پیشواؤں اور مقتداؤں کا تعارف بھی انہی کی مانند کنارے پر لگا دیا گیا ہے حد تو یہ کہ بڑی بڑی عمارات جن کے دروازوں پر خطِ جلی میں "**دانشگاہ امام جعفر صادقؑ**" لکھا ہوا ہے ان میں بھی امام جعفر صادقؑ کی حیات اجتماعی، سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی کے بارے میں نہ کوئی کتابچہ پڑھایا جاتا ہے نہ اساتید کسی چیز کا تحلیل وتجزیہ کرتے ہیں لیکن علوم آلِ محمدؐ کے نام سیبوہ، خلیل احمد فراہیدی کی صرف ونحو پڑھائی جاتی ہے، عالمی سطح پر علم صنعت اور عدالت و سیاست کی درسگاہوں میں آدم سمتھ، کارل مارکس اور نیوٹن کے نظریات کو سمجھنے کیلئے شعبے بنائے گئے ہیں لیکن امام جعفر صادقؑ کے نام پر قائم مدارس اور حوزات وغیرہ میں کوئی ایسا شعبہ نہیں جس میں امام کی حیات طیبہ اور سیرت پر مشتمل نصاب شامل ہو، تاہم ان مدارس میں صرف ونحو کے رٹے لگوائے جاتے ہیں۔ علیؑ کے نام گرامی پر عدالت کے خواہاں اہل علم ودانش افراد کو چاہئے کہ وہ تمام شعبوں میں علیؑ اور دیگر اماموں کے تمام پہلوؤں کو فریق مخالف کے مقابلے میں سامنے لائیں کیونکہ دنیوی حوائج کیلئے اہل بیتؑ کے توسل کا عقیدہ درست نہیں، اگر ہے تو اسے آیات قرآن اور عقل سے ثابت کرنا ہوگا۔ [مزید: قرآن سے پوچھو]

۳ کیا تمام جھوٹی روایات اور خرافات ورسومات کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے فریضے پر عمل کرنے والے سب ختم ہو گئے ہیں اور تنہا آپ کا وجود باقی رہ گیا ہے؟

٤ کیا ان جھوٹی روایات کے خلاف آواز اٹھانے کے واجب ذمہ داری پر عمل کرنے میں کوئی دوسرا شخص نہیں تھا یا باقی سب لوگ اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیت، ضرورت، اور احساس ذمہ داری نہیں رکھتے تھے؟

٥ آپ نے بہت سی روایات کو جھوٹا قرار دے کر اپنی تنقید کا دائرہ کتب اربعہ تک پہنچایا ہے، جن میں نا قابل تردید احادیث مقدسہ کو ہمارے فرقے کے جلیل القدر علمائے اعلام نے جانفشانی اور صعوبتیں برداشت کر کے جمع کیا تھا؟

جواب :

۱)۔ امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب کسی خبر کو سنو تو عقل کے معیار پر پرکھ لو اور صرف نقل پر بھروسہ نہ کرو کہ علم کے نقل کرنے والے بہت ہوتے ہیں اور سمجھنے والے بہت کم ہوتے ہیں"۔ [1]

خداوند متعال نے واضح و آشکار طور پر قرآن کو تمام چیزوں کی واحد کسوٹی قرار دیا ہے لہٰذا گزشتہ آسمانی کتب، نبی کریمؐ سے منسوب احادیث اور علماء و مجتہدین کے اقوال و نظریات، سب کی کسوٹی قرآن کریم ہے اس سلسلے میں آئمہ اطہارؑ کی طرف سے کثیر روایات موجود ہیں یقیناً وہ لوگ جو قرآن سے روگردانی کر کے قرآن کو اہل بیتؑ کا قصیدہ کہتے ہیں کیسے قرآن کی آیات سے آشنا ہو سکتے ہیں۔

قرآن سے غافل اور ناواقف لوگوں کیلئے خرافاتی کتابیں وحی منزل ہوتی ہیں جو افراد تفسیر میں مقبول وفرمان کے حاشیے، سیرت میں حیات القلوب، عبادات میں چودہ ستارے، وظائف الابرار اور عدالت و قضاوت میں مقامی روایات کو مصادر حقیقت سمجھتے ہوں اگر عقل و

---

[1] [اعقلوا الخبر اذا سمعتموه عقل رعايةٍ لا عقل رواية فان رواة العلم كثير ورعاته قليل (کلمات قصار ۹۸ جوادی ص ۶۶۲)]

انصاف سے ایک ہاتھ سینے پر اور دوسرا ہاتھ سر پر رکھ کر غور کریں تو یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہوگا کہ ان کے پاس موجود ''دین و مذہب'' نہ قرآن کریم سے مطابقت رکھتا ہے، نہ سنت قطعی رسول اللہؐ سے، اور نہ ہی سیرت معصومینؑ سے مطابقت رکھتا ہے، بلکہ جعلی وخودساختہ روایات اور غلاظتِ انحراف کا یہ مجموعہ سیرت معاویہ، آل بویہ وسلاطینِ صفوی اور قاچاری اور سلاطینِ بر صغیر کا چھوڑا ہوا کچرہ ہے۔

سابق کتب آسمانی تورات وانجیل کو خداوند متعال نے اپنے پیغمبروں حضرت موسی اور حضرت عیسی علیہما السلام پر نازل کیا لیکن ایک مخصوص عرصہ گزرنے کے بعد یہ کتب تحریف سے دوچار ہوئیں انجیل وتورات کے نام سے بہت ساری کتابیں وجود میں آئی ہیں، ہر کوئی اپنے پاس موجود کتابوں کو اصل سمجھتا ہے لیکن بعض شیعوں کے خیال میں ایک ہزار سال گزرنے کے بعد بھی کتب اربعہ، بحارالانوار یا دیگر بزرگان کی کتب اپنی اصل شکل میں موجود ہیں نہ ان میں جھوٹی راویت داخل ہوئی ہے نہ نسخہ گیری کے موقع پر دست اندازی ہوئی ہے اور نہ ہی چھاپنے والے تاجروں کے خیانتی ہاتھ اس میں ملوث ہوئے ہیں ایسا خیال رکھنے والوں کی نظر میں کتب اربعہ قرآن ثانی ہیں لہٰذا جس طرح قرآن میں تحریف ناممکن ہے، اسی طرح ان کتب میں بھی تحریف ناممکن ہے بلکہ بعض کم عقل اور بیمار دل کے نزدیک قرآن میں تحریف ہوگئی ہے لیکن کتب اربعہ میں نہیں ہوسکتی ہے۔

۲)۔ آپ نے جو لکھا ہے کہ ہم نے کتب اربعہ کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ ہم نے کتب اربعہ کے نام سے انہیں تنقید کا نشانہ کہیں بھی نہیں بنایا ہے یہ سنی سنائی باتیں ہیں کیونکہ خداوند عالم قرآن کریم کی سورہ حجرات میں فرماتا ہے:

﴿ يَـاأَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَـنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ﴾ ''جب تمہارے پاس فاسق خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کرلیا کرو''۔ (حجرات ۵)

پہلے ہم آپ کے خدمت میں شیعہ مسلک کے ذخائر کتب روایات کا تعارف کروائیں گے :

## کتبِ احادیثِ شیعہ :

پہلے ہی دن سے اصحاب، اہل بیتؑ سے روایات جمع کرتے تھے چنانچہ امام جعفر صادقؑ نے مفضل بن عمر سے فرماتے تھے :

"لکھو اور اپنے علم کو برادران میں نشر کرو، اگر تم مر جاؤ تو تمہاری اولاد اس سے استفادہ کر سکے گی "۔

امام کے اس فرمان کے مطابق اصحاب نے احادیث جمع کرنا اور لکھنا شروع کیں، اصحاب کی لکھی ہوئی کتابوں کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے ان کتب احادیث کو کتب اربعہ ماء کہتے ہیں یہ تمام احادیث کا مصدر ہیں، اس وقت شیعہ علماء کے پاس سب سے بڑی اور پرانی کتب احادیث کا استناد انہی کتب سے ہیں اس کتاب کی متعدد جلدیں ایران اور عراق کے کتب خانوں میں ملتی ہیں ذیل ہم مختصراً ان کتب کے متعلق کچھ معلومات بیان کرتے ہیں لیکن مزید معلومات کیلئے کتاب الذریعہ ج ۱۵، ص ۲۵۶، ۲۵۷ ملاحظہ فرمائیں۔

### ۱۔ اصول وفروع روضہ کافی :

یہ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینیؒ متوفی ۳۲۸ھ کی تالیف ہے اور سب سے قدیم اور معتبر ترین کتاب ہے، اس میں (۱۶۰۰۰) احادیث ہیں، کہتے ہیں اس میں موجود احادیث صحاح ستہ کی احادیث سے زیادہ ہیں، اگر صحاح ستہ میں موجود مکرر احادیث کو حذف کریں تو اصول کافی میں موجود احادیث کی تعداد زیادہ ہے، کلینیؒ نے (۲۰) سال میں انہیں جمع کیا بعد میں علماء نے اس کی سب سے معروف شرح مرأۃ العقول تالیف علامہ مجلسیؒ ہے۔

### ۲۔ من لایحضرہ الفقیہ :

اسے ابو جعفر محمد بن بابویہ قمی معروف بہ شیخ صدوقؒ متوفی ۳۳۱ھ نے تالیف کی، اس میں (۵۹۹۸) احادیث ہیں اس کتاب کا نام زکریا راضی کی کتاب من لایحضرہ الطبیب سے لیا گیا ہے، اس کی شرح روضۃ المتقی ہے جسے محمد تقی مجلسیؒ نے لکھا ہے، شیخ صدوقؒ کی دوسری کتابیں خصال، امالی، کمال الدین وغیرہ ہیں۔

۳۔تہذیب الاحکام :

یہ ابوجعفر محمد بن حسن معروف شیخ طوسیؒ متوفی ۴۶۰ھ کی تالیف ہے،اس کتاب کو شیخ طوسیؒ نے کتاب شیخ مفیدؒ کی کتابت پر شرح کے عنوان سے لکھا ہے اس میں (۱۳۵۰۹)احادیث جمع ہیں اس کی بھی بعض افراد نے شرح لکھی ہے ایک شرح علامہ مجلسیؒ نے لکھی ہے۔

۴۔الاستبصار :

یہ کتاب بھی شیخ طوسی کی کتاب ہے اس میں چھ ہزار پانچ سو اکتیس (۶۵۳۱)احادیث ہیں۔

یہ چار کتابیں ''کتبِ اربعہ معتبرہ'' کے نام سے مشہور ہیں اور عام وخاص،علماء وفقہاء کی توجہ کا مرکز ہیں بعض نے ان کتابوں پر شرح اور حاشیے لکھے ہیں جبکہ بعض نے ان کتابوں میں موجود راویوں کی سند کے بارے میں لکھا ہے۔

حال ہی میں قم میں قائم ہونے والے ادارے موسسہ امام مہدیؑ میں بھی پرانی کتابوں کی تحقیق، اشاعت اور تکمیل کرنے،استدراک اور رجال کی طرف توجہ دی گئی اور یوں چند جلدیں سامنے آئیں ہیں،علم وجہل،علم وعقل،نصوص آئمہؑ،حدیث غدیر،حضرت زہرا،امام حسن،امام حسین، امام زین العابدین،امام محمد باقر،امام جعفر صادق،امام کاظم،امام رضا،امام علی نقی اور امام جواد علیہم السلام سے متعلق کتابیں شائع ہوئی ہیں جبکہ امام ہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے بارے میں کتاب کی تالیف میں مصروف ہیں ان کا مخصوص نسخہ منظر عام پر نہیں آیا ہے حیات امام علیؑ اور امام مہدیؑ سے متعلق کتابیں زیر طباعت ہیں ان کتابوں میں کتاب ''زندگانی حضرت زہراؑ''،مفصل کتاب ہے یہ کتاب اس موسسہ میں چھپنے والی کتابوں میں سب سے بڑی کتاب ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کتاب کے اجرا میں آیت اللہ سید محمد باقر موحدی سمیت دیگر کئی محققین نے بہت سی زحمتیں اٹھائی ہیں،مؤلف مرحوم نے اس کتاب میں (۴۰۶)احادیث جمع کی تھیں جبکہ بحار کی جلد ۴۳ میں (۲۲۵) حدیثیں تھیں تاہم بعد میں اس میں مزید (۱۸۱)احادیث کا اضافہ کیا گیا یہ کتاب پہلی چھاپ کے وقت ۳۲۴ صفحات پر مشتمل تھی دوسری طباعت کے وقت اس میں ۶۷۰ صفحات کا اضافہ ہوا پھر اس میں مزید ۲۱۹ صفحات شامل ہوئے اور پھر کتاب کی آخری طباعت کے ساتھ اس میں ۶۰۰ مزید احادیث پر مبنی صفحات کا ضافہ ہوا اس طرح ان احادیث کا مجموعہ ایک ہزار آٹھ

سواکاون (۱۸۵۱) تک پہنچا مولف محقق نے بہت سی کتب احادیث واخبار کا مطالعہ کیا ہے۔
مذکورہ کتب اربعہ ماء کے علاوہ احادیث کے بارے میں مندرجہ ذیل کی کتابیں شیعہ کتب سے معروف ہیں۔

۵۔ وسائل الشیعہ :

یہ اس وقت مسائل فقہی کو جاننے کیلئے معروف ترین کتاب ہے، فقہاؤ مجتہدین مصادر کیلئے اسی کتاب کو دیکھتے ہیں اس کے ہر باب میں مخصوص احادیث کو جمع کیا گیا ہے، اس میں (۳۵۸۵۰) احادیث ہیں ان سب کی سند کا بھی ذکر کیا گیا ہے آخر میں خاتمہ ہے جس میں طریقہ حدیث کے بارے میں تفصیلات ہیں، محمد حسن مشعری حرعاملیؒ متولد ۱۰۳۳ھ متوفی ۱۱۰۴ھ اس کے مولف ہیں آپ خراسان میں رہتے تھے، وسائل الشیعہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی ترتیب طہارت سے دیات تک ہے یہ کتب روایات میں بہترین ترتیب کی حامل ہے بحار ووافی سے بھی بہتر کتاب ہے۔ [۱]

۶۔ وافی :

تالیف محمد بن مرتضٰی معروف ملا محسن فیض کاشانی متولد ۱۰۰۷ھ متوفی ۱۰۹۱ھ یہ متاخرین علماء میں پہلے عالم ہیں آپ مختلف علوم میں مہارت رکھتے تھے، وافی میں کتب اربعہ میں موجود احادیث سے مکررات کو حذف کر کے باقی احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور مشکل روایات کی تشریح کی گئی ہے، اس میں دیگر کتب سے بھی احادیث جمع کی گئی ہیں، اس میں پچاس ہزار احادیث جمع ہیں یہ کہتے تھے میں نے کتب اربعہ میں ایسی احادیث بھی دیکھیں جو ایک دوسرے کے منافی ہیں یہ جمع احادیث، ایک مقدمہ، چودہ کتب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ تین تمہیدات پر مشتمل ہے اور خاتمہ اسناد کے بارے میں ہے۔

۷۔ بحار الانوار :

تالیف محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ ہجری، اس کتاب کی ایک سو دس (۱۱۰) جلدیں ہیں علامہ مجلسیؒ اپنے دور میں تاریخی اعتبار سے سب سے زیادہ وسائل رکھتے تھے انہیں بادشاہانِ صفوی کی طرف سے

---

[۱] [مجلّہ اندیشہ ج ۴ ص ۲۵۲]

بہت سے وسائل حاصل تھے انہوں نے جمع حدیث کے لئے ایک ادارہ کھولا اور احادیث جمع کیں بحار میں کتب اربعہ سے ہٹ کر احادیث کو جمع کیا گیا اکثر احادیث احکام سے ہٹ کر دوسرے موضوعات کے متعلق ہیں۔

۸۔ مستدرک وسائل یا مستنبط المسائل :

تالیف حاجی مرزا حسین نوری بن مرزا محمد تقی بن مرزا علی محمد طبرسی متوفی ۲۷ جمادی الاخر ۱۳۲۰ ہجری، یہ تین بڑی جلدوں پر مشتمل ہے یہ چوتھی اور آخری کتب روائی میں سے ہے جس پر عصر حاضر میں اعتماد کیا گیا ہے اس میں (۲۳۰۰۰) احادیث جمع ہیں پہلی جلد کے ابواب (۲۰۱۱) ہیں جبکہ اس کی (۸۸۶۵) احادیث دوسری جلد کے باب ۲۰۵۲ ہیں جن میں (۹۸۱۹) احادیث ہیں تیسری جلد کے باب (۱۳۶۳) اور (۴۸۳۰) احادیث ہیں، یہ وسائل الشیعہ کی ترتیب پر ہے اس میں وسائل الشیعہ میں تکرار شدہ احادیث کو الگ کیا گیا ہے آخر میں ایک خاتمہ بنایا گیا ہے جس میں حدیث شناسی کے بارے میں مواد موجود ہے مؤلف علامہ مجلسی کے بعد تھے لیکن علم میں ان کے برابر تھے۔[۱]

مرزا حسین کے بارے میں حضرت امام خمینیؒ کا نقطہ نظر:

حضرت امام خمینیؒ قرآن میں تحریف کو رد کر کے مرزا حسین نوری کو یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان کی کتاب نہ علمی وزن رکھتی ہے نہ کسی کام کی ہے انہوں نے ضعیف روایتوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔ قدما اصحاب صاحبان کتب اربعہ ان روایتوں کو اعتبار سے ساکت سمجھتے تھے منجملہ مستدرک الوسائل اس بے اعتباری میں شمار ہوتی ہیں۔[۲]

۹۔ عوالم ومعارف :

کتاب عوالم وعلوم معارف جلد ۱۱۔ تالیف شیخ عبداللہ بن نوراللہ بحرانی اصفہانی، تحقیق آیت اللہ سید محمد باقر اصفہانی، ناشر موسسہ امام مہدی ۱۴۶۱ ہجری قمری۔

---

[۱] [الذریعہ تالیف علامہ بزرگ تہرانی ش ۸۷، ۳۶] [۲] [مجلّہ پژوہش سال دہم، شمارہ چہارم، اصل مجلّہ ۵۸، ص ۴۴۳ نقل از منہاج الاصول ص ۲۳۹]

صاحبِ ذریعہ لکھتے ہیں کہ عوالم جامع العلوم والمعارف ولاحوال من الآیات والاخبار والاقوال سے معروف ہے یہ بھی بحار سے بڑی ایک ضخیم کتاب ہے اس کی سوجلدیں ہیں یہ شیخ عبداللہ بن نوردین یانوراللہ طہرانی شاگردِ محمد باقر مجلسی کی تالیف ہے۔[1]

علامہ مجلسیؒ متوفی ۱۱۱۰ھ نے کتاب بحارالانوار کو جب اختتام تک پہنچایا تو مستدرک بحار لکھنے کی طرف متوجہ ہوئے اور اہل بیتؑ سے واردان روایات کو یکجا کیا جو بحار میں نہیں آئی تھیں لیکن وہ ایک نئی کتاب مستدرک بحار کے نام سے تصنیف کرنے کی خواہش پر عمل درآمد نہ کرسکے اور وفات پاگئے، علامہ مجلسیؒ کے بعد ان کے برجستہ شاگرد محدث بزرگ علامہ شیخ عبداللہ بحرانی نے ہمت کی اور اپنے استاد کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے میدان میں اترے وہ کتاب عوالم کو ضبطِ تحریر میں لانے کیلئے مصروف ہوگئے جو کچھ صاحب بحار سے بحار میں جمع نہیں کیا جاسکا تھا اسے انہوں نے نئے انداز وطریقے اور نئے عنوانات کے تحت جمع کیا اور یوں شیعوں میں دوسرا دائرۃ المعارف وجود میں آیا جس میں آلِ محمدؐ کی احادیث کا ذخیرہ تھا اب ہم آپ کی خدمت میں ان کتابوں کے بارے میں بزرگ علمائے اعلام کے نظریات پیش کرتے ہیں:

اب ہم آپ پر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ کتب اربعہ کی تمام روایات صحیح ہیں یا نہیں؟

حضرت آیت اللہ ابوالقاسم الخوئیؒ ''معجم الرجال الحدیث'' جلد ۱ صفحہ ۱۷ میں لکھتے ہیں :

۱۔ بعض محدثین کے گروہ کا کہنا ہے کہ کتب اربعہ کی تمام روایات کا آئمہؑ سے صادر ہونا قطعی اور یقینی ہے، یہ قول بنیاد سے ہی باطل ہے کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ یہ سب احادیث تسلسل سے آئمہ معصومینؑ سے جاملتی ہوں جبکہ کتب اربعہ میں وارد راویوں میں سے بعض حدیث جعل کرنے اور جھوٹ بولنے میں مشہور وماہر تھے ہم موقع ومحل پر بتائیں گے کہ کون جھوٹا ہے کون صحیح ہے۔

۲۔ آیت اللہ بزرگ تہرانی اپنے ضخیم کتاب ''الذریعہ علیٰ تصانیف الشیعہ'' کے اندر اصول کافی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''الکافی'' کتب اربعہ میں سب سے پہلی کتاب ہے جس پر سب کو

---

[1] [الذریعہ ش ۸۲، ۲۲۔ مجلہ آئینہ پژوہش ش ۳۷ ص ۶۴]

اعتماد ہے، اس جیسی کتاب آل رسول سے منقول احادیث کے بارے میں نہیں لکھی گئی ہے۔
اس کے مصنف محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینیؒ ہیں، جنہوں نے ۳۲۸ھ کو وفات پائی یہ ۳۴ کتابیں ہیں جن میں ۳۳۶ باب ہیں، ان میں (۱۶۰۰۰) ہزار احادیث جمع ہیں جن میں (۵۰۷۲) صحیح (۱۴۴) حسن (۱۷۸) موثق (۳۰۲) قوی اور (۹۴۸۵) ضعیف احادیث شامل ہیں۔[1]

## گمنام کتابوں کا تعارف :

جس طرح آج کل کے صنعتی دور میں جعل ساز اپنی بعض مصنوعات کو بیرون ملک کی شہرت یافتہ صنعتوں سے موسوم کر کے بازار میں بھیجتے ہیں، اسی طرح بہت سارے حدیث سازوں نے احادیث جعل کر کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرین علیہم السلام خاص کر امام جعفر صادقؑ سے منسوب کی ہیں، جعل سازی کی سنت ہمیشہ سے ہے اور رہے گی، اسی سنت باطلہ کے تسلسل میں سے ایک جعلی کتب ہیں جعل حدیث کے ساتھ قدیم یا معتبر کتابوں میں اضافہ کرنا بھی جعل کتب کہلاتا ہے، بہت سی کتب مرتب و منظّم کر کے نوابغ روزگار، معروف مفکرین، مشہور شخصیات کی طرف نسبت دے کر نشر کی جاتی ہیں (اسی طرح دین و مذہب میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے) اس سلسلہ میں بہت سے محققین نے بہت سی ایسی کتابوں سے کشف نقاب کر کے ان کے سرورق پر لکھے گئے ناموں کو جعلی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کتاب کا اس پر لکھے گئے مولف سے کوئی واسطہ نہیں، اس مصنف کی اس نام سے کوئی کتاب نہیں چنانچہ ایسی کتب کی ایک فہرست ہم ذیل میں قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں :

(۱) مقتل ابی مخنف۔
(۲) توحید مفضل۔
(۳) جامع الاخبار۔
(۴) کتاب امام جعفر صادقؑ۔
(۵) احتجاج طبرسی۔

---

[1] [اصول کافی، کتاب الذریعہ ج ۱۷، ص ۲۴۵، شمارہ ۳۹۶]

(۶)تفسیر قمی۔

(۷) تفسیر امام حسن عسکری

## تفسیر امام حسن عسکریؑ

ثقافت اسلامی ش۴۰،ص۱۹۱میں مقالہ نگار سید عامر حلو لکھتے ہیں استاد محمد علی اسبر نے ''حیات امام حسن عسکری'' پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے تفسیر امام حسن عسکریؑ کا ذکر کرتے ہوئے اسے مسلمات میں سے گردانا ہے۔مقالہ نگار نے اس تفسیر کو بہت اہمیت دی ہے اور اس کی تعریف کی ہے کہ اس تفسیر کا شیعہ کتب میں ایک بڑا مقام ہے،اس مدعا کیلئے یوں استدلال کیا ہے کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اصول کافی میں،طبرسی نے کتاب احتجاج میں،ابن شہر آشوب نے مناقب میں اور علامہ مجلسی نے بحار میں اس تفسیر کی روایات نقل کی ہیں۔سید عامر حلو کہتے ہیں کہ ان علمائے بزرگان کے اس تفسیر سے روایات نقل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کتاب امام حسن عسکریؑ کی ہے۔

مقالہ نگار کہتے ہیں کہ کتاب کے موضوعات دو قسم کے ہیں :

(۱)۔جس کا کوئی مؤلف نہیں جعلی طور پر کسی کی طرف نسبت دی گئی ہے۔

(۲)۔مؤلف ہے جس کی طرف نسبت دی ہے وہ صحیح ہے جس میں اخبار صحیح ،نادر،کمیاب اور ضعیف سب کو جمع کیا گیا ہے۔

ان کے مولفین کا نقطۂ نظر حدیث کو جمع کرنا تھا نہ کہ چھان بین کر کے صحیح کو اکھٹا کرنا لہٰذا بعض کتب ایسی ہیں جن کے بارے میں تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ ان مؤلفین کی ہیں یا نہیں۔جیسے کتاب ''احتجاج'' طبرسی کی اور مناقب ابن شہر آشوب کی ہے یا نہیں تاہم اس تفسیر کی امام حسن عسکریؑ سے نسبت بذات خود اپنی جگہ مشکوک ہے،صاحب مقالہ لکھتے ہیں کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ کتاب سہل دیباجی نے لکھی ہے۔اسی مجلّے کے شمارہ ۳۳،صفحہ ۱۳۳میں مرزا ابوالحسن شعرانی نے اس تفسیر کی امام حسن عسکریؑ سے نسبت دینے کو مشکوک قرار دیا ہے علاوہ ازیں ہم یہاں پر اس تفسیر کے بارے میں بعض بزرگ علماء کی آراء ونظریات کو پیش کرتے ہیں :

۱)۔ علامہ حسن بن سدید بن یوسف بن مطہر تخلص حلی متوفی ۷۲۶ھ نے لکھا ہے کہ یہ تفسیر جسے امام

حسن عسکریؑ کی طرف سے نسبت دی گئی ہے، جعلی ہے اوراس میں موجوداحادیث بھی مردود ہیں جسے جعل کرنے والا سہل بن احمد دیباجی تھا۔

۲)۔ابن غضائری صاحب کتاب ضعفا لکھتے ہیں کہ یہ تفسیر جعلی ہے جسے سہل دیباجی نے اپنے باپ سے نقل کیااوراس میں موجوداحادیث مجہول ومردود ہیں۔

۳)۔محقق داماد نے اپنی کتاب شارع نجاۃ ص ۱۱۸ میں لکھا ہے کہ یہ تفسیر جعلی ہے، جسے ابی محمد سہل بن احمد دیباجی نے جعل کیا ہے،اس میں جعلی احادیث ہیں بلکہ یہ آئمہ کی طرف تہمت وافتراء ہے

۴)۔ شیخ محمد جواد بلاغی نے سورۂ اعلیٰ ورحمٰن کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام حسن عسکریؑ سے منسوب تفسیر کے بارے میں ہم نے ایک مخصوص کتابچہ تحریر کیا ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ یہ جھوٹی اور جعلی ہے اس کتاب کے جھوٹے ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ اس کی روایات تناقص وتضاد سے پُر ہیں اور بہت سی احادیث، قرآن اور مسلمہ تاریخ کے خلاف ہیں۔

۵)۔آیت اللہ ابوالقاسم خوئی معجم الرجال ج ۱۳،ص ۱۵۹ پر لکھتے ہیں: تفسیر کی امام حسن عسکریؑ کی طرف نسبت علی بن محمد بن سیاراوراس کے دوست یوسف بن محمد بن زیاد نے دی ہے، یہ دونوں مجہول الحال ہیں،ان کی روایت پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے آیت اللہ خوئیؒ فرماتے ہیں کہ ایک محقق کیلئے سزاوار نہیں کہ ایسی کتاب لکھے چہ جائیکہ اس کی نسبت امام کی طرف دی جائے۔متعلقہ کتاب کے اندر موجود مواد دیکھنے والوں کو یقین ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب جعلی اور خودساختہ ہے۔

لیکن اسے سید نعمت اللہ جزائری، علامہ مجلسی اول، سید عبداللہ شبر، سید ہاشم بحرانی، فیض کاشانی اور مجلسی صاحب بحار نے امام سے منسوب کیا ہے بعض نے درمیان کا رستہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سے ایک آیت اللہ شیخ رضا استادی ہیں۔

## ضعیف روایات :

آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ فرماتے ہیں :

علامہ مجلسیؒ "بحار" کو ایک کشکول سے تشبیہ دیتے تھے اوراپنی کتاب میں موجود روایتوں کی ضمانت

نہیں دیتے تھے جبکہ کلینیؒ اپنی کتاب میں موجود روایتوں کی ضمانت دیتے تھے لیکن بعد میں آنے والے علماء نے کافی میں موجود روایات کی ضمانت نہیں دی ہے چنانچہ علامہ مجلسیؒ "مرآۃ العقول فی شرح الاحادیث الرسول" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک کافی میں موجود روایتوں میں سے صرف پانچ ہزار صحیح ہیں۔

ہمارے پاس سوائے قرآن کے سو فیصد صحیح کوئی بھی کتاب موجود نہیں ہے لہٰذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ کتاب کافی میں موجود تمام روایتیں صحیح ہیں۔ ہماری کتب احادیث کی صحت کے حوالے سے علماء میں اختلافات ہیں بعض علماء بعض احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں اور بعض دیگر علماء ان کو صحیح نہیں سمجھتے۔

شیخ کلینیؒ نے کافی میں نقل شدہ روایات اس وقت کے ان مشہور راویوں سے نقل کی ہیں کہ جن کے پاس ان سے پہلے والوں کی کچھ کتب موجود تھیں۔ [1]

## کتب کا حوالہ اور سوفسطائیت :

گزشتہ زمانے میں حقیقت نامی چیز کا وجود تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، یہ گروہ بعد میں "سوفسطائیت" کے نام سے معروف ہوا جو کسی بھی چیز کی حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریز کرتے تھے تاہم اس گروہ کے نظریے کو پدر فلسفہ سقراط اور اس کے شاگرد افلاطون نے پاش پاش کر دیا۔

موجودہ زمانے کے مادہ پرست و دین فروش علماء کے مطابق حقیقت وہ چیز ہے جسے وہ حقیقت قرار دیں، یہ جھوٹے قصے، کہانیوں کو دین سے جوڑ دیتے ہیں پھر اسے گھسیٹتے ہوئے یہ تأثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہی حقیقت ہے، جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ چیزیں غلط اور جعلیات میں ہیں اور ان کا کوئی وجود نہیں تو ان کے ترک کرنے یا درست ہونے کی دلیل و برہان دینے کی بجائے جواب دیتے ہیں ہم ان چیزوں کو قدیم زمانے سے سنتے اور پڑھتے آئے ہیں جبکہ یہ مشرکین کی منطق ہے یعنی جو چیز پرانی ہے وہ صحیح ہے، ان کا کہنا ہے کہ پرانی چیزوں کو رد کر سکتے ہیں نہ چھوڑ سکتے ہیں بلکہ انھیں جاری و ساری رکھنا عین مذہب ہے۔

انہی علماء کے گروہ کا دوسرا جواب یہ ہوتا ہے کہ کتاب کا حوالہ یا کسی مجتہد کی خاموشی کا حوالہ دے کر کوئی بات دوسروں تک پہنچائی جا سکتی ہے، اس منطق کے تحت باہر یا اندرون خانہ کسی چیز کی حقیقت کا وجود میں ہونا

---

[1] [الندوہ شمارہ ۱۱، ص ۶۳۳]

ضروری نہیں کیونکہ حوالہ دیئے جانے پر وہ حقیقت کا روپ دھار لیتی ہے یا پھر جھوٹ کی قباحت، حوالہ دینے سے ختم ہو جاتی ہے، اگر ایسا ہے تو اس میں اور فسطائیت میں کیا فرق ہوگا۔

توحید و معاد پر ایمان لانے والا شخص کسی چیز کے بارے میں نہی یا منع آنے کے بعد کامل ایمان اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا ارتکاب نہیں کرتا۔ جب تک کہ یہ نہی غلط ثابت نہ ہو جائے، جب علماء کے دوسرے گروہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ اس بارے میں خود تحقیق کیوں نہیں کرتے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں گویا مشکوک و مطعون قصہ کہانیوں کو حوالہ دے کر پڑھنا ہی ان کی ذمہ داری ہے اور تحقیق و جستجو کرنا ان کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہے۔

## آیا علماء کے اجماع سے کسی مسئلے پر اتفاق ہونے کے بعد دوسرے افراد کیلئے ضروری ہے کہ اس کے معتقد ہو جائیں اور پھر اس کے بارے میں کسی کو تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟

آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں :

کسی حکم شرعی پر فقہاء کا اجماع ہونا حجت نہیں ہے مگر یہ کشف ہو جائے کہ ان کا اجماع آئمہؑ کے کسی قول یا فعل و تقریر کے نتیجے میں ہوا ہے، اجماعِ علماء اگر دلیل کی بنیاد پر ہے تو حجت دلیل کی وجہ سے ہے نہ کہ اجماع کی وجہ سے۔ ہم دلیل کو دیکھیں گے اگر دلیل صحیح نہیں ہے تو اجماع کا بھی وزن نہیں ہے، ہم خود جانتے ہیں کہ بہت سے مسائل پر متاخرین یا مشہور علماء کے نزدیک اجماع تھا لیکن یہی مسئلہ متقدمین علماء کے نزدیک اجماع نہیں ہے لہٰذا فقہاء و متکلمین کے اقوال اپنی جگہ حجت نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ معصوم نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ کبھی تو صحیح بات کرتے ہیں اور کبھی ان سے خطا سرزد ہو جاتی ہے اگر یہ اپنے نظریئے کی کسی معصوم کے قول سے سند دیں اور ہمارے پاس بھی یہ قولِ معصوم ثابت ہو تب تو ان کا نظریہ حجت ہوگا اگر انہوں نے کسی قولِ شرعی یا عقلی پر اعتماد کر کے فتویٰ دیا ہے تو ہمیں ان کے اجماع پر نہیں رکنا چاہیے بلکہ ان کی دلیل کے بارے میں دیکھنا چاہیے کہ اگر ان کی دلیل کامل ہے تو ہم اسے قبول کریں گے اور اگر ان کی دلیل ناقص ہے تو ہم ان سے اختلاف کریں گے چنانچہ کتنی بار متاخرینِ علماء نے اجماعِ متقدمین کی مخالفت کی ہے۔ [1]

---

[1] [الندوہ ج ۱۱ ص ۷۰۷]

ان تمام جھوٹی روایات کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت، جرأت، جسارت ہم جیسے نالائق، نااہل، غریب اور جاہل گھرانے میں پیدا ہونے والے اپنے علاقے کے بے حیثیت انسان کو کیسے ہوسکتی ہے جو کسی بڑے عالم نے بھی نہ کی ہو۔ ہم اس سلسلے میں آپ کو اور دیگر برادران کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ ہر جگہ خاص کر ہمارے علاقے میں کسی بھی جگہ منبر ومحراب پر ایک گھرانے کی جاگیرداری ہے کسی محلے یا علاقے میں اگر کوئی شخص اعلیٰ درجہ اجتہاد پر ہی کیوں نہ پہنچا ہو، اسکی کیا مجال ہے جو اس منبر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے کیونکہ یہاں کردارِ فرعون، خلفائے بنی امیہ و بنی عباس وخاندانِ قاچاری کی سیرت وکردار کو نمونہ کامل کے طور پر اپنایا جاتا ہے۔

محرم میں معاویہ ویزید پر تبرّا کرتے ہوئے زوردار لعن کرتے ہیں کہ معاویہ نے اسلام میں ولی عہدی کو رواج دے کر یزید کو خلیفہ بنایا، جو کہ ہر حوالے سے نااہل انسان تھا لیکن معاویہ ہی کی سیرت کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے جیسا کہ مجتہدین کی نامزدگی ہے، محراب ومنبر میں اسلام سے ناآشنا، دینی خدمات سے دور انسانوں کو ولی عہدی ملتی ہے جس کی وجہ سے منبر پر فضائلِ اہل بیتؑ کا واحد مصدر چودہ ستارے، بواعباس انیس، دبیر، جوش ملیح آبادی کی شاعری وغیرہ ہوتی ہے اسی طرح غلو سے بھرے ہوئے قصیدے پڑھے جاتے ہیں جن کے کان وذہن ان خرافات سے مانوس ہوں، وہ کس کو ان کے خلاف بولنے کی اجازت دیں گے آپ نے بھی دوسروں کو اجازت نہیں دی ہے اگر آپ اس سلسلے میں سنجیدہ ہوتے اور حق وباطل کی شناخت و پہچان میں سرگرم ہوتے تو آپ کی نظر سے شہید مطہری کی شخصیت اوجھل نہ ہوتی، محدث نوری کی آداب اہل منبر پر آپ کی نظر ضرور پڑتی، ہماری تالیفات سے ۵۰ سال پہلے لکھی گئی کتاب مجاہد اعظم کا ضرور مطالعہ کرتے، ہمارے مذہب پر ایک عرصے سے اخباری غالیوں کا قبضہ ہے ان کی تائید وپشت پناہی پڑھے لکھے انسان یا آزاد شعراء کرتے ہیں، ایسے ماحول میں ان غلط رسومات پر آواز اٹھانے کی جرأت کون کرے گا صرف وہی اٹھا سکتا ہے جسے اس دنیا سے کوئی امید نہ ہو۔

# اجتہاد و تقلید

**۱** تقلید واجتہاد کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے بعض افراد مجتہدین سے سوال و استفسار کرنے کے ہمارے موقف پر [لایسئل عمایفعل ] کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں؟ علاوہ ازیں ہمارے اوپر ہونے والے اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ فلاں مجتہدین کے خلاف ہے۔

جواب :

ہمارے اوپر ہونے والے سلسلہ اعتراضات، شکوک وشبہات میں سے ایک فقہاء ومجتہدین کے بارے میں ہمارے خیالات ونظریات ہیں جسے مجتہدین ومقلد ساز کارخانے چلانے والوں نے مسلمین ومومنین کو خدا اور اس کے رسولؐ سے زیادہ مجتہدین اور قرآن کریم سے زیادہ توضیح المسائل سے باندھ کر رکھا ہے۔

ہم کیونکہ غیر خدا جو بھی ہستی ہو اس کے معینہ حدود کے اندر رکھنے کے داعی ہے آئمہ طاہرینؑ کی شان میں غلو کے خلاف ہیں چہ جائیکہ وہ مقام واختیار جو خود آئمہؑ کو حاصل نہیں انھیں دیا جائے، جب ان کیلئے بابِ امر بالمعروف ونہی از منکر سے اظہار خیال کرتے ہیں تو ان پر انتہائی گراں گزرتا ہے۔

ہم اجتہاد اور تقلید کے بارے میں عادلانہ تصور رکھتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں افراط وتفریط دونوں کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ موقف ناقدین پر گراں گزرتا ہے گویا ہم نے ان کے خدا کے حق میں بے ادبی کی ہو لہٰذا ہم اپنے حق کا دفاع کرتے ہوئے اپنی وضاحت پیش کریں گے۔

مجتہدین عظام کے بارے میں جو کچھ ہماری پہلی تالیفات میں آیا ہے اسے مجتہدین اور علماء اعلام کیلئے ہماری طرف سے جسارت واہانت گردانے پر اصرار کیا ہے اور انھیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اب تو انہوں نے مجتہدین کو بھی معاف نہیں کیا ہے۔ ہم نے چندین بار واضح واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ جو کچھ مجتہدین عظام کی کوتاہی اور سستی اور ملت اسلام پر گزرنے والے مسائل کے بارے میں کسمپرسی کے شکوے شکایتیں ہیں وہ خود ایران وعراق کے کتب وجرائد میں نشر ہونے والی کتابوں سے ہم نے اخذ کی ہیں جن کے حوالہ جات ہم نے پہلے ''افق گفتگو'' میں بھی لکھے ہیں اور اب ان شکووں میں بھی دے رہے ہیں مزید بھی اگر کوئی

دیکھنا چاہے (تو مصادر ہمارے پاس موجود ہیں) دکھا سکتے ہیں۔

## اجتہاد:

اجتہاد، کی اصطلاح اکثر محققین تصریح کی بناپر بارھویں صدی کے بعد علماء کی جعل کردہ اصطلاحات میں سے ہے جو کہ قرآن کریم کی آیات اور روایات اسلامی کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں بلکہ ان کے سراسر منافی ہیں، قرآن کریم نے دین کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کو فقہ کہا ہے جبکہ اس کے جاننے والے کو فقیہ کہتا ہے۔ سابق زمانے میں لفظِ فقیہ اس انسان کیلئے استعمال ہوتا تھا جس کے پاس ایک ایسی طاقت ہوتی تھی جس کو بروئے کار لاکر وہ احکامِ شرعیہ کو ادلۂ شرعیہ سے درک کرسکتا تھا جبکہ کلمہ اجتہاد مادۂ جہد سے لیا گیا ہے جس سے جہاد بنا ہے یہ زیادہ تر میدان جنگ اور نفاذ شریعت کی خاطر کوشاں افراد کیلئے بھی استعمال ہوتا تھا۔

لیکن گذشتِ زمان کے ساتھ یہ لفظ ہر اس انسان کیلئے استعمال ہونے لگا ہے جیسے وہ شخص جو فقہی مسائل کو حفظ کرتا ہو اور دیگر علماء کی آراء ونظریات پر عبور رکھتا ہو اس کے بعد خود احکام شریعہ کو ادلہ تفصیلی سے استنباط کرنے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا، گرچہ خود حکم شرعی کو دلیلِ شرعی سے استنباط کرنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں یہ لفظ ہر اس انسان کیلئے استعمال ہونے لگا ہے جو فقہی مسائل کو شرعی دلیل سے استنباط کرنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔

احادیث میں کلمہ فقہ کی جگہ روایت استعمال کیا گیا ہے یہ دونوں کلمہ اصل اسلام اور قرآن وسنت کے مزاج اور روح سے ہم آہنگ ہیں لہٰذا متقدمین علماء احکام شرع بتاتے وقت روایت نقل کرتے تھے، روایت کا نتیجہ اخذ کرنے کی سنت جب شروع ہوئی تو کلمہ اجتہاد، فقہ وتفقہ کے معنوں میں استعمال ہونے لگا جبکہ جاہل کا عالم وہادی کی طرف رجوع کرنے کیلئے قرآن کریم میں ''تاسی اور اتباع'' دو کلمہ استعمال ہوا ہے:

﴿ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ اَحْسَنَهُ ﴾ ''جو غور سے سنتے ہیں بات پھر پیروی کرتے ہیں اس کے بہترین پہلو کی''۔ (زمر ۱۸)

لیکن جیسا کہ پہلے بیان کرچکے ہیں بارہویں صدی سے فقہ کی جگہ اجتہاد اور فقیہ کی جگہ مجتہد استعمال ہونے لگا لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ اس کلمے کو پہلے کس نے استعمال کیا اور کیا حسن رکھتا ہے اس بارے میں کسی کا کوئی بیان نہیں، تاہم تاریخ دولۃ الاسلامیہ میں اس کی تعریف میں لکھا گیا ہے کہ اجتہاد مادہ جہد سے

ماخوذ ہے جیم پر پیش، صعوبت ومشقت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اجتہاد، مادہ جہد سے مآخوذ ہے یہ کلمہ قرآن کریم کی ۱۹ سوروں کی ۳۷ آیات میں ۴۱ بار تکرار ہوا ہے جس کے لغوی معنی کوشش کرنا، زحمت اٹھانا، ناگوار، مشقت اور طاقت بذل کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں : [الحمد اللہ الطاقة و لوسع بذل] مشقت میں مبالغہ کرنا۔

اقرب الموارد میں لکھتے ہیں: پریشانی، ناگوار اور نامساعد حالت میں کسی چیز کی تلاش کرنے کو کہتے ہیں جیسا کہ فلاں نے جہاد کیا یعنی متعلقہ چیز کو ڈھونڈنے کیلئے اپنی طاقت وقدرت کو صرف کیا اور مشقت کو برداشت کیا:

﴿ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِه ﴾ ''اور جو شخص جفاکشی کرتا ہے تو وہ صرف اپنے فائدے کیلئے کرتا ہے''۔ (عنکبوت ۶)

## ضرورتِ اجتہاد :

مسلمانوں کے پاس اجتہاد ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دین اسلام ایک ایسی شریعت ہے جو ہر زمان و مکان میں انسان کی ہدایت ورہبری کی صلاحیت رکھتی ہے یہ وہ دین ہے جو حسب تصریح قرآن کریم اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے تمام بشریت کیلئے نازل ہوا ہے اور یہ دین انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے چاہے وہ فردی زندگی ہو یا اجتماعی۔

اس وقت امت مسلمہ دو حال سے خالی نہیں ہے:

۱)۔ فقہاء اسلام نئے پیدا شدہ مسائل کے حل بتانے سے عاجز وناتواں اور قاصر ہیں لہٰذا اب جو قوانین اسلام کے مقابلے میں انسان کی طرف سے وضع اور جعل ہوئے ہیں ان کے سامنے تسلیم ہو جائیں۔

۲)۔ یا یہ کہ ہمارے فقہاء کے سامنے اجتہاد کے دروازے کھلے ہیں اور ان کے لئے درپیش نئے مسائل کے حل کے بارے میں وہ قرآن وسنت کی روشنی میں فتویٰ استنباط کریں اور فقہاء شیعہ وسنی ایک دوسرے کے نظریہ کا احترام کریں اور ہمارا یہ موقف نہیں اس وقت اجتہاد کرنا امت کی ضرورت ہے بلکہ شریعت اسلامی کی طبیعت اور امتزاج میں اجتہاد متقاضی ہے کیونکہ یہ شریعت خدا کی آخری شریعت ہے جو ہمیشہ رہنے کیلئے نازل کی گئی ہے جو باطل نہ ہونے والی ہے۔

دین اسلام :

جیسا کہ قرآن وسنت میں آیا ہے کہ انسانِ عاقل وبالغ کے قول وفعل کیلئے ایک حکم بیان کیا ہے جسے اصطلاحِ فقہاء میں احکام خمسہ کہتے ہیں یہ اپنی جگہ انسان کیلئے اہم مقاصد ومصالح کے حامل علمائے اعلام نے شریعت اسلامی کے تمام اصول وفروع کا خلاصہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ دین اسلام کی اہداف ومقاصد کا خلاصہ پانچ چیزوں کے حصول وحفظان کیلئے آیا ہے : واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام۔

مقاصد شرع کے مقاصد :

۱۔ تحفظِ نفس: دین اسلام انسانی نفس کے تحفظ کیلئے آیا ہے، ہر وہ چیز جو نفس انسانی کے حفظ کے خلاف ہو یا اس کیلئے باعث خطر ہو، دین اسے مسترد کرتا ہے۔

۲۔ تحفظ دین : دین اسلام دائمی طور پر قائم رہنے کیلئے آیا ہے اگر دین ہی نہیں ہے تو کوئی اور چیز دین کا بدل نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ دین ان تمام چیزوں کی بنیاد ہے کہ جن کے تحفظ میں ہماری بقاء ہے، دین میں اصول بھی ہیں فروعات بھی اور ان تک رسائی قرآن شناسی اور حدیث شناسی کے ذریعے ممکن ہے جہاں تک قرآن کا تعلق ہے تو عملی زندگی میں اس سے اجنبی تھے اور حدیث پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے لیکن اب تو حدیث سے بھی بے نیاز ہوگئے اب وہ اپنے سے پہلے مجتہد سے نقل کر کے فتویٰ بناتے تھے لیکن اب نئے دور کے تقاضوں کا بہانہ کر کے ان سے بھی بے نیاز ہوئے ہیں اور اب از خود کہہ دیتے ہیں اسی کو حجت بتاتے ہیں۔

۳۔ حفظ آبرو : اسلام انسان کی عزت وآبرو کو خاص اہمیت دیتا ہے، یہ انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ہے، اس آبرو کے بغیر زندگی کا مفہوم ختم ہوجاتا ہے۔

۴۔ حفظ عقل : دین کا ایک مقصد عقل کی حفاظت ہے۔ چنانچہ جو چیز خلاف عقل ہو، دین اسے مسترد کرتا ہے۔

۵۔ حفظ مال : اسلام انسان کو اس کے اپنے اور دوسروں کے مال کی حفاظت اور اس کو لاحق خطرات سے بچانے کا حکم دیتا ہے۔

انہی پانچ ضروریات کے تحفظ کی خاطر شریعت مقدس نے قوانین جعل کئے ہیں تا کہ یہ پانچ مقاصد محفوظ رہیں

## اجتہاد اور مرجعیت :

انسانی اجتماع میں ہر قسم کی افرادی قوت اور توسیع نے نئے مسائل ومشکلات کے ساتھ زمینی آئین سازوں کیلئے ایک مشکل اور پریشان کن صورتحال کو جنم دیا ہے ہر وہ گروہ جو اپنی زندگی کے تمام مسائل میں مافوق کا تابع ہے وہ آسمانی ہیں۔

دین اسلام خداوند عالم کا نازل کردہ دین ہے جس میں انسانی زندگی کے بنیادی مسائل کو واقع وآشکار صورت میں بیان کیا گیا ہے لیکن اس کے تطبیقی اور نئے مسائل کو خود انسانوں پر چھوڑا ہے کہ وہ از خود تلاش وجستجو کر کے ان کا حل تلاش کریں، اس سلسلے میں شہید مطہریؒ فرماتے ہیں :

اجتہاد وتفقہ ایک مسلمان کیلئے بنیادی اور اہمیت والا وظیفہ ہے، اجتہاد ہی اسلام کو حرکت میں رکھتا ہے۔ اسلام میں کلیات ناقابل تغیر اپنی جگہ محدود ہیں لیکن حوادث وپیش آنے والے مسائل انہی کُلیات کے ضمن میں آتے ہیں اور تغیرات سے محفوظ نہیں رہتے، ہر ایک زمان و مکان کیلئے نئے تقاضے اور نئے حل ہوتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ہر زمانے میں ہر شعبہ کیلئے کلیات دینی کے بارے میں عارف وآگاہ انسان ہوں تا کہ نئے پیش آنے والے مسائل کو کلیات اسلامی سے استنباط کریں، نئے پیش آمد مسائل کو بنیادی وغیر متغیر کلیات اسلام سے وصل کریں چنانچہ ہمارے پاس ان مسائل کا جواب ہو کہ اجتہاد کیسے پیدا ہو سکتی ہے، ایک مجتہد میں کیا شرائط وخصوصیات ہونا چاہیے مجتہد کن چیزوں سے متاثر ہوتا ہے ایک مجتہد کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ان کے بالمقابل لوگ کیا مسئولیت وذمہ داری رکھتے ہیں؟۔[1]

## نظام اجتہاد کے مفاسد :

ہر نئے درپیش مسئلے کے بارے میں حکم وہدایت یا ارشاد ورہنمائی دینے والے شخص کو فقیہ ومجتہد اور اس عمل کو اجتہاد کہتے ہیں دین اسلام لوگوں پر طاقت وقدرت والے انقلاب کے ذریعے نہیں ٹھونسا جاتا ہے بلکہ یہ ارشاد ورہنمائی، قانع ومطمین کرنے اور فکر وسوچ کی طرف دعوت دینے پر زیادہ اعتماد کرتا ہے یہاں سے پتہ

---

[1] [مجلّہ پژوھش ش ۲۸ ص ۶۶]

چلتا ہے کہ ہر علاقے، ہر زمانے اور ہر دور اور ہر قوم وملت کے ہر مسئلے کے بارے میں حکم شرعی بتانے کی کیا قدر و قیمت ہے اور ایسے شخص کیا حیثیت، کیا مقام ومنزلت اور کیا اختیارات رکھتا ہے اسی کا نام اجتہاد ہے۔

اجتہاد کے کیا مصادر وماخذ ہیں۔

اجتہاد کو ایک زندہ، ضروری اور بنیادی مسئلہ گردانا جاتا ہے جو زمان ومکان کے حوالے سے ناگزیر ہے۔ مسلمانوں اور شریعت اسلامی کیلئے اجتہاد کی ضرورت وافادیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شریعت اسلامی میں مجتہدین کے دو ادوار ہیں ایک دورِ کشف جس میں مجتہدین نصوصِ اسلامی میں غور وخوص کر کے صاحب شریعت کے مقام ومقصود تک پہنچے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن وسنت کے مطابق اس مسئلے کے بارے میں یہ حکم ہے اس بارے میں توانائی اور مشقت سے کی جانے والی کوشش اور عمل کو اجتہاد، عمل کرنے والے کو مجتہد جبکہ برآمد ہونے والے نتیجے کو کشف وخبر کہتے تھے یہاں شریعت میں مجتہد اپنی کوئی رائے یا نقطہ نظر داخل نہیں کر سکتا اور وہ ایک مخبر، راوی کی حیثیت رکھتا ہے۔

خلا ونقص کو پر کرنا:

جہاں کہیں درپیش مسائل میں سے بعض مسائل کے بارے میں نصوص شرعی اصلاً نہ ہوں تو اس جگہ کو پر کرنے کا حق ولی الامر کو دیا جاتا ہے اور ہر دور کے ولی الامر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس خلا کو پر کرے لیکن سوال اب بھی اپنی جگہ باقی ہے کہ ولی امر کون ہوگا؟

امام غزالی نے مجتہد کے بارے میں کہا ہے کہ مجتہد میں دو شرائط کا ہونا ضروری ہے:

۱)۔ تمام مدارک ومصادر پر احاطہ ہو اور اس کیلئے ممکن ہو کہ ان پر نظر دوڑانے کے بعد ایک کو مقدم رکھے اور دوسری کو مؤخر کرے۔

۲)۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عادل ہو یعنی قبیح گناہوں سے پاک ہو۔

ان دونوں شرائط کی توضیح وتفسیر ضروری ہے تا کہ ہر وہ شخص جو اس کو چیلنج کرے اور اس کے مقابل میں امت کے سامنے کھڑا ہو جائے کہ میں بھی یہ صلاحیت رکھتا ہوں تو واضح ہو جائے کہ ان میں سے فقیہ ومجتہد کون ہے جہاں تک ادلۂ شرعیہ پر احاطہ کا تعلق ہے اس میں اجتہاد اور اس کی صلاحیت رکھنے والے میں اتنی صلاحیت ہو کہ وہ اپنی رائے اور دلیل وبرہان سے دوسرے کی رائے پر غلبہ حاصل کرے نہ کہ خواہشات کی پیروی کرے۔

جہاں تک دوسری شرائط کا تعلق ہے یعنی عادل ہو، دین دار ہو اور لوگوں کی نظر میں مشکوک نہ ہو، اوامرِ الٰہی

ادا کرنے اور محرمات سے پرہیز کرنے والا ہو۔کوئی ایسا عمل انجام نہ دیتا ہو جو اس کی عدالت کو مشکوک بنادے، گناہِ کبیرہ انجام نہ دیتا ہو، یہ شرط کسی شخص کے مجتہد ہونے کی شرط نہیں ہے (کیونکہ مجتہد صلاحیت و اہلیت آنے سے ہوتا ہے) بلکہ اس کے اجتہاد کو قبول کرنے اور اس کے فتاویٰ پر اعتماد و بھروسہ کیلئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کو درپیش مسائل میں کسی حکمِ شرعی کی طرف رہنمائی کرے جیسے مریض کیلئے طبیب اور دوا، دونوں کی ضرورت ہے، طبیب چاہے کتنا ہی اعلیٰ سند یافتہ ہی کیوں نہ ہو جب وہ طمع و لالچ میں مشہور ہو تو اس کی طب اور دوا پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا ہے اسی طرح فقیہ و مجتہد جس کا دین لوگوں کیلئے مشکوک ہو اور اس کے اخلاق سے لوگ نفرت کرتے ہوں تو ایسے لوگوں سے دین لینا کسی اندھے سے راستہ پوچھنے کے مترادف ہے۔ ہمارا مدعا ہے کہ عدالت صحت اجتہاد کی شرط نہیں ہے جیسا کہ اگر فاسق کے پاس بھی یہ شرائط موجود ہوں اور اس کی رائے کسی مسئلے میں ترجیحی ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنی رائے پر عمل کرے کیونکہ اس کا ادلۂ شرعیہ پر گمان اپنے پاس موجود دلیل کی دوسرے کی دلیل سے اقویٰ ہے، اس کا گمان دوسرے کے گمان سے زیادہ قوی ہے تو اس کا اپنی رائے پر عمل کرنا ضروری ہے مثلاً اگر اس کے پاس ثابت ہو کہ پورے سر کا مسح کرنا چاہیے گرچہ دوسرے کے پاس سر کے کچھ حصہ پر مسح صحیح ہو تب بھی اس کیلئے پورے سر کا مسح کرنا ضروری ہے اگر کسی کا اجتہاد اس نتیجے پر پہنچا ہو کہ تین طلاق ایک ہی کلمے کے ساتھ ہوتی ہو تو بیوی ہمیشہ کیلئے اس سے جدا ہو جاتی ہے گرچہ دوسرے مجتہدین کے نظریات اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، ہم کہتے ہیں کہ اس کا نظریہ تنہا اسی شخص پر لازم اور نافذ ہے لہٰذا خود مجتہد کیلئے احکام شرعیہ کا علم و یقین ضروری ہے لیکن اس کے مقلدین کیلئے ایمان شرط ہے۔

مجتہد، کسی قوم، قبیلہ یا مخصوص گروہ کا نہیں ہوتا تا کہ یہ ادنیٰ یا نچلے طبقے اور عام لوگوں کیلئے شجرۂ ممنوعہ قرار پائے، بلکہ مجتہد کے معنی لغت میں جدوجہد کرنے کے ہیں چنانچہ عرفِ عام میں کسی بھی مسئلے کے بارے میں جاننے کیلئے تحقیق کر کے سند تک پہنچنے کیلئے کوشش کرنے والے کو مجتہد کہا جاتا ہے، مجتہد کیلئے کوئی بھی ایسی شرط نہیں کہ وہ ایسا مجتہد بن جائے جس کے متعلق دوسرے لوگوں کیلئے دوبارہ تحقیق کرنے کی گنجائش ختم ہو جائے، مجتہد کے سامنے ایک عام طالب علم یا ایک ادنیٰ فرد کا اصول و فروع اور دین کے بارے میں پیش آنے والے مسائل کا اٹھانا کوئی جرم و جنایت نہیں ہے بلکہ سوال کرنا سب کا حق ہے اور اس حق کو کسی سے چھینا نہیں جاسکتا، دین میں ایسا بھی نہیں ہے کہ بعض چیزوں کے بارے میں سوال کیا جاسکتا ہو اور بعض کے

بارے میں سوال نہیں اٹھایا جاسکتا ہو، اور سوال کرنے کے مواقع محدود کر دیئے جائیں تا کہ ایسے سوالات سے روکا جاسکے جن کا کوئی جواب نہ ہو اس طریقہ کار کا ایک اور مطلب دین و مذہب اور ملت اسلام میں ایک باطل اور منحرف فکر کو فروغ دینا اور مخصوص افراد کی اجارہ داری قائم کرنا ہے جو دین وملت دونوں کے ساتھ ظلم و زیادتی ہے، بعض افراد شاید یہ سمجھتے ہوں کہ مجتہدین کے اسماء گرامی پر غلو آمیز القاب وصفات کا پیوند لگانے والے دین کے بہت شیدا ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات مفاد پرست لادین، سیکولر افراد کے اپنے ذاتی مقاصد ہوتے ہیں کبھی کسی خاموش مجتہد کی مرجعیت کے خواہاں ہوتے ہیں۔

مجتہدین کو بہت عزت واحترام دے کر ان کا چرچہ کرنے والے دین کے چور، ڈاکو اور اسلام کو یرغمال بنانے والے سیکولر لوگ ہیں یا لادین طاقتیں ہیں جو دین کا گلہ گونٹ کر تھوڑی بہت دینی غیرت رکھنے والوں کو اسلام سے دور رکھنا چاہتی ہیں، یہ لوگ اس کام کیلئے عمامہ پوش شخصیات کی سرپرستی یا مراجع کی نگرانی یا پھر مجتہدین کے فتاویٰ کے زیر سایہ چلنے کا مظاہرہ کرتے ہیں اس گروہ کیلئے اگر مقامی عمامہ پوش افراد کارآمد ثابت نہ ہوں تو پھر کہتے ہیں کہ ہم یہاں کسی کو نہیں جانتے بلکہ ہم صرف مراجع کی بات مانتے ہیں لیکن جب کسی مرجع کا فتویٰ آتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے مجتہد کا فتویٰ نہیں پھر بھی کام نہ بنے تو دفتر استفتاء کے مسئولین سے رابطہ کرتے ہیں اور بیان میں چندین بار ''اگر، مگر'' کا تکرار کر کے فتویٰ اپنے حق میں تبدیل کرا لیتے ہیں تا کہ اپنی من مانی اور من پسند توجیہ کے مطابق کام چلا سکیں جب ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مجتہدین اور مراجع کی کوئی تقدیس واحترام نہیں چاہے یہ صورت حال پاکستان کی ہو یا دیگر مقامات کی جہاں کہیں بھی یہ گروہ موجود ہو اس بارے میں ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا گزر اوقات انہی باتوں سے ہو رہا ہے۔

انہی فقہاء نے مذہب کے ان معاملات میں جن سے مذہب روزِ روشن کی طرح خرافات کا شکار یا اس کا حلیہ بگڑ رہا ہے یا پھر باطل اس میں داخل ہو رہا، ان کے متعلق ''اشکال، حرام، منع'' کا فتویٰ ہرگز نہیں دیا ہے اور نہ دینے کیلئے آمادہ ہیں چنانچہ انہوں نے عزاداری کو ہر قسم کی جھوٹی کہانیوں، افسانوں اور فرضی مجہول الحال یا معلوم الحال کو جھوٹی کتابوں سے یا پھر گمنام اور ضعیف حوالوں سے فضیلت کا نام دے کر عزاداری میں بیان کرتے اور انہی رائج باطل رسومات کی تائید میں فتویٰ دیتے ہیں جس کی وجہ سے آج اس میں دین نام کی چیز نہیں رہی بلکہ جھوٹ اور بدعات وخرافات نے اس کی جگہ لے لی ہے۔

# فقہاء اور مراجع عظام کی تقدیس

۱۔ تقدیس قدس سے ہے جس کے معنی کسی ہستی کو آلودگیوں سے پاک قرار دینا ہے یہ تقدیس خلق خدا کی طرف سے صرف خدا کیلئے مخصوص ہے جیسا کہ ملائکہ خداوند متعال کیلئے مخصوص ہیں:

﴿وَنُقَدِّسُ لَکَ﴾ ''اور تقدیس کرتے ہیں تیری''۔(بقرہ ۳۰)

۲۔ خداوند متعال کسی ہستی کے پاک ہونے کا اعلان کریں جیسے جبرئیل:

﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّکَ﴾ ''کہہ دو! کہ نازل کیا ہے اسے روح القدس نے تمہارے رب کی طرف سے''۔(نحل ۱۰۲) ﴿وَاَیَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ ''اور روح القدس سے ان کی تائید کروائی''۔(بقرہ ۸۷)

ہمارے ہاں انبیائے الٰہیؑ اور آئمہ طاہرینؑ کے سوا کسی بھی ہستی کو خطاء، اشتباہ اور غلطی سے محفوظ و پاک نہیں سمجھا جاتا ہے چاہے وہ علامہ اور نابغہ روزگار ہی کیوں نہ ہوں لہٰذا قُدسیت صرف نبیؐ اور اہل بیت اطہارؑ تک محدود ہے۔

۳۔ نبی کریمؐ اور آپؐ کے برگزیدہ و منتخب اہل بیتؑ جو مصداق آیہ تطہیر ہیں ان کے علاوہ باقی کسی کو مقدس قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کل کا پاک آج نجس، آج کا نجس کل پاک ہوسکتا ہے۔ پوری کائنات ایک کارخانہ ہے جو نجسوں کو پاک کرتی ہے اور پاکوں سے نجس نکالتی ہے، تقدس علم کے درجات کا نام نہیں بلکہ مقدارِ اعلیٰ وارفع درجۂ ایمان کا نام ہے جبکہ مجتہدین کی مثال سورۂ جن کی آیت ۱۱ کا مصداق ہے:

﴿وَاَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِکَ کُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا﴾ ''اور یہ کہ ہیں ہم میں سے کچھ نیک اور کچھ ہم میں سے ہیں اور طرح کے گویا ہیں ہم مختلف طریقوں میں بٹے ہوئے''۔(جن ۱۱)

ہمارے ہاں فقہاء اور مراجع کا تعارف مذہب شناس یا دین شناس ہونے کی بجائے امام زمانؑ کے عظیم الشان نائبین کے عنوان سے کرایا گیا ہے اور کرایا جاتا ہے جس سے بہت سارے لوگ اشتباہ میں پڑ جاتے

ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے مجتہدین امام زمانہؑ کے نائب ہیں یا ان کا امام سے براہ راست تمسک ہے جبکہ اس تصور کی قرآن، سنت رسولؐ اور آئمہ طاہرینؑ کی سیرت کی روشنی میں کوئی بنیاد و اساس نہیں ملتی، دنیا میں ایک عالم اور دوسرا جاہل ہوتا ہے عقلاء عالم ہمیشہ عالم کو جاہل پر فوقیت دیتے ہیں، ہمیشہ عالم کو جاہل پر مقدم رکھتے ہیں اسی اصول کے تحت دنیا میں زندگی کے ہر شعبہ اور مکتبہ فکر میں عالم کو جاہل سے افضل و بہتر سمجھا جاتا ہے لیکن قرآن مجید، سنت پیغمبرؐ اور سیرت آئمہ طاہرینؑ کے مطابق عالم شخص کی اس وقت تک کوئی اہمیت و فضیلت نہیں جب تک وہ ایمان سے بھرپور یا مقرون نہ ہو یعنی ایمان سے قریب اور امین نہ ہو۔

گذشتہ فقہاء و مجتہدین ہمارے لئے آخری حجت نہیں ہیں وہ اپنے دور میں اپنے علاقے کیلئے مبلغ اسلام اور مروج احکام شرعیہ ضرور تھے نہ وہ آج کل کے علماء سے علم و دیانت میں بہتر و برتر تھے جس طرح آج کل کے علماء و فقہاء وقت کے حکمران، سرمایہ داروں، اجتماعی و سماجی اہل حل وعقد کے نرغے میں اسیر ہوتے ہیں اور ان سے متاثر ہوتے ہیں اسی طرح گذشتہ علماء و فقہاء بھی تھے۔

دنیا کے ہر شعبہ زندگی میں عالم کو جو مقام حاصل ہے وہی ہمارے ہاں بھی عالم کو حاصل ہے وہ بعض امور میں عالم جبکہ بعض دیگر معاملات میں جاہل ہوتے ہیں عالم کبھی امین تو کبھی خائن ہوتا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی آیات میں خداوند متعال نے علمائے یہود کی سخت مذمت کی ہے کیونکہ انہوں نے کبھی حق کو چھپا کر خاموشی اختیار کی تو کبھی آیات الٰہی کی غلط تفسیر کر کے اس کے بدلے مادی معاوضہ حاصل کیا۔ جب علمائے یہود اپنے کردار کی وجہ سے مواخذۂ الٰہی کی زد میں آئے تو کیونکر علمائے اسلام اس سے بالاتر ہو سکتے ہیں لہٰذا ہمارے ہاں بھی عالم باعمل بھی ہو سکتا ہے اور بے عمل بھی، دین کا تحفظ کرنے والے بھی ہیں دین فروش بھی، دین کو از روئے تقلید بچانے والے اور از روئے تحقیق تحفظ دینے والے بھی پیغمبر اسلامؐ کے بعد سے عصر حاضر تک امت اسلام میں ہر قسم کے علماء و فقہاء آئے ہیں مسلمانوں میں اچھے عالم، زاہد اور پارسا و مجاہد بھی پیدا ہوئے تو ساتھ ہی فاسد اور دین فروش اور وقت کے حکام و ظالموں کے مددگار بھی۔ اس سلسلے میں ملت تشیع کے علماء کی اقسام دوسروں سے زیادہ مختلف نہیں، دوسرے مذاہب میں بھی عالم، زاہد اور مجاہد نکلے ہیں اور ہمارے ہاں بھی انہی خصوصیات کے عالم پیدا ہوئے ہیں، اسی طرح تمام فرقوں میں بھی دین فروش، وقت گزارنے والے اور عوام کی مرضی چاہنے والے علماء نکلے ہیں۔

بعض فقہاء و مجتہدین طول تاریخ میں بادشاہان، سلاطین، اربابِ اقتدار اور صاحبانِ مال و دولت کے

قریب رہے اوران کی مرضی کے بغیر نہ ان فقہاء ومجتہدین کی زبان کھلتی تھی نہ ہی قلم چلتا تھا لیکن بہت ہی کم ایسی ہستیاں نکلی ہیں جنھوں نے بغیر کسی کمی وبیشی کے ندائے حق کو بلند کیا یہ ہستیاں معاشرے میں اکثر و بیشتر گمنام، ناکام، بدنام رہی ہیں اور کبھی کامیاب بھی ہوئیں ہیں۔

اگر ضد ونقیض کا نظریہ رکھنے والے تمام کے تمام علماء وفقہاء ہمارے لئے نورِعین اور حجتِ خدا ہیں تو علیؑ اوران کے مخالفین دونوں کے کردار کو اجتہاد گردانے والوں کو کیوں نہیں بخشا جاتا ہے اور انھیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہ گردانے والوں کی کیا تقصیر ہوگی اوراس میں خرابی کیا ہے ایک مثال پر گفتگو کو ختم کرتے ہیں ایک عرصے سے ہمارے ملک میں مسلمانوں کا قتل عام ہورہا ہے اور ایران میں حکومت اسلامی کو مغربی طاقتوں کی طرف سے للکارتے ہوئے دھمکی دی جارہی ہے بتادیں ایران کے اندر موجود بعض مراجع اور نجف اشرف میں موجود فقہاء ومراجع نے اس کے بارے میں کبھی زبان تک کھولی ہے یا نوک قلم کو حرکت دی ہے؟

کلمہ اجتہاد مجتہد وتقلید بارھویں صدی کے محققین کے بعد علماء کی جعل کردہ اصطلاحات ہیں جو کہ قرآن کریم کی آیات اور روایات اسلامی کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں بلکہ اس کے سراسر منافی ہیں، قرآن کریم نے دین کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کو فقہ کہا ہے جبکہ اس کے جاننے والے کو ''فقیہ'' کہتے ہیں۔

سابق زمانے میں لفظِ فقیہ اس انسان کیلئے استعمال کرتے تھے جو فقہی مسائل کو حفظ کرتا ہو اور دیگر علماء کی آراء ونظریات پر عبور رکھتا ہو جس کے پاس ایک ایسی طاقت ہوتی تھی جس کو بروئے کار لاکر وہ احکامِ شرعیہ کو ادلۂ شرعیہ سے درک کرسکتے تھے۔

## تقدیسِ علماء وفقہاء:

قدیم زمانے سے عصر حاضر تک قرآن وسنت، عقل ومنطق سے ہٹ کر مختلف مصادیق میں طاقت کے ذریعے بعض علماء وفقہاء کی تقدیس کرائی جاتی ہے جس کی وجہ سے دین مقدسِ اسلام کو ناقابلِ جبران نقصان پہنچا ہے اس تقدیس سے اگر فائدہ پہنچا ہے تو وہ ان کے عزیز واقارب اور لواحقین کو ہی پہنچا ہے دین تو اس کی وجہ سے پیچھے رہ گیا ہے اس دعویٰ کو دلیل ومنطق سے آراستہ کرنے کی خاطر ہم اس کی انواع واقسام، کم وکیفیت اوراس سے برآمد ہونے والے نامطلوب نتائج کی ایک فہرست قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ متقدمین فقہاء کو جو مقام وتقدس دیا گیا ہے وہ متأخرین کو حاصل نہیں ہے اس تفصیل کی کوئی دلیل

ومنطق پیش نہیں کی گئی ہے سواء اسی پرانی منطق کے کہ جس کو بعض فرق اسلامی نے سلف صالح کے نام سے اٹھایا ہے اہل سنت والجماعت اگر کسی شخص پر رک گئے تو بُرا ہوا لیکن اپنے ہاں جب ایسا ہوا تو اچھا ہوا۔

۲۔ صاحبانِ مال ودولت جن کے ہاتھوں میں بذل وبخشش کیلئے مال ہے ان کی باتیں اور انکے اشارے کنایے بغیر دلیل وسند حجت بنتے ہیں لہٰذا ان کے حق میں کوتاہی کرنے والے کے بارے میں ان کی کرامات نقل کرتے ہیں۔

۳۔ مخصوص حوزات کے پڑھے ہوئے نجف اشرف یا حوزہ علمیہ قم کی علاوہ کسی اور جگہ کیلئے یہ منصب تقمص ہوگا اور مخصوص لباس میں ملبوس علماء ہی لائق وسزاوار اور قابل احترام ہیں۔

۴۔ صرف ونحو اور اصول فقہ کی موشگافی کرنے والے قرآن کریم سے نامحرم نالائق مرجعیت ہے وہ کیوں تعظیم وتقدیس کی سزاوار ہے؟۔

۵۔علوم حوزہ میں مہارت نہ حاصل کرنے والے افراد کو زہد وتقویٰ استجابت دعا کیلئے متعارف کراتے ہیں۔

قرآن کریم صرف اس انسان کے قول وفعل کو حجت گردانتا ہے جو مسلماتِ عقل اور صریح کلماتِ وحی سے مستند ہو۔اس کے علاوہ ہر قول وفعل حسبِ تعبیر قرآن کریم ظن وگمان پر مبنی ہے اور ظن وگمان کی پیروی کو قرآن حکیم نے شیطان کی پیروی قرار دیا ہے آیئے اس کی تفصیل دیکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا پانچ موجباتِ تقدیس واحترام ہیں جو ہمارے ہاں رائج ہیں، ان سے انکار کرنے والے کو بدعت گذار ومنکر اساس وضروریاتِ دین گنا جاتا ہے جبکہ ان کیلئے ایسا احترام ثابت ہونے کی نہ قرآن میں کوئی آیت ملتی ہے نہ سنتِ رسولؐ سے اور نہ ہی قول وفعل اور تقریر رسولؐ میں اور نہ ہی سیرت پاکِ آئمہ طاہرینؑ سے سند ملتی ہے۔

۱)۔کسی چیز کو مسلمات بنا کر یہ کہنا کہ اس سے آگے بات نہیں ہوسکتی اس کا مطلب یہ ہے کہ آگے آپ کیلئے تاریکی، خطرہ، شکست اور شرمندگی کا سامنا ہے ورنہ آگے بڑھنے میں کیا حرج ہے ایک مسلمات جعل کر کے آگے نہ بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ دین کو اپنی جغرافیائی قومی سطح تک محدود رکھنا چاہتے ہیں آپ اس دین کو تمام انسانوں تک لے جانے کے داعی نہیں ہیں کیونکہ آپ کہتے ہیں اس سے آگے بات نہیں کریں گے۔

۲)۔کائنات میں تمام انسانوں کیلئے متفقہ کوئی مسلمہ نہیں ہے اگر خلافت کا پیغمبرؐ کی طرف سے مقرر

ہونا شیعہ حضرات کے پاس مسلمات میں گنا جاتا ہے تو یہ اہل سنت والجماعت کیلئے متنازعہ اور نا قابل قبول مسئلہ ہے آپ کا اس کو مسلمات کہہ کر چیخ و پکار کرنا جلسہ وجلوس، مردہ بادو قطعِ تعلق اور افہام و تفہیم کے دروازے بند کرنے سے دین کو فروغ نہیں ملتا۔ اختلاف کی صورت میں فریقین کے نزدیک مسلمہ ومتفقہ اصول کی طرف برگشت کرنی چاہیے چنانچہ قرآن کریم نے بھی خلافت کے بارے میں اسی اصول کی طرف ہماری راہنمائی کی ہے جہاں سورہ نساء کی آیت ۵۹ میں فرمایا ہے کہ خلافت کے معاملات میں اختلاف ہو جائے تو معاملے کو اللہ اور رسولؐ کی طرف پلٹا دو۔ اس کے مقابلے میں یہ کہنا کہ اس مسئلہ میں بات نہیں ہو سکتی اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ آپ کو آگے بڑھنے میں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں شکست وشرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے ورنہ آگے بڑھنے میں کیا حرج ہے آپ ثابت کئے بغیر انھیں قبول کر نے پر زور لگا رہے ہیں کہ جس کی کوئی منطق نہیں۔

اسی طرح محمد مصطفیٰ ﷺ کی ختم نبوت کے بارے میں اختلاف جیسا کہ یہود و نصاریٰ اور مجوس اور فی زمانہ قادیانیوں کو ہے، ان سے یہ کہنا کہ ہمارے ہاں ختم نبوت ثابت اور ایک مسلمہ ہے اس بارے میں گفتگو نہیں ہو سکتی کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کو اپنی چار دیواری میں بند رکھنا یہ قرآن وسنتِ رسولؐ کے خلاف ہے کیونکہ اس دین کو ساری انسانیت تک پہنچانا امت مسلمین کے ہر فرد کی اوّلین ذمہ داری ہے ضرورت بعثت انبیاءؑ کو مسلمہ گردانتے ہوئے مشرکین سے گفتگو نہ کرنا اربوں انسانوں کو دین وشریعت خدا سے محروم رکھنے کے مترادف ہے، لہٰذا انھیں وجود خالق وصانع کے بارے میں گفتگو کی دعوت دینے کی ضرورت ہے دین اسلام کی انفرادیت وامتیاز اسی میں ہے کہ یہ تمام انسانیت کو دلیل وبراہین سے مقابلہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

اگر کوئی قرآن کو نہیں مانتا ہے تو آپ اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم تو آپ سے بات نہیں کر سکتے بلکہ اس سے گفتگو جاری رکھنے کیلئے کہنا چاہئے کہ آپ قرآن کو باطل ثابت کریں کہ آگے جا کر خدا کی طرف سے ہادی یا رہبر آنا چاہیے یا نہیں یوں اگر کوئی شخص کہے گا کہ ہم نہیں مانتے ہیں تو اگلے مرحلے پر خدا پر بحث ہوگی کہ خدا ہے یا نہیں اگر خدا مسلمہ ہے تو نبی کی ضرورت ناگزیر ہے اگر وہ وجودِ خدا کو مسلمات میں شمار نہیں کرتے، خدا کو نہیں مانتے تو یہ نہیں ہونا چاہیے کہ آپ سے بات نہیں ہو سکتی دنیا میں موجود ملحدین ومشرکین سے آپ کی بات ہو سکتی ہے آپ کو چاہیے دنیا کے مسلمات سے ہاتھ اٹھا کر مسلمات عقلی سے تمسک کریں اگر کوئی شخص

مسلمات عقل کو بھی نہیں مانتا ہے تو اس سے یہ گفتگو کرنی چاہیے کہ کس بات پر اتفاق کرتے ہو وہاں سے گفتگو کریں گے گویا جو دین حق وصدق پر ہے وہ اقامۂ دلیل اور برھان کیلئے کبھی فقیر وتنگدست نہیں ہوتا مسلمات بنا کر، دیوار کھڑی کر کے گفتگو کا دروازہ بند کرنا در حقیقت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ مذہب چور کا، خود ساختہ اور جعلی مذہب ہے یا مذہب اپنی جگہ حق ہے لیکن جو اشخاص داعی مذہب بنے ہوئے ہیں وہ جاہل ہیں لہٰذا یہ لوگ بہت کوشش کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ مذہب کی تمام باتیں کہنے کی نہیں ہوتیں سب کو صفحۂ قرطاس پر نہیں لایا جاتا وہ صفحات یا کتاب کسی شخص کے ہاتھ آسکتی ہے یہ سب باتیں من گھڑت مذہب کی دلیل ہیں۔

مسئلہ کو خدا اور رسولؐ کی طرف برگشت کرنے کی بجائے یہ کہنا کہ اس مسئلہ میں بات نہیں ہوسکتی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مذہب کو ایک محدود دائرے میں محصور رکھنے کے خواہاں ہیں جو اہل بیتؑ کی قولی وفعلی سیرت سراسر خلاف ہے کیونکہ آئمہ طاہرینؑ مذہب کی آفاقیت کے قائل تھے۔

## آسمانی شرائع اور بشری قوانین کی کارآمد ہونے کی رکاوٹیں، مشکلات :

دنیا میں ہر چیز تولد، ولادت سے شروع ہوتی ہے، جوانی ہر حوالے سے ثمر بخش وسود مند اور متحرک وکارآمد رہتی ہے پھر رفتہ رفتہ اس کے عناصر ترکیبی میں رکود وجمود آتا ہے، حرکت وفعالیت ناپید ہو جاتی ہے، جس طرح تاریخ بشریت میں بہت سے قوانین لغو ومحو ہو چکے ہیں اور ان کی کارآمدی کا دور ختم ہوا ہے اسی طرح بعض شریعتوں نے اپنے دورِ فعالیت اور انسانی تقاضوں کی جواب دہی سے عاجز وناتواں ہو کر میدان کو خالی چھوڑ دیا ہے کیونکہ ان کی مفاد پرستوں نے دین وشریعت کو اپنے گزراوقات کیلئے استعمال کرنے لگا جیسا کہ شریعت صابئین اور یہود ونصاریٰ نے کیا جیسا کہ قرآن کریم نے ان کے اس دین فروشی کی عمل کو اشتراءِ آیات خدا بہ ثمن قلیل سے تعبیر کیا ہے اس مسلمہ حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اس کے عوامل واسباب کا بھی تدارک کرنا ہے، شریعت وقوانین کی کارآمدی کا دور ختم ہونا اور وقت وحالات کے مسائل کا حل پیش کرنے سے عاجز وناتواں ہونے کے کیا اسباب وعوامل ہو سکتے ہیں اس سلسلے میں علمائے شریعت اور ماہرین قانون کا کہنا ہے کہ اس کے تین عوامل ہیں :

(۱)۔شریعت

(۲)۔قوۂ مجریہ

(۳)۔تحمل وپذیرش کرنے والی ملت۔

ان تینوں میں سے جس میں بھی ضعف، سستی، نقص وعیب پیدا ہوجائے بشر کی حرکت رک جاتی ہے اوراس سے بشریت کی قیادت ورہبری کی صلاحیت کھوجاتی ہے۔آیئے ہرایک کا خلاصہ ملاحظہ کریں۔

۱۔ شریعت :

شریعت سے مراداصول وضوابط ہیں جواجتماع کی خاطراس کے اعلیٰ اہداف کی رہنمائی کیلئے وضع ہوئے ہیں کبھی اس کے اندرموجودقوانین میں نئے مسائل کیلئے قانون کافقدان ہوتا ہے یابعض قوانین جوبوسیدہ ہوچکے ہوں اوران کی مدت ختم ہوچکی ہوتووہ موثرنہیں رہتے یہاں یہ قوانین عصرحاضراورآنے والے مسائل کیلئے جواب گونہیں ہیں رجعت قہقری کرناپڑتی ہے یامیدان کودوسرے قوانین کیلئے خالی کرناپڑتا ہے چنانچہ ماضی قریب میں کمیونزم کے ساتھ ایساہی ہوا۔جوکہ انتہائی آب وتاب کے ساتھ بشریت کی قیادت کیلئے پیش پیش تھالیکن آشکارہونے کے کچھ ہی عرصہ بعدرجوعِ قہقری شروع ہواجس کی وجہ سے انہیں اپنی ناتوانی کااعلان کرناپڑا۔

شریعت اسلام :

ہم یہاں پرعالم بشریت کیلئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رہتی دنیاتک اس کی سعادت ونیک بختی اورتمام تر پیش آمدمسائل چاہے زمانی ہوں یامکانی سب کاحل شریعت اسلام میں موجودہے،اسلام کے علاوہ کوئی بھی شریعت وقانون نہ خداکے نزدیک پسندیدہ ہےنہ بشریت کیلئے سعادت کاضامن ہے چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیات ۱۹،۸۵ میں بطورصریح اعلان ہواہے۔

ہم اپنے اس مدعاکوثابت کرنے کیلئے کہ دین اسلام میں تمام ترمسائل کاحل موجودہے چندمسلمہ اصول پیش کرتے ہیں :

۱۔ انسان کی سعادت دین کے سائے میں ہے،بشریت کاوضع کردہ قانون انسانیت کی ہمیشگی سعادت تو بہت دورکی بات ہے،ایک لمحے کیلئے بھی تمام انسانوں کی سعادت کی ضمانت دینے سے قاصرہے، وہ اگرکسی ایک گروہ کی ظاہری وسطحی ضمانت دیتاہےتودوسرے گروہ کو شقاوت وبدبختی میں مبتلاکردیتاہےلہٰذاسعادت صرف دین کے سائے میں ہے کیونکہ دین خداعلیم وقدیر،داناومحیطِ زمان ومکان کانازل کردہ ہے۔

۲۔ دین ہی کامل ہے یعنی تمام اصول وفروع، ہدایت ورہنمائی میں کسی سے وابستہ نہیں ہے یہ ایک کامل دین ہے جیسے :﴿الیوم اکملت لکم دینکم.....﴾

۳۔ دین خدا کی طرف سے ایک جامع ہے کیونکہ تمام تر احکام حلال وحرام کیلئے فرمانِ نبی کے تحت کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی ہے۔خراش تک کی دیت کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ دین وشریعت اسلام اجتہاد وتحقیق سے خوفزدہ ہراسان نہیں ہے وہ محققین ومتلاشینِ حقیت سے تنہا خوفزدہ نہیں ہے بلکہ دعوتِ تحقیق کا داعی بھی ہے۔

۵۔ قوۂ مجریہ

قوۂ مجریہ کے اس قانون کے مطابق منتخب نہ ہونا اور خود اس کا علم شریعت اور ایمان بہ شریعت کا فاقد ہونا یعنی خود اس کے انتخاب میں شریعت کے بتائے ہوئے اصول وضوابط کا خیال نہ رکھا جانا۔دین اسلام جو ایک قائم وجاوید دین ہے اس میں کسی قسم کا خلاء ونقص نہیں تھا لیکن پیغمبر اسلامؐ کے بعد اس کے انتخاب میں شریعت اسلام کا پاس نہ رکھنے کی وجہ سے اس قوۂ مجریہ کے انتخاب میں خلل آیا یہاں تک کہ تیس سال گزرنے کے بعد قوۂ مجریہ کا میدان سے خاتمہ ہوا اور شریعت سے بالکل اجنبی افراد اس شریعت کے مجری کیلئے منتخب ہوئے اور ہر آئے دن اس کے انتخاب کا رشتہ شریعت سے دور اور اجنبیت اختیار کرتا گیا یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلام کے موجود ہوتے ہوئے بھی اس شریعت کے حیات بخش ثمرات سے لوگ محروم رہے ہیں تو شریعت اسلام کے کارآمد نہ ہونے کی پہلی وجہ قوۂ مجریہ کا فقدان ہے۔

۶۔ ملت کی طرف سے تحمل وپذیرش کا فقدان:

ملت جب صبر وتحمل سے دین وشریعت اور مجریٔ شریعت کو اپنی آغوش میں نہیں لیتی ہے اور اسے اس کے مقام پر نہیں رکھتی ہے تو شریعت نہیں چل سکتی ہے،اس وقت ملت اسلامی اپنے دشمنوں کیطرف سے ملی ہوئی شریعت کو خوشی سے اپنے اوپر لاگو کررہی ہے لہٰذا اسے ہر آئے دن بدبختی اور بے چارگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلام ہر زمان ومکان کیلئے تطبیق ہونے کی خاطر اپنے اندر صلاحیت واہلیت رکھتی ہے یا نہیں۔

# بھوسے کے ٹیلے پر قائم فتواؤں کا جائزہ

۱)۔ تاریخی واقعات کے بارے میں فتویٰ :

جب بعض مراجع معاصر سے سوال ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی کتنی بیٹیاں تھیں؟ تو ان کی طرف سے جواب ہوتا ہے ہمارے نزدیک اقویٰ یہ ہے کہ آپ کی ایک ہی بیٹی تھی لیکن جب ان سے اپنے جواب کی سند کے بارے میں دوبارہ یوں استفسار کیا جاتا ہے :

(۱)۔ پیغمبر اسلامؐ کی ایک سے زائد بیٹیاں ہونا قرآن کریم کی کون سی آیت اور حدیث نبویؐ سے متصادم ہے؟

(۲)۔ اگر پیغمبر اسلامؐ کی ایک سے زائد بیٹیاں ہونے کو مان لیا جائے تو یہ کون سے مسلمہ اصول کے خلاف ہوگا؟

(۳)۔ کیا آپ کا فتویٰ تاریخ پر احاطہ کئے ہوئے ہے یا آپ تاریخ میں بھی اجتہاد رکھتے ہیں؟

(۴)۔ کیا اس سلسلے میں کبھی تدریس یا تحریر شدہ مواد پیش کیا گیا ہے؟ یا پھر کسی شخص کے قول پر اقویٰ لگا کر اپنا فتویٰ قرار دیا جاتا ہے؟

۲)۔ ربیبہ :

﴿وَرَبَآئِبُكُمُ اللاَّتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللاَّتِي دَخَلْتُم﴾ ''اور وہ لڑکیاں جو پل رہی ہوں تمہارے گھروں میں جو اولاد ہوں تمہاری ان بیویوں کی جن سے تم مباشرت کر چکے ہو''۔ (نساء ۲۳)

ربیبہ ہو یا دوست کی بیٹی اسے اپنے ناپسندیدہ فرد کی زوجیت میں نہیں دے سکتے، اس محذوریت سے نکلنے کیلئے آپ نے جو اقویٰ لگایا وہ مخدوش ہے کیونکہ زہراؑ کی فضیلت صرف پیغمبرؐ کی بیٹی ہونے میں نہیں۔

۳)۔ شہادت ثلاثہ کا فتویٰ

دور حاضر کے بعض فقہاء نے تشہد میں شہادت ثلاثہ شامل کرنے کیلئے انتہائی محتاط انداز میں فتویٰ دینے کی فراست اپنائی ہے، تشہد میں شہادت ثلاثہ ہونے کے بارے میں پوچھے جانے پر آپ فرماتے ہیں :

۱۔ مجلسی مرحوم کے فتویٰ کے تحت آپ پڑھ سکتے ہیں لیکن آپ سے پھر سوال ہے کہ جس روایت

کو بنیاد بنا کر آپ نے فتویٰ دیا ہے وہ اصول روایت شناسی کے مطابق صحیح بھی ہے یا نہیں۔

۲۔ علامہ مجلسی کی لکھی گئی کتابوں کے بارے میں ان کا نظریہ وہی ہے جو شیخ صدوق کا من لا یحضر الفقیہ پر ہے۔

۳۔ اس کی سند یہ ہے کہ فتویٰ دینے کے بعد مجتہد سے سند کے بارے میں پوچھنا جائز نہیں۔

۴)۔ اکثر و بیشتر مجتہدین کا فتویٰ ہے کہ کفر کی حکومتیں تو درکنار اسلامی ملکوں میں بھی حکومتیں ظالمین کی ہیں لہٰذا بجلی، گیس اور دیگر معاملات میں خرد برد کرنا یا چوری کرنا جائز ہے جبکہ دین اسلام کو اسلام ہی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں پوری انسانیت کیلئے سلامتی کی ضمانت کا پیغام ہے یہ دین دنیائے کفر و شرک سے بھی خیانت کرنے کا قائل نہیں۔ اگر کوئی آپ کو امین قرار دیتا ہے تو اس سے خیانت کرنے سے قرآن بھی منع کرتا ہے :

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اے ایمان والو! مت خیانت کرو اللہ اور رسول کے ساتھ اور (مت) خیانت کرو اپنی امانتوں میں، جانتے بوجھتے''۔ (انفال ۲۷)

۵)۔ بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ عام طور پر سیّدانی غیر سیّد کیلئے جائز ہے تاہم بعض مخصوص علاقوں میں یہ فعل حرام ہے، اس مفروضے کے تحت اس دین کا نام بھی شریعت کے قانون کی فہرست سے مٹ گیا ہے جو دنیا میں پوری انسانیت کیلئے سعادت کی ضمانت دیتا ہے، درج ذیل مفروضے کے تحت شریعت وہی ہوگی جو علاقے کی ضرورت پورے کرے۔

۶)۔ بعض مجتہدین بینکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں سے سود لینے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ متعلقہ اداروں سے معاملہ طے کرنے سے پہلے فرض کرلیں کہ آپ نے بینک یا ادارے کو اتنی رقم میں خرید لیا ہے جس کے بعد یہ ادارہ آپ کی ملکیت میں ہونا تصور ہوگا، اس طریقہ کار کے تحت حلال و حرام ہونے کا طریقہ ذہنی مفلوج بھی سکتا ہے۔

## اجتہاد کے مصادر:

قرآن مجید، شریعت اسلام اور سیرت رسولؐ کے ذریعے حلال و حرام واضح طور پر بیان ہوا ہے، جسے روایات میں حلال بیّن اور حرام بیّن کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود فقہاء فرماتے ہیں کہ حلال و حرام کی تمیز کئے

بغیر جمع شدہ مال ودولت میں سے پانچواں حصہ خمس کی شکل میں مجتہد کے وکیل اور نمائندے یا پھر خود مجتہد کو دینے سے تمام مال حلال ہوگا، مثلاً ایک شخص کے پاس حرام ذرائع سے پانچ لاکھ روپے جمع ہیں اگر اس میں سے ایک لاکھ روپے خمس لینے سے باقی چار لاکھ روپے حلال بن جاتے ہیں اس طرح کے بے منطق، بے دلیل طریقہ کار سے مذہب میں حرام کی کمائی کیلئے دروازہ کھولنے کا آسان نسخہ سامنے آیا ہے جس کے تحت فاسق و فاجر، حلال وحرام کا لحاظ رکھنے اور نہ رکھنے والوں میں فرق ختم ہوگیا ہے لہٰذا اس طریقہ کار کو نظام مالیات اسلامی کی پیشانی پر سیاہ داغ کہا جاسکتا ہے۔

## اجتہاد اور حلال وحرام :

یہ دو کلمے اصطلاحاتِ دینی ہیں اہل ادیان، خاص طور پر دین مقدس اسلام نے اپنے ماننے والوں کیلئے جن چیزوں کی اجازت دی ہے وہاں ان کیلئے کسی قسم کی بندش نہیں ہے انہیں حلال کہا گیا ہے اور جہاں اس کو کسی حوالے سے منع کیا ہے یا پابندی عائد کی ہے اسے حرام قرار دیا ہے۔

حلال وحرام کے معانی قرآن کریم، روایات اسلامی اور اہلِ شرع کی زبان سے سننے کے بعد ہم اگلے مرحلے میں اس مسئلے پر بحث وگفتگو کریں گے کہ یہ حق کس کو حاصل ہے کہ وہ بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے۔ وہ کس بنیاد پر ایسا کرسکتا ہے اس میں کوئی معقول وجہ پائی جاتی ہے یا وہ ذات مالک مطلق ہے اسے یہ حق حاصل ہے آیئے پہلے دیکھتے ہیں کہ لفظ حلال اور حرام کے معانی کیا بیان ہوئے ہیں:

**حلال :** حل سے ہے، حل کے معنی جیسا کہ قاموس میں آیا ہے ''کھلا یا کھلنے'' کو کہتے ہیں چنانچہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۲۷ میں آیا ہے کہ میری زبان کی بندش کی گرہ کو کھول دے :

﴿ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ﴾ ''اور کھول دے گرہ میری زبان کی''

اسی سے حلول ہے جب انسان کسی جگہ بیٹھ جاتا ہے یا قیام کرتا ہے تو اپنے باندھے ہوئے بار کو کھولتا ہے اسی مناسبت سے ہر اس جگہ کو جہاں انسان نزول کرے حلول کہتے ہیں:

﴿ وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَى ﴾ ''اور وہ شخص کہ جس پر ٹوٹا میرا غضب، یقیناً وہ ہلاک ہوا''۔ (طٰہٰ ۸۱)

یہ کلمہ حلال وحرام ایک جگہ سورہ نحل کی آیت ۱۱۶ میں آیا ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا

عَلَى اللهِ الْكَذِبَ ﴾ ''اور یہ نہ کہہ دیا کرو تم ایسے ہی جو آ جائے تمہاری زبان پر جھوٹ موٹ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تا کہ بہتان باندھو تم اللہ پر جھوٹ کا''۔

حرام :حرام یعنی ممنوع کرنا، ضدِ حلال :

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ ﴾

''اس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مُردار، خون، خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز کہ پکارا جائے اس پر، (نام) غیر اللہ کا''۔ (بقرہ/۱۷۳)

حرام ایک طرح شارع کی طرف سے بندش ہے جو کہ حفظِ نظام یا ضروریات کو توازن میں رکھنے کیلئے ہے جیسا کہ ربا کا حرام قرار دینا :

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَايَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ﴾

''جو لوگ کھاتے ہیں سود، نہیں اٹھیں گے وہ (روزِ قیامت) مگر جیسے اٹھتا ہے وہ شخص جسے باؤلا کر دیا ہو شیطان نے چھو کر، یہ (حال) اس لئے ہوگا کہ وہ کہتے ہیں آخر تجارت بھی تو سود ہی کی مانند ہے''۔ (بقرہ/۲۷۵)

کبھی خود اس چیز میں نقصاندہ اور ضرر والی چیز ہے:

﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللهِ ﴾

''اس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مُردار، خون، خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز کہ پکارا جائے اس پر۔ (نام) غیر اللہ کا''۔ (بقرہ/۱۷۳)

حرام مکافات یعنی مولیٰ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے جیسا :

﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ﴾ ''بے شک جس نے شرک کیا اللہ کے ساتھ سو حرام کر دی اللہ نے اس پر جنت ٹھکانہ ہے اس کا دوزخ اور نہیں ہوگا ظالموں کا کوئی مددگار''۔ (مائدہ/۷۲) ﴿قَالُوا إِنَّ اللهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ''وہ کہیں گے یقیناً اللہ نے حرام کر دیا ہے ان چیزوں کو ان کافروں پر''۔ (اعراف ۵۰)

کبھی تسخیر :

﴿وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور حرام کر دیئے تھے ہم نے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ پہلے ہی''۔ (قصص ۱۲) ﴿وَحَرَامٌ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا﴾ ''اور طے ہو چکا ہے اس بستی کیلئے جسے ہلاک کر دیا ہے ہم نے''۔ (انبیاء ۹۵) [1]

حلال اور حرام :

سورہ نحل کی آیت (۱۱۶) کے ذیل میں صاحب تفسیر منیر ذیل کے مطالب استنباط کرتے ہیں :

۱۔ تمام طیب و طاہر چیزیں جن میں ضرر نہیں، حلال ہیں اور وہ تمام چیزیں جو اذیت رساں ہیں، حرام ہیں۔

۲۔ اصلی اور بنیادی محرمات شریعت میں پانچ چیزیں ہیں:

۱)۔ مردار ۲)۔ خون ۳)۔ خنزیر کا گوشت ۴)۔ دوسروں کا مال۔

۵)۔ غیر خدا یا بتوں کیلئے ذبح شدہ حیوانات، جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں :

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ ''اس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مُردار، خون، خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز کہ پکارا جائے اس پر۔ (نام) غیر اللہ کا''۔ (بقرہ/۱۷۳) ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ ''حرام کیا گیا ہے تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور کہ پکارا گیا ہو غیر اللہ (کا نام) جس پر''۔ (مائدہ/۳)

انعام ۱۴۵، نحل ۱۱۵۔

۳۔ اگر ہلاک ہونا یقین کی حد تک پہنچا ہو تو حرام شدہ چیزیں مردار سے بقدر ضرورت زندہ رہنے کیلئے

---

[1] نہج البلاغہ کی رو سے حلال و حرام کے معنی جانے کیلئے ذیل کے حوالوں کی طرف رجوع فرمائیں:

[فلایغلب الحرام صبر کم] (نہج البلاغہ خطبہ ۱/۸۱) [ووقفتکم علی حدود الحلال والحرام] (خطبہ ۱۸/۸۷) [(اهل الضلال) وتشاحوا علی الحرام] (خطبہ ۸/۱۴۴) [ولاتدخلوا بطونکم لعق الحرام] (خطبہ ۱۶/۱۵۱) [والحرام ماحرم الله] (۲۴/۱۷۶) [بئس الطعام الحرام] (کلام ۹۳/۳۱) [ان الله حرم حراماً غیر مجهول] (خطبہ ۲/۱۶۷) [تأکل حراماً وتشرب حراماً] (کلام ۹/۴۱) [کتاب ربکم فیکم مبیناً حلاله وحرامه] (خطبہ ۴۶/۱) [ویستحلون حرامه بالشبهات] (خطبہ ۱۵/۱۵۶)

کھاسکتا ہے۔

۴۔مومنین کوحق نہیں کہ کفار جیسی بات کریں یعنی بغیر سند شرعی کے حلال کوحرام اور حرام کوحلال قرار دیں۔

۵۔حرام کوحلال کرنے کا حق صرف خدا کو ہے اور کسی کو نہیں ہے۔

۶۔تمام مزوعات زراعت سے حاصل چیزیں حلال ہیں۔ [1]

## محرمات کے اقسام:

خداوندمتعال نے اس کائنات میں انسان کیلئے انتہائی محدود چیزیں حرام قرار دی ہیں کثیر و فراواں چیزوں کوحلال قرار دیا ہے اور حرام کردہ چیزیں جو بہت محدود ہیں، وہ سورۂ نحل آیت ۱۱۵ میں بیان ہوئیں ہیں اس میں حرام کردہ چیزوں کو گن کر بتایا گیا ہے۔حرام کردہ اشیاء کی چند اقسام ہیں:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ﴾

''اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور اس چیز کو جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو حرام کردیا ہے''۔

۱۔ بذات خود حرام ہے جیسا کہ سورۂ نحل آیت ۱۱۵ میں آیا ہے۔

۲۔ فی نفسہ حلال ہیں لیکن کسی جرم کے نتیجے میں بطور سزا حرام ہیں جیسا کہ ان آیات میں آیا ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ''اور جنہوں نے یہودیت اختیار کی ہے ان پر وہی چیزیں ہم نے حرام کردیں جن کا ذکر پہلے ہم آپ سے کر چکے ہیں اور ہم نے تو ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں''۔(نحل ۱۱۸) انعام ۱۴۶، نساء ۱۶۰، ۱۶۱۔

۳۔ایک چیز اپنی جگہ حلال ہوتی ہے لیکن غلط طریقے سے حاصل کرنے کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہے جیسے رباء جسے ''اکل باطل'' کہتے ہیں:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ''اور نہ کھاؤ تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق''۔(بقرہ/۱۸۸) نساء/۲۹، ۱۶۱۔

---

[1] [نقل از تفسیر منیر ج ۱۴ ص ۲۵۸]

۴۔بعض مخصوص انسانوں کیلئے حرام ہیں جیسے مریض کیلئے نقصاندہ ہونے کی وجہ سے مضر چیزیں حرام ہیں۔

بابِ خمس میں بعض فقہاء لکھتے ہیں :

اگر کسی کے پاس مال حلال وحرام مخلوط ہو جیسے سود سے حاصل شدہ درآمد وفائدہ، رشوت ستانی سے حاصل شدہ رقم اور (پرائز باونڈ) سے جمع شدہ رقم وغیرہ یا پھر کسی مسیحی، یہودی، ہندو اور سکھ غرض غیر مسلم سے بذریعہ ڈاکہ زنی، چوری بٹوری گئی رقوم کا خمس نکالا جائے تو یہ مال اس شخص کیلئے حلال ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں صرف حلال تک محدود رہنے کا حکم دیا گیا ہے :

﴿اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِینَ اُوتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِینَ اُوتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ﴾ ''آج تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے اور تمہارا کھانا ان کیلئے حلال ہے اور پاکدامن مومنہ عورتیں نیز جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے ان کی پاکدامن عورتیں بھی (حلال کی گئی ہیں) بشرطیکہ ان کا مہر دے دو''۔ (مائدہ ۵)

﴿وَکُلُوا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا﴾ ''اور جو حلال اور پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہیں عنایت کر رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ''۔ (مائدہ ۸۸) آل عمران ۹۳، نحل ۱۱۶، انفال ۶۹، یونس ۵۹۔

جبکہ یہ طریقہ رشوت ستانی اور حیلہ شرعی کی راہ ہموار کرنے کا ایک باب ہے جسے قرآن کریم میں سنت اسرائیلی میں شمار کیا گیا ہے جیسے ان آیات میں : بقرہ ۶۵، نساء ۴۷، ۱۵۴، اعراف ۱۶۳، نحل ۱۳۴۔

مذکورہ بالا آیات میں واضح طور پر درج بالا طریقہ کار کو موجب قہر وغضب الٰہی قرار دیا گیا ہے۔

## سفر اور جنگ میں نماز کی ادائیگی :

سورۂ مبارکہ نساء کی آیت ۱۰۱ میں سفر کی حالت میں ظہر، عصر اور عشا کی چار رکعتی نمازوں کو کم کر کے دو، دو، رکعت پڑھے جانے کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے، اس آیت کے بعد حالت جنگ میں نماز خوف پڑھنے کا حکم سورۂ مبارکہ نساء کی آیت ۱۰۲ میں بیان ہوا ہے، جنگ میں نماز کی ادائیگی کیلئے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم

کرنے کو کہا گیا ہے تا کہ ایک گروہ نماز ادا کرے تو دوسرا گروہ دشمن کے ممکنہ حملے سے نمٹنے کیلئے مسلح ہو کر ان کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھے تاہم یہاں نماز کی ادائیگی کی نوعیت واضح نہیں کہ نماز پوری پڑھی جائے، حالت سفر والی نماز یا اس سے بھی کم پڑھی جائے۔

سفر میں قصر اور جنگ کے دوران نماز خوف پڑھنے کی حکمت عملی اور فلسفہ یہ نکلتا ہے کہ نماز کی ادائیگی کے دوران خدا کی بندگی اور دشمن کے خطرات دونوں کی طرف متوجہ اور چوکنا رہنا بتاتا ہے، سفر اور حالت جنگ میں نمازوں کو ہنگامی حالت میں پڑھنے کے حکم سے پتہ چلتا ہے کہ نماز ایسے واجبات میں سے ایک ہے جو ناقابل سقوط ہیں جسے کسی صورت میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔

جنگ اگر اسلام کے دشمنوں سے ہے تو نماز خدا کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ ہے، خدا کی طرف متوجہ ہونے سے روگردانی کر کے اپنا یا دشمنِ خدا سے مقابلے پر اکتفا کرنا نصِ قرآن کے منافی اور بے ہودہ عمل ہے یہاں یہ بات مسلمانوں کیلئے ذہن نشین ہونی چاہیے کہ ان کے تنخواہ خور اور رضا کار لشکر دشمن سے جنگ یا اپنے دفاع کے بہانے خدا کی بندگی یعنی متوجہ بخدا ہونے سے روگردانی اور خدا کی نافرمانی نہ کریں کیونکہ خدا کی طرف سے یہ ایک عنایت ہے کہ بندہ ایسے موقع پر بھی خدا کی طرف متوجہ رہتا ہے جبکہ خدا اس کی جان و مال کے تحفظ میں نہ تو غفلت برتتا ہے نہ لاپرواہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

**۷)۔ حالت سفر میں نمازِ قصر:**

دور حاضر میں فقہائے عظام حکم شرعی کو قرآنی آیات اور روایات سے استناد کرنے کی بجائے اجتہاد کو ورد کی جگہ پر استعمال اور ترنم کرتے ہیں بتایا جاتا ہے کہ علمائے اعلام نے اجتہاد کے ذریعے ہی مسلمانوں کو دنیا کی دوسری اقوام وملل کے ساتھ ترقی وتمدن مین ان کے ہم رکاب چلنے کا اہل بنایا ہے۔

مسلمانوں میں عصر حاضر کے روشن خیال دانشوروں اور کفر وشرک کے خدمت گزار حلقوں کا کہنا ہے کہ وہ دنیا کے ساتھ ساتھ چلنا چاہتے ہیں لیکن بعض افراد ہمیں اس راہ پر چلنے نہیں دیتے، اس لئے لوگ اسے مسترد کریں یہ بات ہر طرح سے نہ صرف عجیب وغریب ہونے کے علاوہ نا قابل فہم وہضم بھی نظر آتی ہے بلکہ یہ تضاد و تناقص گوئی کی مثال ہے، ان حلقوں کی جانب سے جہاں ایک طرف یہ کہا جاتا ہے کہ وہ قال باقر، قال صادقؑ کے پابند اور شریعت کے مفسر وشارح ہیں تو دوسری جانب ان کا کہنا ہے کہ وہ اجتہاد کے ذریعے دین وشریعت کو دنیا والوں کیلئے مزید قابل فہم بناتے ہیں۔

ہم ان کے دونوں موقف کے حوالے سے اپنے جیسے بہت سے دیگر برادران کے اذہان میں موجود شکوک وشبہات کوسوال واستفسار کی صورت میں پیش کریں گے۔قرآن کریم کی سورہ مبارکہ نساء کی آیت (۱۰۱) میں دورانِ سفر نماز قصر پڑھنے کا حکم ہے لیکن آیت میں یہ واضح نہیں ہے کہ ایک مسافر کتنی مسافت طے کرنے کے بعد نماز قصر پڑھ سکتا ہے اس سلسلے میں تفسیر وتفصیل کیلئے روایات کی طرف رجوع کرنا ہی ہوگا لیکن اس کام کیلئے ہمیں کیا کرنا ہوگا۔علمائے امامیہ کی اکثریت کا یہ فرمانا ہے ہے کہ کسی جگہ جانے اور آنے کیلئے آٹھ (۸) فرسخ یا چونتالیس، پینتالیس (۴۴،۴۵) کلومیٹر تک کا فاصلہ طے ہوجانے پر نمار قصر ہوجائے کی،اس نظریے کے تحت نیو کراچی سے کورنگی یا گلشن حدید سے کلفٹن تک سفر کرنے والوں کیلئے نماز قصر نہیں ہوگی،اسی طرح تہران کے شمال سے جنوب تک کے سفر میں نماز قصر نہیں ہوگی لیکن اگر سہراب گوٹھ سے حیدرآباد جاتے ہوئے ٹول پلازہ سے چوبیس پچیس (۲۴،۲۵) کلومیٹر آگے جا کر واپس آجائیں اور یہ فاصلہ آج کل کی نئی گاڑیوں سے آدھے گھنٹے میں طے ہوتا ہے،ان کیلئے نماز اور روزہ دونوں قصر ہوجاتے ہیں، اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ راولپنڈی میں پیرودھائی سے ٹیکسلا جا کر واپس آنے پر نماز وروزہ قصر ہوجاتا ہے،اس طریقہ کار کے تحت تہران اور کراچی سے باہر والوں کیلئے تو قصر کی سہولت موجود ہے لیکن ان جیسے شہروں میں سفر کرنے والوں کیلئے کتنی ہی طویل مسافت طے نہ کی جائے قصر کی سہولت نصیب نہیں سوائے ان کے جو شہر کے کنارے میں مقیم ہیں اور شہر سے باہر سفر کرتے ہیں۔

یہاں اگر درج بالا حلقے روایت کے پابند ہیں تو اجتہاد کہاں گیا،جس کے ذریعے ہمیں اس معاملے میں شریعت کے بارے میں مذاق اڑانے والوں سے نجات مل سکے لیکن اگر اجتہاد اصل ہے یا ایسے مقامات پر روایات کی بنیاد پر قصر کرنے والوں کی بندش کریں۔مجتہدین کا یہ رویہ ناقابل فہم ہے اگر وہ زندگی میں دین و شریعت کی حاکمیت کے داعیوں سے ملتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ وہ حافظ شریعت اور اس کے پابند ہیں لیکن اگر شریعت کے باغی اور مسخرہ کر کے ترقی وتمدن کی گیت گانے والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم روشن خیال اور ترقی پسند ہیں۔جبکہ ہمارا متعلقہ حلقے سے یہ کہنا ہے کہ آپ جو بھی ہیں جس نظریے کے آپ حامی ہیں اس بارے میں قرآن وسنت اور عقل کے ذریعے چند صفحات لکھ کر یا ایک گھنٹہ گفتگو کر کے آلاتِ ضبطِ آواز میں اپنے مقلدین کیلئے بھیج دیں۔

۸)۔عقد کیلئے گواہ کی شرط کا فقدان ہونا :

یہاں بھی فقہاء اور مجتہدین نے نص آیات قرآنی کو نظر انداز کر کے اپنے اقویٰ کی لاٹھی چلا کر گواہ وشہادت کی ضرورت کو عقد نکاح سے باہر کیا ہے جس سے شہروں میں تو چندان منفی اثرات مرتب نہیں ہوئے ہیں اس کی وجہ یہ کہ شہروں میں اکثر و بیشتر اوقات عقد نکاح عام اجتماعات میں ہوتا ہے اور یہ کام نکاح نامہ بھرے بغیر نہیں چل سکتا تاہم دیہات اور گاؤں وغیرہ میں گواہ کی عدم ضرورت یا عدم موجودگی سے اختلاف نزاع تو درکنار یہاں اربابِ غیرت والوں، والدین، عزیز واقارب کو رونے رلانے والے مصائب اور انتہائی شرم آور صورت حال بلکہ بڑے بڑے گناہ کبیرہ کا سامنا کرنا پڑا ہے جن کے ذکر کیلئے صفحات میں برداشت نہیں اور یہ سب مجتہدین کے فتویٰ کا قرآن کی صریح آیات کے خلاف ہونے کی دلیل ہے اس سلسلے میں مندرجہ آیات قابل توجہ ہیں :سورہ بقرہ کی آیات ۲۸۲،۲۸۳ میں گواہ کے معاملے کو تحریر میں لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ اگر کسی کو رقم یا جنس قرض دے دی جائے تو اسے تحریر میں لانے کے ساتھ دو مرد یا ایک مرد یا دو عورتیں گواہ رکھنے کا حکم ہے۔

۲۔اگر کسی کے ساتھ تجارت یعنی خرید وفروخت کا معاملہ طے پا جائے جو چاہے شہر میں ہو یا دیہات میں، چند گز زمین کا ٹکڑا ہو یا چند کمروں پر مشتمل مکان، تمام معاملات میں گواہ رکھنا لازمی ہے کہتے ہیں کہ سفر کے موقع پر معاملات طے کرتے وقت لکھنے والا نہ ملے تو گواہ ضرور رکھیں :

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَلْیَكْتُبْ بَّیْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا یَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ یَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ﴾ ''اے ایمان والو جب کسی معینہ مدت کیلئے قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ دیا کرو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ تحریر کرے اور...'' (بقرہ ۲۸۲،۲۸۳)

۳۔اگر کوئی بستر مرگ یعنی حالت احتضار میں ہو تو وصیت کرتے وقت گواہ رکھے۔

۴۔اگر کوئی شخص سفر میں ہو اور کسی ناگہانی سانحے کے باعث مرنے کا خدشہ ہو تو وہاں بھی وصیت کرے اور گواہ بھی رکھے، یہاں گواہی کیلئے کسی مسلمان کی عدم موجودگی میں غیر مسلم کو بھی گواہ بنایا جا سکتا ہے:

﴿يَآاَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ اَوْ اٰخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَانَشْتَرِى بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَانَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَمِنَ الْاٰثِمِينَ ☆ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰى أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا اِنَّآ اِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ☆ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوآ اَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوا وَاللّٰهُ لَايَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ ''اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے تو وصیت کرتے وقت گواہی کیلئے تم میں سے دو عادل شخص موجود ہوں یا جب تم سفر پر ہو اور موت کی مصیبت پیش آ رہی ہو تو دوسرے دو (غیر مسلموں) کو گواہ بنالو اگر تمہیں ان گواہوں پر شک ہو جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو روک لو کہ وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم گواہی کا کوئی معاوضہ نہیں لیں گے اگر چہ رشتہ داری کا معاملہ کیوں نہ ہو اور نہ ہم خدائی شہادت کو چھپائیں گے...''۔ (مائدہ ۱۰۶،۱۰۸)

یہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ انسان کی معمول کی زندگی جیسے تجارت، کاروبار اور دیگر لین دین، سرمایہ لگانے کام چلانے والے اور ملازمت کرنے والے کیلئے غرض تمام معاملات میں گواہ رکھے جاتے ہیں اور آپس کے معاہدے کو تحریر میں لایا جاتا ہے لیکن دوسری طرف انسان کے عمر بھر ساتھ رہنے والی شریک حیات ''جن کے حقوق ایک دوسرے پر بھاری بھرکم اور نا قابل تردید ہوں'' سے معاملہ کرتے وقت گواہ کی ضرورت کا انکار کرتے ہیں جبکہ قرآنی آیات میں واضح طور پر گواہ تعین کرنے کا حکم آیا ہے قارئین کرام خود فیصلہ کریں اور بتائیں کہ ایسے فتاویٰ کی حیثیت کیا ہوگی جو سراسر حکم قرآن کے خلاف ہوں۔

### ۹)۔ عقد متعہ کا جواز :

فقہاء و مجتہدین عقد متعہ کے جائز ہونے کو اپنے مذہب کیلئے فخر و مباہات گردانتے ہیں، آئمہ طاہرینؑ سے وابستہ ہونے اور ان کی سیرت پر چل کر صحیح معنوں میں قرآن وسنت کی پیروی کرتے ہوئے اسلام کی ترجمانی

کادعویٰ کرنے کے بعد متعہ کے جواز میں فتویٰ دینا بھوسے کے ٹیلے پر عمارت قائم کرنے کے مترادف ہے

متعلقہ فتاویٰ کی حیثیت بھوسے کے ٹیلے پر قائم عمارت سے زیادہ نہ ہونے کی وجوہات یہ ہیں :

۱) کہتے ہیں کہ متعہ کے اصل جواز پر امت کا اجماع ہے جبکہ فتویٰ کیلئے اجماع کی کوئی حیثیت نہیں۔

۲) کہتے ہیں: متعہ سے متعلقہ سورہ نساء آیت ۲۴ میں پہلے ﴿الی اجل مسمٰی﴾ تھا جسے بعد میں حذف کیا گیا جبکہ یہ موقف تحریف قرآن پر دلالت کرتا ہے اس لئے یہ سراسر غلط ہے۔

۳) متعہ کے جواز پر جن روایات سے استدلال کیا گیا ہے وہ اہل سنت کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات ہیں جبکہ پوری شیعہ فقہ میں متعلقہ کتابوں میں موجود روایات پر عمل نہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور خود اہل سنت بھی متعہ سے متعلق روایات کو نہیں مانتے۔

دور حاضر کے تعلیمی مسائل

کہا جاتا ہے کہ دور حاضر کے تعلیمی اداروں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیمی دورانیے میں گناہ کا مرتکب ہونے کا خدشہ اور ملازمت کیلئے دوسری جگہ پر جانے کی ضرورت کے پیش نظر عقد متعہ کو جواز بنانا ابوحنیفہ کے اجتہاد سے زیادہ مختلف نہیں۔

۴) متعہ عقد وکالت جیسا ہے موکل جب چاہے توڑیں ٹوٹ سکتا ہے لہٰذا یہ عقد شمار نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں نکاح کو میثاقِ غلیظ کہا گیا ہے یعنی نہ ٹوٹنے والا عہد :

﴿وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا﴾ ''اوران عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے''۔(نساء۲۱)

جبکہ متعہ تمام عہد و پیمان سے دوری کا نام ہے اور ہلکے پن میں اس جیسا کوئی عہد نہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ اور آئمہ علیہم السلام :

۵) پیغمبر اسلامؐ اور آئمہ طاہرینؑ میں سے کسی نے بھی کسی خاتون سے عقد متعہ کیا ہو اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

ان تمام بے بنیاد باتوں کے واضح ہوجانے کے بعد ان کے حق میں دیئے جانے والا فتاویٰ کو بھوسے کے ٹیلے پر قائم عمارت نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے؟۔

ہمیں ان صفحات پر فقہائے عظام میں سے کسی بھی فرد کی حمایت کرنی ہے نہ مخالفت، اگر یہ دین صحیح معنوں میں پیغمبر اسلامؐ کا لایا ہوا دین ہے تو یہ پوری انسانیت کیلئے ہے اور پوری انسانیت کیلئے دین پیش کرتے

وقت گونگا اور بہرا نہیں رہا جا سکتا۔اس عالمی دین میں ایسا کوئی مواد نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ ''تم نہیں سمجھ سکتے ،سب باتیں تمہیں بتانے کی نہیں ہوتیں ،اوپر والے جان لیں تو کافی ہے، نیچے والے گلے گوسفند ہیں جو ہمیشہ دیوانے اور نابالغ کا حکم رکھتے ہیں''۔

**متعہ زنا سے بچنے کا ضامن؟**

آئمہؑ سے منسوب ایک روایت میں کہا جاتا ہے کہ اگر خلیفہ دوئم نے متعہ کو حرام نہ کیا ہوتا تو آج اسلامی دنیا میں زنا نہ ہونے کے برابر ہوتا یہ کلمہ افتخاریہ میں سے جہاں شیعہ حضرات اہل سنت والجماعت کو حضرت عمرؓ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے ایسے برے مسائل سے دوچار ہو گیا ہے جبکہ اہل تشیع ان مسائل سے دوچار نہیں ہوئے ہیں ان میں سے ایک حضرت عمرؓ کی **حسبنا کتاب اللہ** انھیں ان کی اس منطق سے بہت نقصان پہنچا ہے جبکہ شیعہ کو اس منطق سے اختلاف کر کے بہت حد تک خود کو بچایا ہے۔

یہ منطق اہل سنت والجماعت کی مذمت اور ان کیلئے طنز ملامت کی حد تک تو صحیح ہو سکتی ہے یعنی اہل سنت حضرت عمرؓ کی جانب سے متعہ کرنے سے منع کرنے کے باعث زنا میں مبتلا ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ پھر شیعوں میں زنا کاری کا کیا جواز ہے ان میں زنا کاری کا خاتمہ کیوں نہیں ہوا ہے؟ اس تصور کے تحت شیعوں کے ہاں زنا کا نام ونشان تک نہیں ہونا چاہئے لہٰذا زنا کا رواج پانا اس بات کی دلیل ہے کہ متعہ کے بارے میں یہ حدیث جعلی اور خود ساختہ ہے اور درحقیقت متعہ زنا کا متبادل نام ہے جسے اہل تشیع متعہ کے نام پر آزادی سے کرتے ہیں جبکہ اہل سنت نے شیعوں کے اس طریقہ زنا سے بچنے کیلئے نکاح کی نئی شکل ایجاد کی ہے جسے نکاح ''سرّی'' انام دیا ہے، البتہ نکاح متعہ اور نکاح سرّی دونوں کی شکل وصورت اور طریقہ تقریباً ایک جیسا ہے کیونکہ دونوں نکاحوں میں گواہ کا فقدان ہے اور دونوں میں ایک دوسرے پر کوئی ذمہ داری اور حقوق نہیں تاہم زنا کی سزا سے بچنے کیلئے ایک فریق کہتا ہے کہ وہ متعہ کا قائل ہے تو دوسرے کا کہنا ہے وہ نکاح سرّی کا قائل ہے۔

**متعہ اور شرعی مقاصد :**

علمائے اعلام فلسفہ، حکمت اور احکام شرعی بیان کرتے وقت یا اس سلسلے میں فتاویٰ صادر کرتے ہوئے شریعت اور عوامی مخالفت سے بچنے کیلئے طریقہ احتیاط کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ان کے رسالہ عملیہ میں کلمہ احوط، احتیاط زیادہ نظر آئے گا فقہاء کے دو باب میں زیادہ احتیاط برتنے کا حکم ملے گا جن میں سے

ایک باب قصاص ہے، قصاص میں کسی کے قتل کا حکم دیتے وقت انتہائی محتاط رہتے ہیں تا کہ کوئی بے قصور انسان قتل نہ ہوجائے اس لئے کہا جاتا ہے کہ مبینہ قاتل کے بارے میں کسی ذرائع سے مشتبہ قتل ہونے پر حکم قصاص ٹل جاتا ہے جبکہ دوسرا باب زنا ہے معاشرے میں زنا کو فروغ ملنے سے روکنے کیلئے تمام احتیاطی تدابیر کی جاتی ہیں ان میں سے ایک احتیاط عورت کا چہرہ چھپانے کا حکم ہے مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماعات کی حرمت ہے بعض علماء وفقہاء یہاں تک فرماتے ہیں کہ عورتوں کو چہرہ چھپانا چاہئے تا کہ چہرے کے باعث زنا کا مرتکب ہونے کے تمام احتمالی راستے پہلے ہی بند ہوجائیں، علماء اس سلسلے میں جہاں کسی حکم کا انجام دینے کا وجوب ثابت نہ ہونے کے باوجود کہتے ہیں کہ احتیاط یہ ہے کہ اسے ترک نہ کریں لیکن معلوم نہیں کہ کیوں یہ احتیاط متعہ کرنے کے سلسلے میں ذہن سے نکال دیتے ہیں یا لاتے نہیں کیونکہ اس کے جواز سے حرمت کا مرتکب ہونے کا احتمال قوی ہوجاتا ہے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ احتیاط یہ ہے کہ اسے انجام نہ دیا جائے جبکہ یہاں حرام سے بچنے کیلئے ''احتیاط'' بہترین اور آسان ترین راہ نجات تھی جبکہ بعض علاقوں میں علماء حضرات عقد دائم کی جگہ متعہ کو ہی فروغ دیتے ہیں کیونکہ اس بیچاری عورت سے تمام لذات سے استفادہ تو کیا جاتا ہے مگر ایک کنیز سے بھی حقیر اور بدتر صورت میں اسے ارث ونان نفقہ سے محروم رکھتے ہوئے مفت میں مستفید ہوا جاتا ہے شاید ان لوگوں نے خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ اور سنیوں کی ضد میں اصل شرعی حکم کو بھی قربان کردیا ہے اور متعہ کے حامیوں کا کہنا ہے کہ اپنے مخالفین ''جو مسلمان ہی کیوں نہ ہوں'' کی ضد میں کوئی بھی حکم شرعی قربان ہوجائے تو کوئی حرج نہیں اور بعض تو اس قربانی کو بھی معمولی اور کم سمجھتے ہیں۔

۱۰)۔ خمس اور مجتہدین :

فقہائے اسلام سورۂ انفال کی آیت ۴۱ سے استناد کرتے ہوئے کفر وشرک سے جنگ میں ملنے والے مال غنیمت پر خمس لاگو ہونے کو ضروریات اسلام میں سے گردانتے ہیں کیونکہ آیت کریمہ اس بارے میں نص صریح ہے، بعض غنائم کے علاوہ کنز ومعدنیات کو غنیمت گردان کر اس پر بھی خمس لاگو کرتے ہیں، پانچویں صدی کے بعد فقہائے شیعہ نے لوگوں کے کسب وکار سے درآمد شدہ چیزوں پر بھی خمس لاگو کیا لیکن ان کے استناد واستدلال کے متعلق کیوں، کیسے اور کب جیسے سوالات کی وجہ سے ان کے اقوال اضطراب کا شکار ہیں، ہر ایک اپنی دلیل اور منطق پیش کرتا ہے۔

بعض نے آیت کریمہ میں موجود کلمہ غنیمت میں تصرف کر کے اس کو وسعت دے کر اجتہاد چمکانے کی

کوشش کی ہے اور یہ فتویٰ دیا ہے کہ غنیمت میں کسب وکاج بھی شامل ہوتا ہے لیکن ان کے اس اجتہاد کی سند پیغمبرؐ یا امام جعفر صادقؑ کی حیات سے نہیں ملتی کہ کسی امام نے کوئی چیز وصول کی ہو دوسری جانب بعض نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ آئمہؑ نے اپنی ولایت اور اختیارات استعمال کر کے خمس لاگو کیا تھا۔

تیسرا قول جیسا کہ شیخ صدوقؒ نے علل الشرائع میں لکھا ہے :

''ہم نے اسے (خمس) اپنے شیعوں کیلئے معاف، مباح کیا ہے''

یہ قول دوسرے قول سے متصادم ہے کیونکہ اگر آئمہؑ نے خمس لاگو کیا ہے تو یہ شیعوں کیلئے ہے نہ خود امام کیلئے اگر شیعوں کیلئے لاگو کیا گیا تھا تو اسے معاف کرنے کی کوئی منطق نہیں بنتی۔

زکوٰۃ کی جگہ خمس کو ایک فریضہ کے طور پر ثابت کرنے کی دلیل قرآن وسنت سے مخدوش قرار پانے کے بعد بعض نے اسے ضروریات مذہب کے ستون پر لا کھڑا کیا ہے اور اس بارے میں استفسار کرنے والوں کو عصائے ارتداد مارنے کی مہم چلائی ہے جو کہ مذہب میں شکوک وشبہات جنم دینے کا سبب بنا ہے۔ کیونکہ خود ضروریات مذہب کس دلیل پر قائم ہیں؟ ان کا انکار کرنے کے کیا شرعی مجازات ہیں کا مسئلہ اپنی جگہ قابل بحث ہے۔ اس (خمس) کی اصل سند مخدوش ہونے سے زیادہ اس کے تصرفات کا مسئلہ ہے کہ یہ کن شرعی و قرآنی روایات کے دلائل کے تحت مجتہد کی ولایت میں آتا ہے اس کی باگ دوڑ کی چابی کا مجتہد کے اقربا یا اس کے وکیلوں کے ہاتھ میں چلا جانا سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا جس کا واضح ثبوت اہل تشیع کی حالتِ زار ہے۔

ان تمام کے باوجود ''دین'' ہرگز قابل تقسیم واختلاف نہیں ہے لیکن دنیا میں جو چیز اختلاف ونزاع کا باعث بن رہی ہے وہ خود دنیا ہے، مجتہدین کا آپس میں شدت اختلاف اور گروہ بندی، بعض اوقات ایک دوسرے کو کفر وارتداد کی حد تک پہنچا دینا یہ سب مقلدین بنانے کیلئے فرسودہ و بے ہودہ فتویٰ پر دسترسی پیدا کرنے اور اس انتظام وانصرام کو اپنے ہاتھ میں لینے کیلئے وجود میں آیا ہے اور آتا رہے گا مال میں خرد برد کا سلسلہ رواں دواں ہے، جس نے خلیفہ سوئم کی بے عدالتی کی سزا کو دبا دیا ہے اور ان کی بے عدالتی کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

اگر کسی کو دین مقدس کے اصول کی پاسداری، دین کے فروغ کی آبیاری اور دین داروں کی خدمت گزاری کرنے کی خواہش ہے تو اسے چاہیے کہ جس طرح وہ اپنے خالص مال کو اپنی زندگی کے درپیش مسائل، اہل و عیال، بال بچوں، عزیز واقارب اور دوست واحباب کی دیکھ بھال پر خرچ کرتا ہے اسی انداز سے دین اور

شریعت پر بھی توجہ مرکوز رکھ کر خرچ کرے اس سے دین کی سربلندی ہوگی اور دیندار عزت کی زندگی گزاریں گے اور خود بندے کی آخرت بھی آباد ہوگی اگر انسان اپنی اولاد، عزیز واقارب اور دوست واحباب کی خدمت گذاری کی طرح دین وشریعت کا خیال نہیں رکھ سکتا اسے مقدمہ لڑنے کیلئے اچھے وکیل، مریض کیلئے اچھے ڈاکٹر اور تعمیرات کے سلسلے میں دیندار ٹھیکے دار کا انتخاب کرنے کے اصول پر بھی عمل کرنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے اور اگر اس اصول کی پابندی سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تو دین کے بارے میں بھی ایسا طریقہ کار اپنانے میں کون سی عقلی وشرعی قباحت ہے جس سے بچنے کیلئے آپ ایسا نہیں کرنا چاہتے ہیں جو شخص چند افراد کو دین کرایہ پر دینے پر اکتفاء کرتا ہو اس کے چناؤ کیلئے نہ تو عقلی دلیل بنتی ہے اور نہ ہی شرعی سند جن کی طرف رجوع کر کے کوئی عالم مجتہد حکم شریعت کو بیان یا اس کا استنباط کرتا ہے، یہاں سے خوشی ومسرت کے ساتھ ساتھ افسوس اور حیرت بھی جنم لیتی ہے خوشی ومسرت اس بات پر ہے کہ جس دین کو ہم نے اپنایا ہے یہ زمان ومکان اور اقوام وملل سے مافوق ہو کر انسان کی ہدایت ورہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ دین اپنی ملت کو قانع اور غنی وبے نیاز کرنے کے ساتھ دیگر ان کو قانع اور مطمئن کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے یہ بات ہمارے لئے ایک بہت بڑی خوش قسمتی بھی ہے اور باعث فخر وشرف بھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بدقسمتی کا بھی سامنا ہے کہ یہاں سے مسخ شدہ چہرے والے فرزند معیوب وکریہہ نے جنم لیا ہے جو ایک کیلئے پسندیدہ اور دوسرے کیلئے ناگوار ہے جو اس عورت کی مثال جیسی ہے کہ جو ایک عرصے سے یہ دعا کر رہی ہے کہ خدایا مجھے ایک لڑکی عنایت فرما جبکہ اس کا شوہر یہ دعا کر رہا ہے کہ خدایا مجھے ایک لڑکا عنایت فرما چنانچہ بچے کا پیدا ہونا ایک کیلئے باعث خوشی ومسرت اور دوسرے کیلئے باعث حزن واندوہ ثابت ہوگا یہ اجتہاد بھی ہمارے لئے ایسا ہی ثابت ہوا ہے کہ جہاں ایک مجتہد نے تمام کاوش وکوشش سے اسلام کے حکم شرعی نکالنے یا استنباط کرنے کیلئے کسی قسم کی قصر وکوتاہی نہیں کی تو بعض دیگر نے استدلال کرتے وقت ایک نے کتاب کو پیچھے چھوڑ کر سنت کو مقدم رکھا تو دوسرے نے کتاب کو لیکر سنت کو چھوڑ دیا، تیسرے نے عقل وشعور کو چھوڑا اور چوتھے نے صاحبان نظر کو گویا اس اجتہاد نے امت کو منتشر اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اطراف واکناف سے جمع ہونے والے مالِ امام کو خلیفہ سوم سے دس قدم آگے بڑھ کر اقرباء پروری اور قوم پرستی پر خرچ کرتے ہیں انہوں نے ان اموال کے حصول کیلئے حق زہراؑ اور حق امام زمانؑ کی قدسیت وعصمت کی چادر چڑھا رکھی ہے اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ان اموال کو اقرباء پروری اور قوم پرستی پر خرچ نہیں کرتے تو

وہاں سے آنے والے علماء، طلاب سے پوچھ سکتے ہیں چنانچہ انبیاءؑ کے مقام کے برابر مجتہدین کے مقام و منصب کو اسی مال و دولت کے حصول کیلئے اٹھایا جاتا ہے چنانچہ تشیع کی فکری پیشرفت و حرکت نظر نہیں آتی ہے جیسا کہ نجف اشرف کے مراجع و فقہاء میں سے سوائے شہید محمد باقر الصدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے کسی نے امام خمینیؒ کی حمایت نہیں کی۔

## ۱۰)۔ احرام میقات سے پہلے !؟

نذرِ احرام ہے، یعنی پیغمبر اسلامؐ کے متعین کردہ مواقیت سے پہلے کسی جگہ سے حج یا عمرہ کیلئے احرام باندھنے کی نذر کرنا۔ آیئے پہلے نذر کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں :

نذر، لغت اور اصطلاح میں :

صاحب معجم فقہ جواہر کہتے ہیں:

''نذر لغت میں کسی شرط کے ساتھ یا بغیر شرط وعدہ دینے کو کہتے ہیں چاہے وعدہ خیر ہو یا شر''۔

کتاب عروۃ الوثقی آیت اللہ سید کاظم یزدی مسئلہ ۱۶۴ میں فرماتے ہیں:

''میقات سے پہلے احرام جائز نہیں ہے، احرام کی حالت میں وہاں سے گزرنا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ وہاں سے ہی احرام باندھیں''۔

شریعتِ اسلامی میں کسی خاص فعل کو خاص انداز میں انجام دینے اور ترک کرنے کو نذر کہتے ہیں عملِ نذر کے اپنی جگہ جائز یا بہتر ہونے کے بارے میں کتاب و سنت کے تحت اجماع علماء قائم ہے اور اس میں چند شرائط ہیں :

۱)۔ **نذر** : نذر نیک فعل انجام دینے کو کہتے ہیں، کسی نعمت کے ملنے جیسا کہ مال و دولت اور اولاد ملنے کی توقع پر اسے انجام دیا جائے تو اس صورت میں اسے نذرِ تبرع کہتے ہیں یا کسی ناگوار، برے فعل سے خود کو بچانے کیلئے نذر کی جاتی ہے یعنی اگر ہم نے فلاں برا فعل انجام نہ دیا تو اس کے بدلے میں نیک عمل انجام دیں گے غرض کسی نعمت کے ملنے کی خوشی میں یا مسرت کے حصول کی خاطر نذر مانی جاتی ہے یا کسی برائی، خرابی سے نجات ملنے پر اس نذر کو ادا کرتے

ہیں یا خود کو برے کام سے روکنے کی خاطر انجام دیتے ہیں۔

۲)۔ نذر میں کلمہ ''اللہ'' کا زبان پر جاری ہونا ضروری ہے حتی کہ فقہاء کلمہ ''اللہ'' کے علاوہ دیگر کلمات کو کافی نہیں سمجھتے۔

۳)۔ برے یا مذموم کام کے حصول کیلئے نذر منعقد نہیں ہوتی مثلاً کوئی یہ کہے کہ میں نذر کرتا ہوں کہ نماز ظہر کو ایک گھنٹہ پہلے انجام دوں گا یا رمضان کے روزے شعبان میں رکھوں گا لہٰذا میقات سے پہلے احرام باندھنے کی نذر بھی اسی طرح کی ہے۔

۴)۔ جو شرط نذر میں لگائی جائے اسے شرعاً جائز ہونا چاہئے اور فعل حرام نہ ہو۔

۵)۔ نیت قربت ہو یعنی فعل کو انجام دینے کی نیت قصد قربِ خدا ہو اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو نذر منعقد نہیں ہوتی۔

۶)۔ نذر کرنے والا بالغ، عاقل، مسلمان ہونا چاہیے۔

۷)۔ نذر کرنے والے کی نذر اپنے قصد و ارادے سے ہونی چاہیے اگر کسی نے جبری نذر مانی ہو یا اس کی اپنی چاہت نہ تھی جیسا کہ اگر کسی بے چارے کو نذر کا الف سے ی تک کوئی پتہ نہیں اور صرف کسی کے کہنے پر عمل کرے تو اس نذر کی کیا اچھائی اور خوبی ہو سکتی۔

۸)۔ نذر کا متعلق اپنی جگہ اطاعت ہونا ضروری ہے۔

''نذر'' جیسا کہ قاموس قرآن میں آیا ہے' غیر واجب کو اپنے اوپر واجب کرنے اور واجب عمل کو مشقت اور زحمت کے ساتھ بجالانے کو کہتے ہیں، نذر کی جمع نذور آتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں :

الف)۔ نذرِ معلق :

مثلاً یہ نذر کرنا کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں عمل بجالاؤں گا اسے نذر معلق کہتے ہیں جبکہ بے چارہ حاجی کو نہ کوئی نیا نعمت ملا ہے نہ کوئی مصیبت آئی ہے۔

ب)۔ نذرِ مطلق :

مثال کے طور پر یہ نذر کرنا کہ میں خدا کی خوشنودی کیلئے کل روزہ رکھوں گا یا نماز پڑھوں گا، قرآن کریم میں سورۂ مبارکہ بقرہ آیت ۲۷۰' سورۂ مبارکہ دھر آیت ۷' سورۂ مبارکہ آل عمران آیت ۳۵' میں اس نذر کا ذکر آیا ہے۔ مائدہ ۲۶، یہاں ان تمام مواقع میں متعلق نذر پہلے

سے مولا کیلئے محبوب و پسندیدہ عمل تھا جبکہ میقات سے پہلے یا بعد میں احرام باندھنا مولا کیلئے پہلے مکروہ عمل تھا کیسے نذر سے پسندیدہ ہو گیا۔

ہم یہاں اس فتویٰ کی اساس اور بنیاد کے بارے میں چند زاویوں سے بحث و گفتگو کریں گے :

۱۔ ایک ایسی نذر جو سنت رسولؐ کے خلاف ہو منعقد ہو سکتی ہے یا نہیں؟ لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں نذر کے جامع تصور کو پیش کریں۔

۲۔ اس نذر پر خود فقہاء اور مجتہدین میں سے کس کس نے عمل کیا ہے؟۔

۳۔ احرامِ نذری کی سند میں جو روایات پیش کی ہیں اس کا جائزہ لینا چاہیے کہ یہ کہاں تک صحیح ہیں؟۔

۴۔ ایک صدی سے زائد عرصہ ہو گیا ہے کہ فقہاء نے اس مسئلہ کا مناسک حج میں ذکر کیا ہے اور اسے بغیر کسی کمی بیشی کے پیش کیا ہے جائز ہے لیکن یہ وضاحت اور نصیحت سے عاری و خالی ہے۔

۵۔ اصل میقات سے احرام باندھنا اور نذر کے ساتھ احرام باندھنا دونوں کے فرق اور تفاوت کو بیان کرنا ہے چاہیے۔

۱)۔ میقات سے احرام باندھنا افضل ہے۔

۲)۔ اپنے گھر یا شہر سے باندھنا بہتر ہے جیسا کہ حنفی کہتے ہیں۔

۳)۔ نذر کر کے پہلے احرام باندھنا یا نذر کر کے میقات سے احرام باندھنا دونوں برابر ہے۔

ان کو چند سطر میں واضح کریں یہ کونسا دین و شریعت ہے کہ ہر سال ہزاروں حاجی سے فعل حرام بھی کراتے ہیں اور بے جا مجتہدین اور مقلدین کی تقسیم بندی کرتے ہیں جبکہ ان کے پاس اس بارے میں ضعیف سی سند بھی نہیں یہ سب کام ان کے مجتہدین اور ان کے بعثوں (دستگاہوں) کے سامنے ہو رہے ہیں یہاں نہ کسی کی زبان ہلتی ہے نہ کسی کے پلکوں میں جنبش آتی ہے۔

۶۔ اگر نذرِ احرام حالتِ مجبوری میں ہو تو اس کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ جس طرح ہر گھر کا ایک دروازہ ہوتا ہے اگر دروازے کے بغیر گھر میں داخل ہوا جائے تو داخل ہونے والے کو چور کہتے ہیں اسی طرح شہر کا بھی ایک دروازہ ہے ملک کا بھی ایک دروازہ ہے ملک کی سرحدوں سے اندر بغیر دروازے کے داخل ہونے والے کو غیر قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے اسی اصول مسلمہ کے تحت خدا نے اپنے حرم کیلئے ایک دروازہ بنایا ہے اور حرم کا دروازہ مواقیت ہیں۔

## میقاتِ نذری اور احرامِ نذری :

کتبِ فریقین میں وارد شدہ روایات اور فقہائے کرام کے اولین حیثیت کے فتاویٰ کے تحت پانچ معین شدہ مواقیت سے پہلے یا بعد میں احرام باندھنا ہرگز جائز نہیں ہے، ان مسلمہ مواقیت کے علاوہ فریقین کے علماء و فقہاء نے تین دوسرے مقامات سے بھی احرام باندھنے کو جائز قرار دیا ہے البتہ اس کے جائز ہونے کا جواز ثانوی حیثیت کا حامل ہے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا ان کا جواز کوئی ایسا جواز ہے جو ہمیشہ کیلئے باقی رہ سکتا ہو؟ کہ آیا یہ ہر شخص کیلئے ہے یا فقط معذور و محصور اشخاص کیلئے ناگزیر حالات میں اسے جائز قرار دیا گیا ہے؟ ممکن ہے کہ فقہاء نے ثانوی مقامات سے احرام باندھنے کی اجازت کسی زمانہ میں درپیش معذوری اور مشکلات کے تحت دی ہو اور اب بہت سے لوگوں کیلئے غالباً سبھی کیلئے یہ عذر و معذوری رفع ہو چکی ہو علماء و فقہاء کیلئے تو یہ مسئلہ بہرحال ایک بحث و تحقیق طلب مسئلہ ہے لیکن عازمینِ حج و عمرہ کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ اس عظیم عبادت میں جو قربِ الٰہی حاصل کرنے کا بہترین وسیلہ ہے، فقط تن پروری، راحت طلبی کی خاطر مشتبہ اعمال سے گریز کریں اور یوں روایات میں بہترین عمل اسے بتایا گیا ہے جس میں زحمت زیادہ ہو۔

### احرامِ نذری

احرامِ نذری کا مطلب یہ ہے کہ انسان نذر کرے: ''میں حج یا عمرہ کا احرام فلاں مقام سے باندھوں گا''۔

اس میں دو کلمہ ہے: ایک احرام اور دوسرا نذر، نذر سے خود بخود یہ تصور ابھرتا ہے کہ خدا کی بارگاہ سے معین شدہ مواقیت کی بجائے کسی اور جگہ کو میقات بنایا جا رہا ہے احرام نذری کا تصور صرف شیعہ فقہاء کی کتبِ مناسک حج میں ملتا ہے، برادرانِ اہل سنت کے ہاں اس کا کوئی ذکر نہیں ہم آئندہ سطور میں نذر کے بارے میں بحث و گفتگو کریں گے :

۱)۔ آیت اللہ محمد کاظم یزدی عروۃ الوثقیٰ احکام مواقیت احرام میں لکھتے ہیں کہ میقات سے پہلے جائز نہیں اور نہ ہی حج کرنے والا محرم ہوتا ہے اور احرام کی حالت میں میقات سے گزرنا جائز نہیں بلکہ میقات سے محرِم ہونا لازمی ہے۔

۲)۔ آیت اللہ العظمیٰ آقای خوئی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس میں کوئی اختلاف و شک نہیں کہ احرام میقات سے پہلے یا میقات کے بعد باندھنا جائز نہیں اور حرام ہے اور اس کی دلیل و سند میں

بیشمار روایات موجود ہیں چنانچہ وسائل باب ۱۲ حدیث ۵، ۶ یہ چار رکعت کی بجائے چھ رکعت پڑھنے کی مانند ہے پھر آیت اللہ نے میقات سے پہلے نذر کر کے احرام باندھنے کو بعض روایات کے تحت جائز گردانا ہے میقات سے پہلے یا بعد میں احرام باندھنے کے حرام ہونی میں کوئی شک نہیں لیکن نذر کے ساتھ احرام باندھنا جائز ہے اس قول کو انہوں نے مشہور کی طرف نسبت دی ہے قولِ مشہور کے مقابل میں ابن ادریس، ابن عقیل، شیخ صدوق اور شیخ طوسی نے اس نذری احرام کو بھی ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ [۱]

۱)۔ امام صادق علیہ السلام نے فرماتے ہیں:

احرام ان پانچ میقات سے ہوتا ہے جن کو رسول اللہؐ نے معین فرمایا ہے۔ [۲]

کسی حاجی یا عمرہ کرنے والے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ میقات سے پہلے یا بعد میں احرام باندھے۔

۲)۔ صحیحۂ ابن اذینة جس نے غیر میقات سے احرام باندھا اس کا احرام صحیح نہیں۔

۳)۔ میسرہ کہتا ہے کہ میں امام صادق کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوا کہ میرا رنگ اترا ہوا اور حال بگڑا ہوا تھا امام نے پوچھا کہاں سے تم نے احرام باندھا میں نے کہا فلاں جگہ سے تو امام نے فرمایا کہ بہت سے نیکی چاہنے والے نیکی تک پہنچ نہیں پاتے پھر فرمایا کیا تمہیں پسند ہے کہ حالت سفر میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھو میں نے کہا نہیں تو امام نے فرمایا یہ (احرام باندھنے) کا عمل بھی ایسا ہی ہے۔ [۳]

۴)۔ روایت صحیح حلبی: حلبی نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے: ایک شخص کو خدا نے نعمت دی تو اس نے اس نعمت کے شکرانے میں نذر مانی کہ کوفہ سے احرام باندھیں گے تو امام صادق نے فرمایا وہ کوفہ سے احرام باندھے اور اپنی نذر پوری کرے۔ [۴]

یہ حدیث ایک طرف سے پہلے والی حدیث سے متصادم ہے دوسری جانب سے اس حدیث کی سند کے راستے میں غیر معتبر راوی ہے۔

---

۱ [معتمد العروة الوثقیٰ ج ۲ ص ۴۰۱ فصل فی احکام المواقیت مسألہ (۱)]

۲ [نقل از وسائل باب اول حدیث ۲، معتمد العروة الوثقیٰ ج ۲ ص ۴۰۳]

۳ [معتمد العروة الوثقیٰ ج ۲، ص ۴۰۱، فصل احکام المواقیت مسألہ (۱)] ۴ [نقل از وسائل باب ۱۳، حدیث ۱]

۵)۔علی بن ابی حمزہ نے امام صادقؑ سے سوال کیا ایک شخص نے عہد کیا ہے اللہ کیلئے کہ کوفہ سے احرام باندھے گا امام نے فرمایا: کوفہ سے باندھ لے۔ [1]

۶)۔ روایت ابی بصیر سے نقل ہے اس نے کہا کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ اگر کسی کو نعمت ملے یا کسی مصیبت سے عافیت ملے اور وہ اپنے ساتھ عہد کرے کہ خراسان سے احرام باندھے گا تو اسے اپنے عہد کی وفا کرنی چاہیے۔

اس روایت کے تحت خراسان سے احرام باندھنے پر نذر کا واقع ہونا فی نفسہ پسندیدہ نہیں ہے بلکہ یہ غیر پسندیدہ اور ناجائز عمل ہے اس کے علاوہ یہاں لفظ نذر نہیں آیا ہے یہاں نعمت ملنے یا مصیبت رفع ہونے پر شکرانے کے طور پر کوئی عمل بجالانے کی بات آئی ہے جبکہ نذر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس حکم سے دو جگہ استثنا ہوا ہے :

۱۔ ماہ رجب میں عمرۂ مفردہ کا احرام میقات سے باندھنے کی صورت میں عمرہ چھوٹنے کا خطرہ ہو تو پہلے سے احرام باندھنا جائز ہے کیونکہ یہ مسئلہ ہمیں درپیش نہیں ہے لہٰذا ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے۔

۲۔اگر کسی نے میقات سے پہلے احرام باندھنے کی نذر کی تو اسی کیلئے جائز ہے۔

اس قول (نذر) کی سند میں آیت اللہ خوئی نے فرمایا ہے کہ فقہاء میں مشہور یہ ہے کہ یہ نذر منعقد ہوتی ہے اور نذر کردہ جگہ سے احرام باندھنا جائز ہوتا ہے پھر آیت اللہ خوئیؒ فرماتے ہیں کہ ابن ادریس نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ دلیل احرام اور اصول مسلمۂ مذہب کے تحت احرام میقات کے علاوہ کسی اور جگہ سے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نذر خلافِ شریعت ہے اگر یہ نذر جائز ہو تو تمام مواقیت کا معین کرنا لغو ہوگا ابن ادریس نے اس نظریے کو سید مرتضی علم الہدیٰؒ ابن ابی عقیل اور شیخ طوسیؒ کی طرف نسبت دی ہے پھر آیت اللہ خوئیؒ اس کے جواز میں ایک اور روایت صحیح حلبی سے نقل کرتے ہیں۔

---

[1] [تفصیل الشریعہ ج ۳ ص ۸۸۔ وسائل ابواب المواقیت باب ۱۳ ج ۲]

۱۱)۔مُقامِ ابراہیم :

بیت اللہ الحرم کی پُرعظمت نشانیوں میں سے ایک جلی نشانی مقام ابراہیمؑ ہے جیسا کہ سورۂ آلعمران آیت ۹۷ میں بیان ہوا ہے :

﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ﴾ ''اس میں کھلی، کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے''

گرچہ لغت اور روایات کے تحت ''مقام'' اسم زمان ومکان اور اسم مصدر کے معنوں میں آتا ہے لیکن یہاں مقام سے مراد اس وقت سونے سے مزیّن چھوٹے سے منارہ کے اندر رکھا ہوا وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم خلیلؑ کے مبارک قدموں کے نشان ہیں اس کی عظمت وبزرگی اور سند کیلئے یہی کافی ہے کہ خداوند متعال نے اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔

دنیا بھر میں مختلف مقامات پر مفاد پرست عناصر نے خلق خدا کو گمراہ کرنے اور دنیا کی قلیل متاع حاصل کرنے کی غرض سے آئمہؑ اور اولیاء سے منسوب جعلی قدم گاہیں بنائی ہیں ان قدم گاہوں سے متعلق کسی کے پاس کوئی معتبر سند نہیں لیکن جس پتھر پر جناب خلیل اللہ کے قدموں کے نشان ہیں اس کی سند تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں واضح طور پر موجود ہے اور تمام ملت اسلامیہ کا بھی اس پر اجماع واتفاق ہے سب سے بڑھ کر سورۂ آل عمران میں موجود آیت اس کی حقانیت کی ایک روشن دلیل ہے۔

اس بات کو تو سب مانتے ہیں کہ اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان ہیں لیکن یہ نشان کیسے پڑے اس بارے میں تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں اختلاف پایا جاتا ہے ان میں سے بعض متضاد نقول ہم یہاں پیش کررہے ہیں:

پہلی نقل :

حضرت ابراہیمؑ جب اپنی زوجہ ہاجرہؑ اور اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کی خبر گیری کیلئے فلسطین سے یہاں تشریف لائے تو آپؑ کی زوجہ نے آپؑ کیلئے پاؤں کے نیچے رکھنے کیلئے ایک پتھر پیش کیا جب آپؑ نے اس پتھر پر قدم رکھے۔تو اس پر آپؑ کے قدموں کے نشان پڑ گئے۔

دوسری نقل :

حضرت ابراہیمؑ بیت اللہ کی تعمیر فرمارہے تھے جب دیوار زیادہ بلند ہوگئی تو آپؑ نے اس پتھر پر کھڑے ہوکر تعمیر کو جاری رکھا، خانۂ کعبہ کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد آپؑ نے اس پتھر کو وہیں

رہنے دیا کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس میں اس بات کا اظہار ہو کہ آپؑ نے اس پتھر کو وہاں سے اٹھا کر کہیں اور رکھا ہو۔

## تیسری نقل:

جب بیت اللہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو خداوند متعال نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کریں کہ سب اس گھر کی طرف آئیں لہٰذا جناب ابراہیمؑ نے اس پتھر پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا: "یاایھالناس اجیبوا ربکم" جس وقت آپؑ یہ اعلان فرما رہے تھے یہ پتھر فضا میں بلند ہوا اور اس پر جناب ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان پڑ گئے۔

الغرض، شروع میں یہ پتھر دیوارِ کعبہ سے ملا ہوا تھا۔ دور جاہلیت میں قریش والوں نے اس پتھر کو وہاں سے ہٹا کر موجودہ جگہ پر لا کر رکھ دیا دورِ پیغمبر اسلامؐ میں اس پتھر کو دوبارہ اس کے اصلی مقام پر نصب کیا گیا، پھر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک سیلاب آیا جو "اُم نہشل" کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ اس سیلاب میں قبیلہ نہشل کی ایک لڑکی کام آ گئی تھی سیلاب اس پتھر کو بہا کر مسبلہ تک لے گیا جب حضرت عمرؓ کو خبر ملی تو آپ حج کیلئے آئے اور اہل مکہ سے اس پتھر کے مقام کے بارے میں استفسار کیا ایک بوڑھے شخص نے کہا کہ اس کے ناپ کی رسی اس کے پاس ہے لہٰذا اس رسی کو لایا گیا اور اسی کی پیمائش کے مطابق ساڑے چھبیس ہاتھ کے فاصلے پر اس پتھر کو رکھ دیا گیا بعض کہتے ہیں کہ خود پیغمبر اسلامؐ نے اسے یہاں رکھا ہے۔

غرض جس نے بھی اسے یہاں پر رکھا ہو آئمہ طاہرینؑ نے اس کی مخالفت نہیں کی اور اس سلسلے میں سکوت اختیار فرمایا ہے جس سے ہم با آسانی یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ پتھر اب بھی جس جگہ ہے، دورِ آئمہؑ میں بھی اسی جگہ پر تھا اور کیونکہ انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اسلئے اس میں کوئی ہرج و مرج والی بات نہیں۔

## طواف اور مقام ابراہیمؑ:

مناسک حج میں طواف خانہ خدا کی پانچویں شرط بیت اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان ہونا چاہیے لہٰذا یہ فاصلہ چاروں جانب اسی تناسب سے ہونا چاہیے۔ یہ فاصلہ ساڑھے چھبیس ہاتھ بتایا جاتا ہے چنانچہ بیت اللہ کا طواف کرتے وقت ساڑھے چھبیس ہاتھ سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔

کتاب تفصیل الشریعہ فی شرح تحریر الوسیلہ جلد ۴، ص ۹ پر آیت اللہ فاضل لنکرانی فرماتے ہیں:

فقہاء کے درمیان یہ شرط مشہور ہے بعض نے فرمایا ہے اس شرط کے بارے میں کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ صاحب جواہر نے کتاب غنیّۃ سے اجماع کا دعویٰ کیا ہے لیکن ساتھ ہی صاحب جواہر نے شیخ صدوق، صاحب کتاب ''مختلف، تذکرہ، منتہٰی، مدراک'' سے اس شرط کی عدم ضرورت کو نقل کیا ہے''۔

طواف میں اس شرط کے ہونے کی وجہ سے ایک عرصے سے اہل تشیع ایک بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں بوڑھے کمزور، بچے، خواتین اور قدرے وسوسہ رکھنے والے اس شرط سے بڑی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں حتی کہ بعض علماء چندین بار طواف کا تکرار کرتے ہیں اور بعض اس شرط کی وجہ سے دوبارہ حج کرنے کی ہمت کھو بیٹھتے ہیں اور اس عظیم عبادت سے محروم رہتے ہیں اور ان تمام مسائل و پریشانیوں کی بنیادی وجہ یہی بے دلیل و بے بنیاد شرط ہے، اگر یہ شرط حکم خدا اور رسول ہے تو پھر کوئی چارہ نہیں کیونکہ امتثال ہی کرنا ہے، امتثال اور اطاعت مولا ہے اور جس کی استطاعت نہیں کہ وہ نہ کرے لیکن اگر یہ فتویٰ فقیہ کی سستی و کاہلی یا نعوذ باللہ فتویٰ دینے میں بھی راہ تقلید کو اپنانے کی وجہ سے ہے تو اس فتویٰ کا اعتماد، بھروسہ و ہمیات اور تصوراتِ مفروضہ پر قائم ہوں گے لہٰذا پھر اس فرقے کو سلام کرنے کے علاوہ کیا چارہ ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ اس فتویٰ کی سند کیا ہے :

۱)۔ پیغمبر اسلامؐ کے زمانے میں طواف مقام کے باہر سے ہوتا تھا کیونکہ اس وقت مقام بیت کی دیوار سے لگا ہوا تھا۔

۲)۔ طواف بیت اور مقام کے درمیان خلیفۂ دوم کے دور سے شروع ہوا، خلیفۂ دوم کے دور میں مقام کو کعبہ کے پاس سے اٹھا کر اس مقام پر رکھا گیا نہیں تو خانہ کعبہ اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی اور چیز نہیں تھی لہٰذا انہوں نے حد معین کی ہے کہ طواف بیت سے ساڑے چھبیس ہاتھ کے اندر ہونا چاہیے اس حوالے سے اس شرط کے تحت طواف کی مسافت چاروں طرف ساڑھے چھبیس ہاتھ بنتی ہے یہ مسافت طواف کیلئے حجرۂ اسماعیلؑ پر پہنچنے کے بعد شاید زیادہ سے زیادہ دس ہاتھ یا اس سے کم رہ جائے تو بتائیں کیا مصیبت بنتی ہوگی؟ اگر حجرۂ اسماعیلؑ کے باہر سے طواف ہونا چاہیے تو پھر طواف کیلئے مسافت کہاں سے نکالی ہے۔

۳)۔ اس سلسلہ میں علماء اعلام و فقہاء نے ایک روایت نقل کی ہے جسے کلینیؒ نے محمد بن یحیی اور بعض

دیگر نے محمد بن احمد سے انہوں نے محمد بن عیسٰی سے، انہوں نے یاسین زریر سے، انہوں نے حریز بن عبداللہ سے، انہوں نے محمد بن مسلم سے۔ انہوں نے کسی سے پوچھا کہ حدِ طواف کیا ہے کہ جس سے نکلنے کے بعد طواف نہیں ہوتا تو جواب ملا کہ پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں اس گھر اور مقام دونوں کا طواف ہوتا تھا آج ہم بیت اور مقام کے درمیان طواف کرتے ہیں اگر اس سے باہر نکلے تو طواف نہیں ہوگا۔

۱۔ کہتے ہیں کہ دونوں زمانوں کی مسافت ایک ہے یہی مقدار ہے جسے چاروں طرف خیال رکھا جاتا ہے اور مسافت ساڑے چھبیس ہاتھ والی روایت پر اشکال نہ کریں کہ محمد بن مسلم نے اسے معصوم سے دریافت کیا ہے۔

۲۔ یاسین زریر کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی تائید نہیں ہوئی ہے یہ ضعیف راوی ہے بلکہ یہ مجہول الحال ہے جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے شرح اصول کافی، کتاب مرأۃ العقول میں نقل کیا ہے لیکن مشہور فقہاء نے اس پر سند دی ہے اور مشہور کی سند اس ضعف کو پورا کرتی ہے۔

۳۔ اس میں حد کا ذکر نہیں ہوا ہے کہ کتنی حد ہونی چاہیے ؟ [1]

سابق زمانے میں بیت اللہ کے گرد مسجد کے نام سے کوئی چار دیواری یا حد بندی نہیں تھی جو کچھ تھا یہی خانہ خدا تھا جس کے گرد لوگ طواف کیا کرتے تھے مقام ابراہیمؑ اور دیوارِ کعبہ کے درمیان طواف کے فاصلے کو مطاف کہتے ہیں اس وقت یہ مطاف ساڑھے چھبیس ہاتھ تھا کیونکہ یہ پتھر بھی ساڑھے چھبیس ہاتھ ہی کے فاصلے پر ہے، اس لئے فقہائے امامیہ بھی مطاف کو بیت اللہ اور مقام ابراہیمؑ کے درمیانی فاصلے میں محدود سمجھتے رہے ہیں جبکہ مذاہب اربعہ کے فقہاء اس حد کو نہیں مانتے دورِ حاضر کے امامیہ فقہاء و مراجع بھی کثرت اژدہام کی صورت میں مقام ابراہیمؑ کے باہر سے طواف کو جائز جانتے ہیں۔

**نماز طواف اور مقام ابراہیمؑ :**

بیت اللہ کا طواف دو عمل سے مرکب ہے، پہلا عمل کعبہ کے گرد سات شوط (چکر) ہے جو ایک طواف شمار ہوتا ہے، دوسرا عمل دو رکعت نمازِ طواف ہے جس طرح نماز جمعہ کی تکمیل دو خطبہ اور دو رکعت سے ہوتی ہے، اسی طرح طواف اور نمازِ طواف بھی مل کر ایک عمل متصور ہوتا ہے۔

---

[1] [تفصیل الشریعہ آیت اللہ فاضل لنکرانی ج ۴، ص ۳۷۰]

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۵ کے مطابق نماز طواف مقام ابراہیمؑ پر یا اس کے پیچھے پڑھنے کا حکم ہے :

﴿ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ﴾ ''تم مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالو''۔

اس وقت جہاں مقام ابراہیم ہے وہاں نماز طواف پڑھنا دو قسم کی آیات اور روایات کے تحت تعارض و تصادم کا سبب ہے اور یہ احکام شریعت کے شارحین یعنی فقہا و مجتہدین کیلئے ایک مشکل مسئلہ بنا ہوا ہے ایک طرف آیات اور روایات کے تحت یہ جگہ مطاف شمار ہوتی ہے جبکہ دوسری طرف یہاں نماز طواف پڑھنے کا حکم ہے ،سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۵ میں جہاں طواف کرنے کا ذکر ہے، وہیں نماز کا بھی حکم ہے چنانچہ ان حالات میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا ہے کہ کس کو ترجیح دی جائے، طواف کو یا طواف کی نماز کو۔

اگر نمازِ طواف کو عین مقام ابراہیمؑ پر پڑھنے کی کوشش کی جائے تو طواف کرنے والوں کی راہ میں رکاوٹ ہوتی ہے طواف ایک غیر محدود عمل ہے جب طواف کرنے والے مقام ابراہیم کے باہر سے طواف کرتے ہیں تو اعمال کو زیادہ دقت اور احتیاط کے ساتھ بجالانے والوں کیلئے ایک مشکل کھڑی ہو جاتی ہے بسا اوقات اس جگہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے ایک بے سکونی کی کیفیت رہتی ہے اور طواف کے اتمام سے متعلق اٹھنے والے شکوک و شبہات ذہنوں میں الجھن پیدا کر دیتے ہیں۔

## نشانیٔ ابراہیمؑ یا مقام ابراہیمؑ :

آیات اور روایات میں ایک لفظ تکرار کے ساتھ آیا ہے اور وہ مقام ابراہیم ہے لیکن تجزیہ و تحلیل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ایک نہیں بلکہ دو چیزیں ہیں، ایک نشانیٔ ابراہیمؑ یعنی وہ پتھر ہے جس پر جناب ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان ہیں اور دوسری وہ جگہ یا مقام ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ عبادت کیا کرتے تھے پہلے ہم نشانیٔ ابراہیمؑ کے بارے میں بات کرینگے اور اس کے بعد مقام سے متعلق گفتگو کریں گے۔

حسبِ آیات قرآن کریم یہ پتھر ایک آیتِ حق ہے، صاحب حرم اور اس کے خلیل کی نشانیٔ صدق ہے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اس پر موجود نشان بیت اللہ کے معمار کے قدموں کے ہی نشان ہیں، جو اختلاف ہے، وہ اس کے اصل مقام سے متعلق ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ یہ پتھر ابراہیم خلیل اللہ کی نشانی اور ایک متبرک چیز ہے لیکن اس کا طواف اور نمازِ طواف سے کوئی ربط نہیں ہے۔

مقام ابراہیمؑ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ عبادت کیا کرتے تھے یقیناً ابراہیمؑ جیسے قہرمانِ توحید نے جہاں کھڑے ہو کر عبادت کی ہو وہ مقام حاملِ عظمت و شرافت اور فضیلت ہے چنانچہ جہاں جہاں

حضرت ابراہیمؑ عبادت بجالائے اور خدا کے حضور سجدہ ریز ہوئے وہ جگہیں آج بھی مقام ابراہیمؑ کے نام سے موسوم ہیں، چاہے وہ جگہ مسجد کوفہ میں ہو یا بیت المقدس میں۔

لہٰذا مقام ابراہیمؑ وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیم خلیلؑ بیت الحرام کے طواف کے بعد یا عام حالات میں اس گھر کے سامنے قیام فرمایا کرتے تھے خداوند عالم نے اس جگہ کو حضرت ابراہیمؑ کی خلت وعبادت اور تعمیر بیت اللہ شریف کے عوض جائے نمازِ طواف قرار دے دیا ہے لہٰذا مقام ابراہیمؑ جائے نمازِ طواف ہے نہ کہ نقطۂ حدِ طواف۔ مقام ابراہیمؑ اور نشانیٔ ابراہیمؑ کے درمیان موجود اس فرق کے ابتکار بیان کرنے کا سہرا مرحوم آیت اللہ العظمیٰ سید عبدالاعلیٰ سبزواریؒ کے سر جاتا ہے جنہوں نے اس مشکل مسئلہ کو حل کرنے کی سعی فرمائی۔

## مجتہدین یا مراجع وقت کے بارے میں اظہار نظر:

ہمارے ہاں مراجع تقلید کے بارے میں کسی بھی حوالے سے زبان کھولنا اور قلم اٹھانا ممنوعہ علاقے کی حدود میں داخل ہونے کے مترادف ہے اور ایسا کرنے والوں کو مختلف قسم کے سوالات اور اعتراضات کا نشانہ بنایا جاتا ہے

## مجتہدین کے اختیارات :

جس طرح مرجعیت اور تقلید کو ہمارے ہاں داخل کیا گیا ہے جس کی کوئی سند نہیں اسی طرح مجتہدین کیلئے جو اختیارات بیان کی گئی ہیں ان کی بھی کوئی سند نہیں ہے:

۱۔ خصم نزاع فصل خصومات جہاں ان میں سے کسی کے فیصلہ دینے کے بعد کسی اور کو دخل دینے کا حق ختم ہو جاتا ہے، یہ حق بھی اپنے وکیلوں کو سونپ سکتا ہے اس میں کسی قسم کے علم اور عدالت کی حد بندی نہیں ہے۔ ان میں سے ایک مال امام ہے ان کا کہنا ہے امام کی غیبت کے دور میں جتنے بھی اموال امام سے منسوب ہیں وہ فقیہ کے اختیار میں ہیں وہ فقیہ ہی کی اجازت سے خرچ کر سکتے ہیں۔

۲۔ یتیم، سفیہ، دیوانے اور پاگل کو کسی اپنے چہیتے کے رحم وکرم میں دے سکتا ہے، یہ اختیار وہ نیچے تک سونپ سکتا ہے جنھیں وکیل مراجع کہتے ہیں۔

## مالیات، اختیارات :

ہر انسان کے کسب وکمائی سے سال بھر کے اخراجات نکالنے کے بعد بچے ہوئے مال کے پانچویں حصے کو خمس کہتے ہیں مجتہد بنتے ہی انسان خود بخود اس مال کا عملاً متولی بن جاتا ہے۔

۱)۔ تمام مال اوقاف مجتہدین کی صوابدید پر استعمال ہوتا ہے وہ اس مال کو جس کے سپرد کریں انہیں اس کا حق مل جاتا ہے کہ وہ اسے جہاں چاہیں خرچ کریں۔

۲)۔ ہر وہ مال و دولت جو مجہول المالک ہو یعنی جسکا کوئی مالک نہ ہو، مجتہدین اس کے مالک ہوتے ہیں۔

۳)۔ تمام نذورات اس مد میں شامل ہوتے ہیں۔

۴)۔ تمام صدقات اصلی و جعلی اس مد میں شامل ہوتے ہیں جیسے امام ضامن۔ پایا ہوا مال، مالِ مخلوط بہ حرام مفقود الوارثین کے اموال۔

۵)۔ ہر وہ چیز جو مال حلال و مال حرام سے مخلوط ہو اس کے پانچواں حصہ کا مالک مجتہد ہوتا ہے۔

۶)۔ جو مال واضح طور پر حرام ہو جیسے سود و شراب اور جوئے اور دیگر غیر شرعی طریقوں سے درآمد شدہ مال و دولت بھی اس مد میں شامل ہوتا ہے۔

خمس : رسالہ توضیح المسائل مراجع معظم تقلید ص ۶۸، مسئلہ ۱۷۵۱ پر تحریر فرمایا ہے سات چیزوں پر خمس واجب ہے :

۱۔ منفعت کسب : جس قسم کی کسب ہو تجارت، ملازمت، مزدوری۔

۲۔ معدنیات : سونا، چاندی، لوہا، پیٹرول، کوئلہ فیروزہ، عقیق، نمک غرض ہر وہ چیز جو زمین سے نکلے۔

۳۔ گنج، کنز : جو کسی نامعلوم شخص نے ذخیرہ کیا ہو۔ ۴۔ مالِ مخلوط بہ حرام۔

۵۔ مالِ غواصی۔ ۶۔ غنیمت۔ ۷۔ وہ زمین جو مسلمان سے خریدی گئی ہو۔

لیکن ایران میں حکومت اسلامی شیعی قائم ہونے کے بعد اب تک کسی بھی سمعی، بصری اور کتاب میں اس کی وضاحت نہیں ہوئی ہے کہ تیل و گیس اور دیگر معدنیات جو حکومت کی قبضے میں ہیں اس کی خمس کو الگ کیا ہو اور اس کے مخصوص مصارف میں خرچ کرنے کو کہا ہو۔

خمس اپنی جگہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے :

۱)۔ سہم سادات جسے اپنی مرضی سے یا مجتہد کی اجازت سے محتاج مند سادات کو دیا جائے جس کی تفصیل رسالہ عملیہ میں آئی ہے۔

۲)۔ دوسرا حصہ مالِ امام ہے لیکن چند مجتہدین کا نظریہ بدل گیا ہے اور مالِ امام اور سہم سادات

دونوں کے خرچ کیلئے ان سے اجازت لینا ضروری ہے بلکہ سادات کی تو شامت آئی ہے
مجتہدین نے مالِ سادات کو اپنے لئے بھیجنے کا حکم دیا ہے اور مالِ امام کو ان کے جمع کرنے والوں
کو دیا ہے کہ وہ جہاں خرچ کرنا چاہیں کریں۔

مندرجہ بالا مال مجتہدین کی اجازت کے بغیر سرف نہیں کر سکتے ہیں، ان اموال کو بے جا کھانے والے جہنم کی آگ کا ایندھن و چنگاری کھانے کے مترادف ہے جن پر خمس واجب ہے اگر وہ نہیں دیتا تو وہ حق زہراؑ کھاتا ہے اور جو افراد اس کے منکر ہیں وہ ضروریات مذہب شیعہ کے منکر ہیں اگلے مرحلے میں اس انکار کی برگشت انکار نبوت و امامت پر مبنی ہوتی ہے لہٰذا وہ مرتد ہیں لیکن وہ مال جو آئمہ طاہرین کی ضریحوں میں جمع ہوتا ہے یا ان کے نام پر بنائی گئی جائیداد سے جو اجارہ و منافع حاصل ہوتا ہے اس کے مال امام ہونے میں جائے شک و تردید نہیں ہے لیکن کسی بھی جگہ اور کہیں ان کی اس مال پر تولیت قائم نہیں ہوئی ہے، لہٰذا آپ کو باب خمس یا رسالہ عملیہ میں کہیں بھی ان اموال کے بارے میں ان کی تولیت یا یہ لکھا ہوا نہیں ملے گا کہ ان اموال کو خرچ کرنے کا حق کس کو ہے گویا یہ علاقہ ان کیلئے ممنوعہ علاقہ ہے چنانچہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیونکر ان کیلئے ممنوعہ علاقہ ہے اور یہاں کی تولیت کس کے ہاتھ میں ہے۔

## استحقاق تولیت مال امام

استحقاق تولیت مال امام ہے انسان مجتہد بننے کے بعد مال امام کا متولی بن جاتا ہے یعنی یوں کہیں کہ اگر دنیا کے اقتصادی میدان میں کوئی شخص محقق بن جائے تو اس کا چند فیصد امکان ہوسکتا ہے اسے اپنے ملک یا بیرون ملک مناسب نوکری مل جائے یا کوئی وزیر یا رئیسِ بینک بن جائے دھاندلی زدہ نظام میں بھی جعلی حساب دینا ہوتا ہے کم سے کم حزب مخالف آواز اٹھاتے ہیں لیکن یہاں کسی قسم کی آواز اٹھانے کی گنجائش نہیں ہے مرتد ہو جائیں گے ان کی یہ صورت حال دیکھ کر نہج البلاغہ میں موجود امیر المومنین علیؑ کے ان خطبات سے بھروسہ اٹھ جاتا ہے عثمان اور ان کے نمائندوں پر تنقید بے جا سمجھی جائے گی معلوم نہیں کہ اتنی بے لجام ولایت کی سند کہاں سے لی گئی ہے اور کس نے دی ہے؟ لیکن بدقسمتی سے شیعوں میں مجتہد بننے کے بعد ہر مجتہد شیعہ مسلک کے بیت المال کا گونر بنتا ہے اس بیت المال کو کس کس مد میں خرچ ہونا چاہیے، اس کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے آئے دن ان مدوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے ہم یہاں اس مد میں داخل ہونے اور اس مد کے مصارف کے بارے میں وضاحت کرنا چاہیں گے۔

## مصارف مال امام :

مال امام کو کہاں کہاں خرچ کرنا جائز ہے اس سلسلے میں ان دو صدیوں میں فقہاء مجتہدین کی قولی و فعلی سیرت متعدد نوعیت کی رہی ہے۔

۱۔ مال امام ایسے موقع و محل پر خرچ کریں جہاں خرچ کرنے سے امام زمان کا راضی ہونا یقینی ہو۔

۲۔ اس کے خرچ کے موقع و محل کو فقہاء و مجتہدین عامتہ الناس یا اپنے مقلدین سے بہتر جانتے ہیں۔

۳۔ اسے علاقے کی ضروریات دینی میں خرچ کرنے کے بعد باقی ماندہ حصہ کو ہمارے لئے بھیج دیں تا کہ ہم اسے حوزات علمیہ کے مصارف میں خرچ کریں۔

۴۔ نصف ہمارے لئے بھیجیں اور نصف کو وکلاء اپنے علاقے میں خرچ کریں۔

۵۔ ایک تہائی آپ خرچ کریں باقی ہمیں دے دیں۔

۶۔ سارا مال امام ہمیں دیں اور ہم سے رسید لیں اسے کہاں خرچ کرنا ہے یہ ہم جانیں اور وکیل جانیں

۷۔ اس کا نصف سہم سادات ہے جو ہر شخص اپنے علاقے میں خود خرچ کرے اور مال امام فقہاء و مجتہدین کی اجازت سے خرچ کریں۔

۸۔ دونوں فقہاء و مجتہد کی اجازت سے خرچ کریں۔

۹۔ اگر مال امام آپ وکیل خرچ کریں اور سہم سادات ہمیں بھیجیں۔

۱۰۔ سابق زمانے میں علاقے کے علماء وکیل ہوتے تھے لیکن فی زمانہ ارباب سرمایہ اور تجارت پیشہ افراد کو بھی وکیل بنایا جاتا ہے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام صاحبان مال و دولت اور سرمایہ دار بے دین و بے ایمان اور خائن ہوتے ہیں اور علماء دین دار اور امین و محافظ مال امام ہوتے ہیں بلکہ دونوں باایمان اور دیندار و امانت دار بھی ہو سکتے ہیں اور دونوں بے ایمان و خائن بھی ہو سکتے ہیں کون دیندار و امانت دار ہیں اور کون بے ایمان و خائن یہ فیصلہ کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا لہٰذا اس کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ عالم دین اگر بے دین و خائن بھی ہو جائے تو ابھی اس کے اٹھنے بیٹھنے، اور گفت و شنید میں کم از کم ایک تہائی دین ہوتا ہے کیونکہ اس کا شغل و عمل ہی دین ہوتا ہے جبکہ ایک تاجر و سرمایہ دار چاہے جتنی بھی کوشش کرے وہ اس کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔

عالم دین کے تمام اخراجات انہیں وجوہات شرعی سے پورے ہوتے ہیں اور وہ اپنے اخراجات اسی مد سے

پورے کرتا ہے لہٰذا وہ اس مد میں کم سے کم بچت کرے گا جبکہ کوئی سرمایہ دار دیندار وامین بھی ہو جائے تو وہ عملی زندگی میں ترویج واشاعت دین کا کوئی کردار ادا نہیں کرسکتا کیونکہ نہ تو اس نے دین سیکھا ہے اور نہ اسے پیشہ بنایا ہے وہ زیادہ سے زیادہ تعمیرات ہی میں کچھ کرسکتا ہے ممکن ہے کہ اس کے پاس جمع ہونے والا تمام کا تمام مال امام، مجتہد تک پہنچ جائے کیونکہ اس کی درآمدات اپنی جگہ پہلے سے محفوظ ہوتی ہیں چنانچہ اسے اس وکالت کی ضرورت اس لئے پسند نہیں ہوتی کہ اس سے اس نے اپنے روزمرہ کے اخراجات چلانے ہوتے ہیں بلکہ اسے اس رقم سے ملنے والے منافع سے لگاؤ ہوتا ہے اگر وہ امانت داری سے کام کرے تب بھی مجتہد تک پہنچتے پہنچتے اس کے پاس جمع ہونے والے مال سے بننے والا منافع ایک کثیر رقم بن جائے گا، اس دو قسم کے فرق کو مدنظر رکھنے کے بعد آپ کو اس صورتحال کے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے نظر آئیں گے۔

۱۔ علماء اپنی گزراوقات کیلئے ایسے سرمایہ داروں کے محتاج مند ہو جائیں گے۔

۲۔ علماء کو رفتہ رفتہ دین ودیانت سے اکتاہٹ اور کاروباری زندگی سے شغف ہو جائے گا۔

۳۔ اگلے مرحلے میں علماء کی اولاد تاجر اور بریف کیس والا سرمایہ دار بننے کی کوشش کرے گی کیونکہ وہ یہ سمجھیں گے کہ مرجع کے گھر میں علماء کی بہ نسبت بریف کیس والوں، سرمایہ داروں کا زیادہ احترام ہوتا ہے۔

۱۱۔ اس کا حق تولیت جامعہ الشرائط مجتہد کو حاصل ہے۔

۱۲۔ ہر شخص اس مجتہد کو دے گا کہ جس کی وہ تقلید کرتا ہے اور اسی کی اجازت سے خرچ ہوگا۔

۱۳۔ اسے تمام سیاسی و مذہبی سرگرمیوں میں خرچ کر سکتے ہیں اس کو جمع کرنے کا طریقہ ظاہری طور پر بہت مقدس نظر آتا ہے لیکن دنیا میں رائج طریقوں سے چندان مختلف نہیں ہے شاید آج کل اس کی مثال واضح ہوگئی ہے جسے اجنبی کہتے ہیں انسان کو اجنبی مال مل جائے اس کی عیش ہوگی۔

علمائے امامیہ کا کہنا ہے کہ ولی الامر کا رتبہ غیبت امام میں فقہاء و مجتہدین کو حاصل ہے لیکن اس جواب پر بھی چندان زاویئے سے اشکال وارد ہوتے ہیں :

۱)۔ ”ولی الامر ہمیشہ امت میں سے ہوتا ہے اور ہونا چاہئے“ یہ کہنا کہ اسے یہ حق دینا کہ وہ نئے حالات اور عصری تقاضے کے تحت خلا کو پر کرے صحیح نہیں کیونکہ کسی بھی فرقے کا پیشوا خواہ کتنا ہی مقدس اور معصوم ہستی کیوں نہ ہو وہ اس خلا کو عملاً پر نہیں کرسکتا ہے۔ دورِ آئمہؑ میں موجود خلا کو خلفاء اور امراء پر کرتے تھے چاہے وہ استحقاق کے ساتھ کرتے تھے یا ناحق طور پر کرتے

تھے تاہم خلا کو عملاً پر کرنے والے خلفاء ہوتے تھے نہ کہ آئمہؑ۔ یہ نظریہ ایک مفروضے کے طور پر زمینی اور تصوراتی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن قابل عمل اور استفادہ نہیں ہے۔

۲)۔ ولی امر ہر معاشرے کیلئے ایک ہی ہوتا ہے لہٰذا ایک سے زائد ولی الامر معاشرے میں باعث فساد ہے ایک ہی معاشرے میں بیک وقت چندین مجتہدین ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کو خلا پر کرنے کا حق دینا در حقیقت خلا کو اپنے حال پر چھوڑنے کے مترادف ہے۔

۳)۔ اگر کوئی انسانِ مسلمان، دین دار اور دین کا درد رکھنے والا معاشرے کا صاحب اختیار بن جائے اور وہ فقیہ بھی نہ ہو تو کیا وہ معاشرے کے اجتماعی فائدے اور مصلحت کے پیش نظر کوئی کام سر انجام نہیں دے سکتا؟ چاہے وہ اس مصلحت پر عمل درآمد دس (۱۰) مجتہدین کے فتاویٰ کی روشنی میں کرے۔

## متعلم و عالم :

قرآم وسنت میں دین وشریعت کو سمجھے سمجھانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کیلئے طالب علم اور علماء کا ذکر آیا ہے چنانچہ نبی کریم کا حیات طیبہ کے دور میں اور اس کے بعد مسلمان اپنے لئے درپیش پیچیدہ مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کیلئے نبی کریم قرآن، اہل قرآن اور آپ سے قریبی تعلق رکھنے والے افراد کی طرف رجوع کرتے تھے لیکن پیغمبر اور آپ کے برجستہ اصحاب سے دوری والے ادوار میں شریعت سے ناواقف لیکن اسے سمجھنے کے خواہاں افراد کو متعلم اور سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت رکھنے والوں کو علماء کہتے تھے چنانچہ جاہلوں کے اس طبقے کی تعریف کی گئی ہے جو نہ جاننے والے مسائل کے بارے میں سوال واستفسار سے جھجک یا کراہت محسوس نہیں کرتے بلکہ انھیں تالی تل یعنی علماء کے بعد دوسرے مرتبہ پر فائز سمجھا جاتا ہے یا دوسرے الفاظ میں آج کے متعلم کو کل کے عالم قرار دیا ہے تاہم علماء کو جاہلوں پر موقع محل کے تحت فضیلت و برتری حاصل ہے جبکہ علماء کی محفل میں بیٹھنے کو یا ان کے ساتھ چلنے کو عبادت، اجر وثواب کے حصول کا باعث، بخشش گناہ ومجوسیات کے علاوہ اسے دین کا حصہ قرار دیا گیا ہے تاہم اس موقع پر علماء کے اس طبقے سے ملنے ملانے سے گریز اور ان سے دوری اختیار کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے جو عالم ہے مگر بے عمل اور خطبائے عمل، حکام پرست، سود خور دنیا پرست دین اور حدیث فروش ہوتے ہیں ان علماء کی اتباع وپیروی کو اتباع تأسی گردانا گیا ہے۔

گذشتہ زمانہ میں دو کلمات کی جگہ دو نئے کلمات یعنی تقلید و اجتہاد کا افراء کیا گیا اور انہی دو کلمات کو رواج دیا گیا اور پھر ان دونوں کو پہلے والے کلمے پر فضل و برتری دے کر اسے غیر محدود اختیارات سونپ دیا گیا بعد ازاں کلمات کا ثقافت قرآن سے تعلق نظر نہیں آتا ہم لفاظی مباحثے میں مناظرہ و مجادلہ کرنے سے رائج ثقافتی زبان کے تحت ان کی تعریف ضرورت شرائط و اختیارات اور چادر قداست اور پھر ان کی خدمات جلیلہ یا کثیر استفادے کے بارے میں قلم اٹھائیں گے۔

## ولایت فقیہ : [1]

اٹھائیس سال نظام ولایت فقیہ کی حکومت گزرنے کے باوجود اس وقت بھی عالمی خریطۂ سیاست پر یہ کلمہ موضوع استفسار، دہشت و وحشت اور تعجب کا باعث بنا ہوا ہے اس سلسلے میں اس کلمے کے بارے میں اتنی پیچیدگی اور اس کا ناقابل فہم احاطہ ہونا بھی اپنی جگہ ایک سوال بنا ہوا ہے پہلے ہم دوسرے سوال کے بارے میں عرض کرتے ہیں کہ اس کلمہ وجود عالمی نظام سیاست میں ایک نئے نظام کا اضافہ ہے جو دنیا کیلئے ایک انجانی بات اور پہلا تجربہ ہے لیکن اسے دوام و بقا ملنے کا کیا سبب ہو سکتا ہے!

تیسرا سوال یہ ہے کہ غیر تو چھوڑیں خود شیعہ سیاست مدار علماء و فقہا، مصنفین و مؤلفین اور مکالمہ نگاروں کیلئے باعث اختراع و تضاد گوئی ہے جبکہ بعض جذبات و احساسات سے کام لیتے ہوئے اصل موضوع کو چھوڑ کر حاشیے اور کونے کنارے پر چلتے ہیں نہیں پوچھتے ہیں کہ فقیہ کی حکومت کیوں ضروری ہے اگر حکومت فقیہ کی نہ ہو تو کیا نقصان ہوگا، نہیں پوچھتا ہے کہ ایک فقیہ کی حکومت کا کہاں تک ہو سکتا ہے بلکہ اس نظام کو مفلوج اور ناقابل فہم و درک کر کے مسترد کرنے میں اصل ولایت فقیہ کے منکرین سے یہ لوگ پیچھے نہیں بلکہ اس سے آگے چند میل پر پیش قدم رکھتا ہے یہ لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ ولایت فقیہ کو مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر مگر کی شرط لگائی تو اس کی شامت آ گئی یا اس سے بھی دائرہ تنگ کر کے پوچھتے ہیں کہ فلاں ہستی کو مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر جواب نہیں میں ہو تب بھی اس کی خیر نہیں تاہم اس سلسلے میں بہت سے سوالات ابھی بھی موضوع استفسار استصواب اور استجواب ہیں۔ اجتہاد بلند مقام و مرتبہ رکھتا ہے ہر دعویٰ کرنے والا اس تک نہیں پہنچ سکتا، صرف وہی پہنچ سکتا ہے جو مشکلات اور ناگواریوں پر تحمل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، علما، و فقہاء کی آفت و زوال

---

[1] [مجلہ توحید ش ۹۲ ص ۱۳۰]

قدیم زمانے سے عصر حاضر تک غرورِ علمی اور جھوٹے منصب کا دعویٰ کرنا رہی ہے۔

احکامِ شرعیہ کو دلائل شرعی سے استنباط کرنا پوری امت پر واجب ہے اگر امت نے اس میں کوتاہی کی تو سب گناہگار ہوں گے ہیں یہ وجوب ان لوگوں پر زیادہ عائد ہوتا ہے جن میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت زیادہ ہو لیکن کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ وجوب، صلاحیت واہلیت رکھنے والے افراد کی تعداد اور مقدار پر گردش کرتا ہے لہٰذا ہر شخص پر واجب نہیں ہوتا ہے یہ درس گاہ اہلیت اور صلاحیت کی سند نہیں ہے بلکہ یہ ایک علمی مقام ہے جس کے پاس یہ صلاحیت موجود ہوگی اسی کو فقیہ و مجتہد کہا جائے گا۔

**سوال؟**

اتنی صدیاں گزر گئیں ہیں اور بے تعداد مجتہدین عظام اس دار فانی سے رخصت ہو گئے ہیں لیکن انھوں نے اس معاملے پر اس انداز سے نہیں سوچا تو آپ کو اس کا احساس اتنی شدت سے کیوں ہوا ؟

**جواب :**

اس سلسلہ میں مندجہ ذیل عرائض ملاحظہ کریں:

۱۔ علماء و مجتہدین، انبیاءؑ و آئمہؑ کی طرح غلطیوں اور کوتاہیوں سے پاک و منزہ ہستیاں نہیں تھے اور نہ مصداق آیۂ تطہیر ہیں کہ جن کو قصوروار نہ ٹھہرایا جا سکے وہ بھی ہم جیسے عام انسان ہیں۔

۲۔ اجتہاد احکام شرعیہ کو اس کے معتبر مصادر و مآخذ سے نکالنے میں انتھک محنت اور کوشش کرنے کو کہتے ہیں یہ چیز کسی عالم کیلئے اس وقت ممکن ہوتی ہے جب اسے شریعت اسلامی سے متعلق علوم پر عبور حاصل ہو۔

۳۔ فی زمانہ مجتہدین ان علماء کو کہا جاتا ہے جو احکام فرعیہ میں انسان مسلمان کیلئے روزمرہ درپیش مسائل کے حکم شرعی کو اس کے ادلہ تفصیلی سے استخراج کریں، دنیا میں عام طور پر اسے محقق کہا جاتا ہے صرف اہل تشیع کے ہاں ایک عرصے سے اسے مجتہد کہتے ہیں کسی مجتہد کے مذکورہ عمل کے مستحسن ہونے میں کسی کو بھی شک و تردید نہیں لیکن یہ دیکھنا ہوگا کہ کسی شخص کے اس درجے پر فائز ہونے کے بعد اس کیلئے کیا فوائد و عوائید ہوتے ہیں دنیا میں بعض جگہوں پر انہیں پر کشش مقام و منصب ملتا ہے بعض اوقات بعض جگہوں پر ایسے افراد مقام و منصب کو ٹھوکر

مارکر ایک بے داغ صاحب آراء ونظریات اور صاحب نظریہ رہنے کو پسند کرتے ہیں ایسی شخصیت درحقیقت ایک گیند جیسی صورتحال سے دوچار ہوتی ہے اسے لیجانے، ڈوبودینے یا قابو کرنے کیلئے بہت سے لوگ سبقت کرتے ہیں چنانچہ اسے حکومتیں وسرمایہ دار اور مختلف احزاب اپنے اپنے حلقے میں لیجانے کیلئے متحرک وکوشاں ہوتے ہیں اور بہت کم تعداد میں صاحبان ضمیر وجدان محققین ہر قسم کی پیش کش اور قیمت ضمیر فروشی اور شہرت کو مسترد کرتے ہوئے آزاد جینے اور آزاد مرنے کو ترجیح دیتے ہیں لیکن شیعہ مسلک میں ایک عرصے سے ایسے افراد کے حالات دوسرے مسلکوں اور قوموں میں موجود محققین سے مختلف ہوئے ہیں یہاں ایسے درجے پر فائز ہونے کے بعد جوش وجذبہ عیش ونوش اور حرص وہوس عام لوگوں کی بنسبت بہت بڑھ جاتی ہے اور وہ اپنے گھر میں آنے والے خریداروں کا استقبال کرتے ہیں اور اسے اپنی تحقیق کا ثمر ونتیجہ سمجھتے ہیں اس تحقیق واجتہاد کا ثمر کثیر الاختیارات واستحقاق قرار پاتا ہے۔

**سوال؟** بعض کا کہنا ہے کہ ہم نے فقہاء ومجتہدین کو بھی نہیں چھوڑا ہے جو کہ ہمارے دین کی اساس وبنیاد ہیں۔

**جواب :**

درحقیقت فقہاء ومجتہدین دین کی اساس نہیں بلکہ دین کے باغبان ہیں۔ ہمارے دین میں توحید ونبوت، معاد، قرآن حکیم، سنت رسولؐ، صوم وصلاۃ، حج وزکوٰۃ، امر بالمعروف ونہی از منکر ہے اور جو افراد ان اساسوں سے وابستگی نہیں رکھتے ہیں انھیں فقہاء ومجتہدین ہی جیسی اساس نظر آتی ہے جس طرح بعض کو اپنے بیٹے ہی یوسف نظر آتے ہیں۔

اگر کوئی چیز کسی چیز کی اساس وبنیاد ہو تو اس کا خیال وپاس رکھنا ضروری ہے، تاکہ اس کے آس پاس اسے گزند پہنچانے یا چرانے والا نہ آئے، کوئی نہیں کہتا کہ کسی چیز کو اساس تسلیم کرنے کے بعد اسے بھول جانا چاہیے، مجتہدین اگر بیان حکم اللہ پر اکتفاء کرتے تو کون ان کے بارے میں لب کشائی کرسکتا تھا، اگر مجتہدین دنیا بھر کے مسلمانوں یا شیعوں کی خاطر بیداری، ہوشیاری اور ذمہ داری سے کام کرتے تو کون ان سے شکایت کرتا، اس وقت وہ ہماری حالت زار پر پریشان ہونے کی بجائے اپنے لئے مقلدین کی تقسیم میں

ناانصافی اورزیادتی ہونے کارونارو تے ہیں اوراس وقت اس منطق کواٹھاتے ہیں کہ ایک مجتہد کے علاقے میں دوسرے مجتہدین کادفتر کھولنایا مقلدین بنانے کومسلمہ اصول کے خلاف قرار دیتے ہیں۔

نقص وعیب کی تحقیق اور تشہیر سے وہی لوگ خوفزدہ ہوتے ہیں جن کے ہاں خرابی پوشیدہ ہو کیونکہ اصلی چہرہ سامنے آجانے کی صورت میں تقدس باقی نہیں رہے گاان کے ہاں قدسیت پردے کے اوپر دکھاوے کے طور پر ہے اور پردے کے نیچے یادلوں میں قدسیت نامی کوئی چیز نہیں ہے اگراس مسئلے کو جڑ سے اٹھایا جاتا تو اس کی صفات وشرائط پہلے سے بہتر اور سب کیلئے واضح ہوجاتیں جس سے نہ انھیں کوئی پریشانی ہوتی نہ دیگرافرادکواورنہ ہی اعتراض کرنے والوں کوکوئی موقع ملتا کیونکہ اشکال و اعتراض اورشکوک وشبہات وہاں ہوتے ہیں جہاں کچھ چیزیں نہاں و پنہاں ہوتی ہیں۔

**سوال؟** بعض کاسوال ہے آپ خود مجتہد ہیں؟

**جواب :**

اس سوال سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہ کہاجائے کہ ''میں مجتہد ہوں'' تو اگلاسوال یہ ہوگا کہ آپ کو کس ادارے کی طرف سے اجازت نامہ حاصل ہے؟ ہم آپ کے اجتہادکونہیں مانتے، کیا آپ دوسروں سے زیادہ اعلم ہیں؟ اگرنہیں تو آپ کو دوسرے مجتہدین کے امور کے بارے میں دخل نہیں دیناچاہیے، مجتہدین کے بارے میں مجتہد ہی بات کرسکتا ہے لیکن اگرکہاجائے کہ مقلد ہیں تو کہتے ہیں آپ کو مجتہدین کے متعلق لب کشائی یعنی زبان کھولنے اور قلم اٹھانے کی اجازت نہیں بلکہ یہ ایک قسم کی جسارت، بغاوت اورحد سے زیادہ تجاوز ہے۔

ہردور کے مجتہدین کے واضح اختلافات کسی سے پوشیدہ نہیں چنانچہ شاہی نظام کا مقابلہ اورمزاحمت کرنے یانہ کرنے اور حکومت اسلامی کے قیام کے بارے میں آیات عظام نجف اشرف اورقم کے آیات عظام، حضرت امام خمینیؒ اور دیگرعلماء میں شدید اختلاف کسی شیعہ سے ڈھکی چھپی بات نہیں، آج بھی بعض فقہاء و مجتہدین فکروسیرت امام خمینیؒ کے خلاف کمربستہ ہیں، عیدفطر کے موقع پراپنی مرجعیت چمکانے کی خاطر ہر ایک مجتہد کی رویتِ ہلال کی مجلس قائم کی جاتی ہے تاکہ اپنے مقلدین کے ساتھ عید منانے کی بدترین اور مکروہ ترین اختلافی صورتحال پیدا کریں اور یہ ان کی نامعمول بن گیا ہے اور ہر مجتہد کا اپنے گروہ کا افطار کروانا،

دوسرے مجتہدین سے اختلاف کر کے روزہ کھلوانا کسی سے ڈھکا چھپا نہیں اور یہ چیزیں امت کے درمیان بے جا اختلاف پھیلانا نہیں تو کیا ہے؟

اگر ان مجتہدین سے ایسے اہم مسائل میں اختلاف قابل مواخذہ نہیں تو مولا امیر المومنینؑ اور ان کے مخالفین کے درمیان اختلاف نظر بھی اجتہادی غلطی قرار پائے گا لہٰذا مجتہدین بھی عام انسان ہیں یہ بھی ایک زاویے سے علم رکھتے ہیں تو دوسرے زاویے میں جاہل و انپڑھ ہوتے ہیں، ایک طرف خدا، رسول اور آخرت کا تصور ہے تو دوسری طرف مال و دولت، جاہ و مقام ہے ان پر بھی بیوی بچے، عزیز و اقارب اور قوم و قبیلہ اثر انداز ہوتے ہیں۔

یہی تقسیم اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تک کی ہے سوائے چند مخصوص ذوات کے جن کی شناخت بھی آسان نہیں، مجتہدین بھی نام نہاد افراد کے مشوروں کی زد میں رہتے ہیں اور آزاد بھی نہیں ہوتے اور انھیں بھی غلط مشورے دینے والے موجود ہوتے ہیں لہٰذا اس کی واضح مثال ان کے **مصلحتی فتاویٰ** کا ایک سلسلہ جسے اگر صفحۂ قرطاس پر لایا جائے تو آپ سر پکڑ کر لیں گے اگر اس کی اصلاح میں جلدی نہ کی گئی تو وہ کسی بھی وقت کہیں نہ کہیں سے سامنے آجائے گا جس کے بعد دین سوفسطائیت اور افسانے کی شکل اختیار کر جائے گا۔

اپنے نام پر مدرسے بنانے والے، شہریہ تقسیم کرتے وقت اپنے علاقے اور باہر سے آنے والوں میں فرق رکھتے ہیں اس کی تصدیق حوزات سے آنے والوں سے کی جاسکتی ہے کہ ایرنی اور غیر ایرانی میں فرق رکھا جاتا ہے یا نہیں! جس طرح آپ کے علاقے میں رہنے والے علماء گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں مثلاً :

۱)۔ اغنیاء پرست علماء۔

۲)۔ ٹرست و انجمن کمیٹی پرست علماء۔

۳)۔ حکمران پرست علماء،، ظالمین، فاسقین و منحرین کے حامی و مدافع علماء وغیرہ۔

اور اگر فقہاء و مجتہدین پر قریب و بعید سے نظر رکھنے والے لائق و شائستہ اور شریعت شناس لوگوں کو رسالہ عملیہ کی اصطلاح میں ''اہل خبرہ'' کہتے ہیں ان کی طرف سے مجتہدین کو ان کی خرابیوں اور اشتباہ و لغزش سے آگاہ نہ کیا گیا تو خرابیوں کے نچلے طبقوں تک پہنچنے کا خدشہ بڑھ جائے گا اور اس سے مجتہدین پر اثر انداز ہونے والے افراد کی حوصلہ افزائی ہوگی اور یہ معاملہ اگلے مرحلے میں داخل ہو جائے گا جس سے غلط فتاویٰ صادر ہوں گے اور قرآن و سنت سے فاصلہ مزید بڑھ جائے گا اسی طرح دلیل کی بجائے مصلحت شناسی

پراکتفاء کیاجائے گا جس سے مفاد پرستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے گا ہم اس سلسلے میں بعض مصلحتی فتویٰ کی چند مثالیں قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں :

۱)۔سیدہ کا نکاح غیر سید کیلئے ناجائز ہونے کا فتویٰ۔

۲)۔اقامہ وزنجیر زنی کا جائز ہونے کا فتویٰ۔

۳)۔محرم الحرام میں سیاہ لباس کی استحباب کا فتویٰ

۴)۔علم اور ذوالجناح کو شعائر اسلامی قرار دینے کا فتویٰ۔

۵)۔انتہائی ضعیف السند روایت حدیثِ کساء کی تلاوت کی توثیق وتائید کا فتویٰ۔

۶)۔اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے بے حجابی کے جائز ہونے کا فتویٰ

۷)۔سود اور رشوتوں سے جمع شدہ مال کا خمس نکالنے سے باقی مال حلال ہونے کا فتویٰ۔

۸)۔ضعیف السند روایات ہونے کے باوجود سابقہ فتواؤں کا جوں کا توں جاری رکھنا جیسے میقات سے پہلے نذر کر کے احرام باندھنے کا فتویٰ گویا ان کی نظر میں نذر کر کے احرام باندھنے اور میقات سے باندھنے کی حیثیت ایک ہے لیکن احرامِ میقاتی اور احرامِ نذری میں کون سا بہتر ہے اس کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

اگر فقہاء ومراجع کے امورات کی نگرانی کرنے یا مشورہ دینے والی تمام شخصیات کو نا قابل تشکیک، پاک دامن اور صفت عدالت وانصاف سے متصف مان لیا جائے تو یہ نابینا کو بینا، گونگے کو فصیح ،بدشکل کو یوسفِ زمان کہنے کے برابر ہوگا چنانچہ ان کی حرکات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں یہ روزانہ کتنوں کے سینے پر مکا رمار کر بھگاتے ہیں، کتنوں کو ذلیل وخوار کرتے ہیں، کتنا مال ودولت خُرد بُرد کرتے ہیں اور عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں اہل محلّہ ،اہل قریہ سے ڈھکی چھپی نہیں ۔اگر انھیں ان سب کی اجازت خود مرجع کی طرف سے حاصل ہے اور یہ سب کچھ ان کی اجازت سے ہو رہا ہے تو خلیفہ سوم کے مشیر ونگران مروان بن حکم اور ان کی خلافت پر انگلی کس دلیل وبنیاد پر اٹھائی جاتی ہے کس منہ خلیفہ سوم پر تنقید کرتے ہیں اور اگر یہ کام مرجع کے علم کے بغیر ہوتا ہے تو کیونکر وہ اندر کی ناانصافی سے غافل ہیں اور ان کے پاس ان کی حرکتوں کا کیا جواب ہے۔

**سوال؟**

آئمہؑ کے بعد مجتہدین کا مقام ہے، جب ایک معمولی انسان مجتہدین کے معاملات کو زیر بحث لائے گا تو اس سے شکوک وشبہات جنم لیں گے پھر دین کی کوئی چیز باقی نہیں بچے گی اور اگر دین نہ بچا تو کچھ بھی نہ رہے گا، اگر آج مجتہد پر سوال اٹھائیں گے تو کل امام کو نشانہ بنایا جائے گا پھر پیغمبرؐ پر اعتراضات اٹھائیں گے اس کے بعد اسلام کی باری آئے گی بالآخر خدا کے وجود سے بھی انکار کردیں گے۔

**جواب :**

درحقیقت یہ اعتراض نہ دین کو بچانے کیلئے ہے نہ نبی کو، کیونکہ دین اور نبی کی حفاظت کرنے والے ارتدادی ڈنڈا استعمال نہیں کرتے بلکہ قرآن وسنت سے استدلال کرتے ہیں، خداوند عالم کی یہ سنت رہی ہے کہ دین کی حقانیت کو بے جا آمریت واستبداد سے ثابت نہیں فرمایا، دنیا میں کوئی بھی چیز اس وقت تک مقدس نہیں اور نہ ہی سوال واستفسار سے بالاتر ہوسکتی ہے جب تک روز روشن کی طرح واضح اور ناقابل تردید نہ ہو کوئی بھی انسان واضح وعیاں چیز کو کسی بھی حوالے سے ردّ نہیں کرسکتا، اگر آپ کا مجتہد اور اس کی کارکردگی رفتار وگفتار روزِ روشن کی طرح عیاں اور ناقابل تردید حقیقت ہے تو ہمارے شکوک وشبہات آپ کیا کسی پر بھی اثر انداز نہیں ہوسکتے لیکن اگر کسی کیلئے مجتہد کالے بادل کی مانند ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے سورج بادل کے پیچھے ہے ہر وہ انسان جو دین ومذہب سے بالاتر وبرتر ہو اس کی نظر میں دین وشریعت کی کوئی حیثیت اور تقدس نہیں ہوتا اور نہ دین ووشریعت میں اس انسان کی کوئی قیمت ہے انسان کیلئے دین وشریعت مقدس اس وقت ہوسکتی ہے جب دین اس کیلئے سورج کی مانند روشن ہو۔

کسی کافر وملحد انسان کو بھی اعتراض اور سوال کرنے کی بنیاد پر نہ ڈانٹا جاسکتا ہے اور نہ اسے روکا جاسکتا ہے کیونکہ قرآن اور عقل کہتی ہے کہ خدا کے وجود کے بارے میں دلائل بالغہ موجود ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ملحد انسان کی عقل پر بھی وہ دلائل احاطہ کرسکتے ہیں اور اگر کسی کی عقل پر احاطہ نہ کریں تو وہ قابل رسائی نہیں اور جب قابل رسائی نہیں تو ثابت بھی نہیں ہوسکتے اور جب ثابت نہ ہوں تو حجت بھی نہیں ہیں اسی طرح اگر حجت نہیں ہیں تو وہ مقدس بھی نہیں رہتے۔

**سوال؟** جب کوئی خود مجتہد نہیں تو اس کا مجتہدین کے بارے میں بات کرنا درست نہیں؟

**جواب :**

یہ بات اپنی جگہ درست نہیں کیونکہ مجتہدین کی تقلید کرنے والوں کو اگر کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آئے تو وہ سوال کر کے ہی مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح نہ ماننے والے بھی کیوں، کیسے کہہ کر سوال کرتے ہیں اگر مجتہدین پاک ومنزہ اور نا قابل شک وتردید حقیقت ہیں تو ان کے بارے میں سوال کرنے سے ناراض ہونے کی کوئی منطق نہیں بنتی۔

اس سلسلے میں سوالات اٹھانے والے یہ عرض کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ آپ اپنے مذہب کے امتیاز میں فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو کیا یہ دروازہ گذشتہ زمانے والوں کیلئے تھا؟، صاحبان کتب اربعہ تک محدود تھا؟ کیا اجتہاد امت میں سے خاص طبقے کیلئے مخصوص ہے یا خاص علاقے کے لوگوں کو یہ حق حاصل ہے اور عام لوگوں کیلئے یہ دروازہ بند ہے یا ہمارے جیسے افراد پر بندش ہے جو کسی پر تنقید یا سوال نہیں کر سکتے؟ یا پھر اجتہاد کا دروازہ ہم سب کیلئے کھلا ہے؟

**سوال؟** بعض کہتے ہیں کہ اگر آپ کو مجتہدین کے بارے میں کوئی اعتراض ہے تو خود انہی سے آپ کو اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے، اعتراضات ان تک براہ راست پہنچانی چاہیے اور آپ کو ان سے کیا سروکار؟ لہٰذا یہ چیزیں عوام میں لانا اچھا اقدام نہیں کیونکہ دین میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے علاوہ اس کا کوئی اور فائدہ نظر نہیں آتا؟

**جواب :**

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے اور آپ درست فرماتے ہیں آپ کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا مجتہدین سے کوئی تعلق یا رشتہ نہیں ہے اسی لئے آپ سے ان کے بارے میں کوئی بات کرنا غلط ہے، ہم تو یہ سوچ کر بات کرر ہے تھے کہ آپ کا ان سے کوئی رشتہ ہے، ان کی پیروی کرتے ہیں اور انھیں اپنا مقتدیٰ وپیشوا تصور کرتے ہیں ان کے فتوؤں پر عمل پیرا ہیں، ان کی ہدایت کے منتظر رہتے ہیں، اپنے مال ودولت میں سے کچھ

حصہ نکال کر حقوق شرعی کے نام سے انھیں بھیجتے ہیں، انھیں اپنے امام کا نائب سمجھتے ہیں اور آپ کا ان تمام معاملات کے ذریعے ان سے تعلق ہے کیا آپ ان کے بارے میں صحیح طور پر جانتے بھی ہیں یا نہیں؟ البتہ جہاں تک ہم نے دیکھا اور سنا ہے کہ اکثر و بیشتر مجتہدین اپنی ذمہ داریوں پر کما حقہ عمل پیرا نہیں ہیں، وہ اس وقت امام کی نمائندگی یا نیابت کرنے کے سلسلے میں کوتاہی، سستی، حیلہ، مصلحت کوشی اور بہانہ تراشی کرتے ہیں لہٰذا قرآن وسنت کی روشنی میں ہر جاننے والے کا فرض بنتا ہے کہ وہ ضال وگمراہ کی ہدایت ورہنمائی کرے لہٰذا ہم آپ کو اس سلسلے میں اطلاع دے رہے ہیں، اگر ہمارے اعتراضات اور سوالات حقیقت پسندانہ ہیں تو آپ کا گمراہ لوگوں کے پیچھے رہنا جائز نہیں لیکن اگر ہم نے جھوٹ سے سہارا لیا ہے یا کسی پر تہمت باندھی ہے تو آپ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ حقیقت کو سامنے لائیں اور یہ واضح کر دیں کہ ہم نے جھوٹ بولا ہے، اگر آپ کہیں کہ ہم اس سلسلے میں تحقیق میں نہیں پڑنا چاہتے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ دین پر کار بند رہنا ہی پسند نہیں کرتے اور نہ امور کی اصلاح میں مخلص ہیں اگر آپ کا ان امور سے بالکل اجنبی اور لاتعلق رہنے کا اصرار ہے تو آپ سے یہی گزارش کی جاسکتی ہے کہ آپ ہماری کتابیں نہ پڑھیں، ہم نے اپنی کتابیں آپ کے گھر کے پتے پر نہیں بھیجیں تا کہ آپ کے گلے پڑ جائیں اور نہ آپ سے پڑھنے کی درخواست کی ہے بلکہ ہم سے کتابیں کتب فروشوں نے خریدی ہیں جہاں سے آپ نے لیں ہیں، ہمارے خیال میں ایسی کتابیں صرف وہی لوگ پڑھتے ہیں جو غلط وصحیح اور سیاہ وسفید کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

**سوال؟** بعض قارئین کرام جنہیں ہم علم وفکر کے حوالے سے بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کا نقطہ نظر ہے کہ یہ باتیں اپنی جگہ حقیقت پر مبنی ہیں ہمارے معاشرے میں ایسا ہی ہے لیکن یہ باتیں حکمت سے لوگوں تک پہنچانی چاہییں نہ کہ کتاب کی صورت میں اس کی تشہیر کی جائے کیونکہ اس طرح یہ باتیں ہمارے دشمنوں تک بھی پہنچتی ہیں؟

**جواب :**

جناب آپ کا یہ نقطہ نظر عقل اور عدل وانصاف کے توازن سے باہر ہے، اگر کسی شخص کا بیٹا جرائم پیشہ ہو تو باپ اُسے کب تک چھپا کر رکھ سکتا ہے؟ اسی طرح ان مسائل کو چھپانے میں ہماری مصلحت ہے یا معاشرے کی مصلحت یہ اپنی جگہ لیکن آپ اس حد تک تو متفق ہیں کہ معاشرے میں دین مسخ ہو رہا ہے خرافات پھیل رہی

ہیں لیکن پھر بھی آپ حقائق کو بیان کرنے کے خلاف ہیں، تشہیر کیے بغیر اس عمل کو روکنے کا کردار آپ خود ادا کریں یا ہمیں ایسی حکمت عملی سے آگاہ کریں کہ جس سے دین میں مداخلت اور نت نئی بدعت گزاری کا سلسلہ بند ہو سکے بزرگان اور مجتہدین ومراجع عظام کی نظر میں دشمن سے مراد اس وقت اہل سنت والجماعت کا گروہ ہے یہ مسلمین ہی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں تعجب ہے ان کی نظروں میں دنیائے کفر واستبداد کی اسلام کے خلاف تہمت تراشی پوشیدہ ہے یا اس پر انھیں کوئی درد والم نہیں؟۔

**سوال؟** ہمارے اوپر کئے جانے والے استفساراتِ حصری میں سے ایک یہ ہے کہ آپ مجتہد ہیں یا مقلد؟ مجتہد تو آپ ہو نہیں سکتے اس کیلئے درکار شرائط وصفات، اہلیت و قابلیت آپ میں موجود نہیں۔ مقلد ہیں تو آپ کو اپنے مراجع تقلید کے مقابل میں خاموش رہنا چاہیے یہی تقلید کا تقاضا ہے۔

**جواب :**

تقلید مادہ قلد سے ماخوذ ہے جس کے معنی گردن بند کے ہیں۔ اسی مناسبت سے ہر وہ چیز جو گردن میں آویزان کرتے ہیں تقلید کہلاتی ہے۔ یہاں سے جو حیوان حاجی منٰی میں لے جاتے ہیں اس کی گردن میں کوئی چیز نشانی کے طور پر لٹکاتے ہیں تا کہ پہچانا جائے کہ یہ حیوان مکے کیلئے ہے لیکن یہ کلمہ کسی کے قول وفعل کو بغیر دلیل قبول کرنے کے معنی میں کب اور کیسے اور کیونکر استعمال ہونا شروع ہوا، اس بارے میں تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمہ بھی بعض دیگر مصطلاحات اسلامی کی طرح بعض دیگر قرآن اور سنت سے اجنبی کلمے جیسا ہے اسے کب اور کس نے جنم دیا ہے معلوم نہیں یہ کلمہ بھی فرزندِ ناخلف دیگر اصطلاحات میں سے ہوگا کیونکہ کسی کلمے کو لغت سے نکال کر اصطلاحی بنانے کیلئے لغوی معنی سے ہم آہنگ بنانا ضروری ہے گویا اصطلاحی معنی میں ایک کلمہ اضافہ کر کے اصطلاحی معنی بن جاتا ہے جیسے

۱۔ صوم مطلق امساک کو کہتے ہیں جبکہ اسلام میں فجر سے غروب آفتاب تک نیت کے ساتھ امساک کرنا۔

۲۔ صلاۃ عام لغت میں دعا کو کہتے ہیں جبکہ اصطلاح شرعی میں مخصوص دعا کو کہتے ہیں جو ارکان مخصوصہ (قیام، رکوع، سجود) کے ضمن میں انجام دیے جاتے ہیں۔

۳۔ حج عام لغت میں قصدِ حج کو کہتے ہیں جبکہ اصطلاح میں (مکہ، عرفات ومنی) کے اعمال انجام دینے کو کہتے ہیں۔

علماء کی اصطلاح میں تقلید کسی غیر کے قول کو بغیر مطالبہ دلیل لینے کو کہتے ہیں جبکہ دونوں گروہ گمراہی کے راستے پر قائم ہیں کیونکہ کسی بھی آیت اور روایت میں معصوم یا غیر معصوم کے قول کو بغیر دلیل اپنانے کا حکم آیا ہے اور نہ ہی دلیل مطالبہ کرنے کا حق قرآن وسنت اور سیرت آئمہؑ کی روکوئی چھین سکتا ہے۔

بلکہ ''تقلید'' کا حربہ مسیحیوں کے مذہبی ترجمانوں نے اپنے ناقابل تفسیر وتوجیہ عقیدے کے بارے میں جاری سوالات واعتراضات کو روکنے کیلئے استعمال کیا ہے اور ان کے بعد مسلمانوں میں استبدادیا اربابِ آمریت نے اسے اپنے مفاد میں استعمال کیا ہے لیکن اسلام یا خاص طور پر شیعہ فرقے میں یہ دونوں کلمے (اجتہاد اور تقلید) کب سے اور کس نے استعمال کئے یہ دقیق معلوم نہیں، اس سلسلے میں مرحوم آیت اللہ مہدی شمس الدین فرماتے ہیں :

> زندگی کو الفاظی جھگڑے میں گزارنے سے گریز کرنے والوں اور حقائق میں مشغول رہنے کو پسند کرنے والوں نے اِسے (تقلید واجتہاد) برداشت کیا ہے لیکن بعض نے گذشت زمان کے ساتھ اسے بہت سی چادریں، خلعتیں، سہولتیں اور امتیازات عنایت کئے بعد میں ان دوکلمات نے باشعور، تلاشِ حقیقت کرنے کے خواہش مند افراد کے سر پر پڑنے والے عصا کی شکل اختیار کرلی جو کہ قرآن کریم کے سراسر منافی ہے کیونکہ ان کے استعمال کے بعد ہر قسم کے سوال واستفسار اور ان کی وضاحت ممنوع قرار پائی ہے۔

جو بھی فتویٰ قرآن عظیم اور سنت نبی کریمؐ سے مستند نہ ہو تو حسب فرمان رسول اللہؐ وآئمہ طاہرینؑ زخرف اور جھوٹ کا پلندہ ہے ایک عرصے سے ہمارے ہاں مجتہدین سے فتاویٰ صادر ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں جو ہوا میں غبار کی مانند اڑ رہے ہیں بعض مفاد پرست عناصر نے اسے نیچے سے ہوا دے کر فضاء میں رکھا ہوا ہے اور آج بھی مفاد پرست عناصر کیلئے فتویٰ لینا کوئی مشکل کام نہیں رہا ہے مجتہدین کی طرف سے قرآن اور سنت سے استناد کے بغیر بھوسے کے ٹیلے پر قائم بعض فتاویٰ کے نمونے پیش کرتے ہیں اگر تفصیل میں جائیں گے تو ضخیم کتابیں لکھنی پڑے گی۔

انہی اصطلاح کے تحت ایک گروہ قرآن اور سنت سے اعلانیہ منہ موڑتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم تو تقلید والے ہیں اس کے بالمقابل میں ایک اور گروہ کا کہنا ہے کہ ہم تو غیر معصوم کی تقلید ہی نہیں کرتے ہیں لیکن اسے تقلید کس نے اور کب سے شروع کیا اس کی درست تاریخ معلوم نہیں۔

ماضی پر اعتماد وانحصار کرنے والوں اور نئی تحقیق وتجدید کی کاوش کے خواہاں افراد کے درمیان جنگ وتراع کی تاریخ اتنی پرانی اور قدیم ہے کہ جتنا معاشرۂ انسانی قدیم ہے مشاہدات اور محسوسات کو حقیقت تغیر ناپذیر سمجھنے والوں کیلئے کوئی تبدیلی قابل قبول نہیں ہوگی جبکہ ان مشاہدات اور محسوسات کا پس منظر اور سبب تلاش کرنے والوں کا ان کے بارے میں کیوں اور کیسے کی زبان نہ کھول سکنا حبس بے جا تصور ہوگا گہری اور عمیق نگاہ سے دیکھنے والوں کے نزدیک دونوں ایک حقیقتِ ناگزیر ہیں ان میں سے کسی ایک پر انحصار کر کے دوسرے سے بے نیازی ممکن نہیں ہے جدیدیت نمائی اور جدت سرائی کر کے دین وشریعت کی اہانت اور جسارت اور اس کے کارآمد نہ ہونے کے بیانات کا مظاہرہ کرنے کی روایات اور سلف صالح کی پیروی کے نام سے ہر غلط اور خرافات کی محافظہ کاری اور ہر قسم کی اصلاح کی مخالفت انسانیت اور دین وشریعت کی راہ میں سد قائم کرنے کی مذموم قرار پانے والی کوشش جیسی ہوگی ،دونوں کے درمیان توازن کو برقرار رکھنا انسانی معاشرے کی سعادت ونیک بختی اور اتفاق وہم آہنگی کا سبب بنتا ہے۔

لیکن گروہ غلوسازوں کیلئے آپس میں توازن قائم رکھنا ان کے مفادات سے متصادم رہتا ہے لہٰذا وہ ہونے نہیں دیتے ہیں وہ یا تو ماضی کی تقدیس میں غلو گیرائی کرینگے یا جدیدیت کے غلو میں مصروف ہونگے۔ وہ اس معاملے میں انتہائی دقت اور باریک بینی اور منظّم ومربوط طریقے سے کام کرتے ہیں کبھی وہ قرآن کو تنہا اٹھاتے ہیں وہ بھی صرف تلاوت اور حفظ کی حد تک اٹھاتے ہیں ''س،ص،ض،ظ'' کے فرق میں چند صدیوں کی کلاس کا اعلان کرتے ہیں کبھی سنت کو تنہا اٹھاتے ہیں کبھی تنہا عقل کی بات کرتے ہیں کبھی اکیسویں صدی کی ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ مقابلہ کا نام لیتے ہیں کبھی سعادت دارین کی کنجی کو تقلید میں گردانتے ہیں جبکہ لغت میں تقلید قلادۂ گردن یا گردن میں ڈالے گئے پٹے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں کسی کے قول وفعل کو بغیر دلیل ماننے کو کہتے ہیں جو کہ مزاج شریعت کے خلاف ہے۔

یہ افراط وتفریط مصادر شرعیہ میں سے صرف ایک کو اٹھانے سے ہوتی ہے فقہاء مجتہدین دین شناس انسان ہمیشہ عملی میدان میں غیر ذمہ دار زندگی گزارنے کے عادی رہتے ہیں شریعت کے مصادر بتاتے وقت کہتے ہیں کہ ہمارے پاس شریعت کے تین (۳) مصادر ہیں قرآن ، حدیث اور عقل جبکہ میدانِ عمل میں ایک قرآن کو تنہا اٹھاتے ہوئے جولان کرتے ہیں جبکہ دوسرا سنت رسول ﷺ کہہ کر یا سنت معصوم کہتے ہوئے جولان کرتا ہے تیسرا ہر بات پر عقل کی بات کرتا ہے، قرآن اور سنت کی بات تو کرتا نہیں۔

کوئی انسان بروقت ان سے سوال کرنے پرٹوکنے کی ہمت وجرأت نہیں کرتا ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ معاشرہ ایک فرداور گروہ کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے دوسرے فریق کو پورے مقدرات ہاتھ سے چلے جانے کے بعد ہوش آتی ہے تو بتائیں وہاں دین کہاں رہ گیا؟

## تقلید کی بنیاد واساس : [1]

دین الٰہی ہمیشہ سے دواہم بنیادوں پر قائم ہے اوران کے سامنے خاضع وخاشع ہونے کا حکم دیتا ہے، بصورت دیگرایک دردناک عذاب کا مستحق قرار پانے میں جائے شک نہیں، ایک دین شناسی ہے اور دوسرا دین داری ہے دین شناسی میں دین کے تمام حصے شامل ہیں۔

اس کی پہلی تعلیم اصول وفروع سے کرتے ہیں، فروع کی بھی اپنی جگہ چندین اقسام ہیں اس کا ایک حصہ عبادات پر مشتمل ہے یعنی بندے کا خدا سے رابطہ کرنے کا ذریعہ ہے اس میں نماز، روزہ، حج، جہاد، امر با لمعروف ونہی از منکر آتا ہے یہ اپنی جگہ بہت سے مسائل رکھتا ہے ان کے ساتھ ہی بلکہ سب دلائل اکثر و بیشتر لفظی ونقلی تشریحات پر مشتمل ہیں لہٰذا ان کی سند اور متن کو سمجھنے کیلئے بہت کاوش کرنے کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے ہر شخص اس سے عہدہ برآ رہنے سے عاجز رہتا ہے لہٰذا علماء ومحققین نے اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کیلئے تین مفروضے قائم کئے ہیں:

۱)۔ انسان اس میں جہاں تک ممکن ہو، تحقیق کرے، ان مسائل کو ان کے دلائل اور براہین سے سمجھے تمام ابوابِ فقہ یا جتنا ان کیلئے ممکن ہو، ان پر عبور حاصل کرے، کاش اجتہاد میں رائج سنتی طور وطریقے اتنی عمومیت اور شمولیت کی شکل وصورت اختیار کریں جس طرح دنیا کے دیگر مسائل کی طرح زندگی کے ہر شعبے کیلئے ہر علاقے سے ایک الگ گروہ تحقیق کیلئے اٹھتا ہے اگر یہاں بھی ہر شعبے کیلئے ایک الگ گروہ تحقیق واجتہاد کیلئے اٹھتا تو ان کیلئے بھی آسان تھا اور یہ حقائق کشف ہونے میں بھی آسان ہو جاتا اور رفتہ رفتہ مسائل نظری کی مجہولات اپنی جگہ ضروریات میں تبدیل ہو جاتیں لیکن ابھی تک اس کے آثار نظر نہیں آتے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی طلسمی دیوار کھڑی ہے اس سے نکلا نہیں جا سکتا ہے۔

---

[1] [ کیہان اندیشہ ش ۶۱ ص ۴۴]

۲)۔ احتیاط کسی فعل کوانجام دینے یا ترک کرنے میں آیات وروایات یا فتاویٰ مجتہدین کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے لئے آسان وبہتر رضاوخوشنودی سے قریب کواپنانے کواحتیاط کہتے ہیں۔

۳)۔ تأسی اوراتباع :

ہر شخص جاہل وانپڑھ اورناشناس اپنی عبادات ومعاملات کی انجام دہی کیلئے ایک مجتہدومحقق عالم زمان کی تشخیص کرنے کے بعدانکے نظریات پرعمل کرنے کاعام طور پر دنیامیں رائج طریقہ اپناتے ہیں۔تیسرے مفروضے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم اگرفلاں عالم کی پیروی کر کے عمل کرینگےتوخداکےنزدیک تکلیف الٰہی سے عہدہ برآیابری الذمہ ہونگے۔

## تقلید،علم کی نزولی حرکت :

علم کی دوحرکت ہے : (۱)۔حرکت صعودی (۲)۔حرکت نزولی

۱۔ صعودی حرکت :

ہر چیز کی سندودلیل اوراس کی توسیع ونشر کرنے کی طرف ہونے والی حرکت کوحرکت صعودی کہتے ہیں اگر دنیامیں کوئی فرد،قوم اورملت اس علم کی جانب بڑھ رہی ہوتواسے حرکت صعودی پرقائم فرد،قوم وملت کہاجائے گا۔

۲۔ نزولی حرکت :

حرکت کےاس عمل میں سنداوردلیل کامطالبہ محدودہوگاجسکی اپنی جگہ کوئی منطق نہیں اس جانب بڑھنے والی حرکت کوحرکت نزولی کہاجاتاہے۔

۱)۔ اسلام نے جس علم کی طرف دعوت دی ہے وہ علم حرکت صعودی کی جانب گامزن رہناہےلیکن نبی کریمؐ کی وفات کے بعدقرآن کریم کے بارے میں عملی اقدام صرف اورصرف تلاوت اور حفظ تک محدودہونااوردین کومجموعی طور پرحدیث میں ضم کرناحرکت نزولی کی پہلی منزل ہے۔

۲)۔ احادیث کے نام سے ملنے والی باتوں کوان کی سند کی تحقیق کے بغیرجمع کرنے کاسلسلہ حرکت نزولی کی دوسری منزل ہے۔

۳)۔ کسی بھی حکم شرعی کی سندپیش کرنے کی بجائے اس کانتیجہ فتویٰ کے نام سے صادر کرناتیسری منزلِ نزولی ہے۔

۴)۔ کسی بھی مسئلے پر فتویٰ دینے کے بعد سائل سے ہر قسم کے سوال واستفسار کا حق چھیننا حرکت نزولی کی چوتھی منزل ہے۔

۵)۔ سائل سے کسی چیز کے بارے میں سوال واستفسار کا حق چھیننے کے بعد اپنے لئے بہت سے امتیازات واختیارات حاصل کرنا حرکت نزولی کی پانچویں منزل ہے۔

۶)۔ متعلقہ حلقے کے اس روش اور طریقہ کار پر اشکال واعتراض کرنے پر ارتداد یعنی مرتد ہونے کا حکم اور اس سے معاشرتی تعلقات ختم کرنا چھٹی منزلِ نزولی ہے۔ حرکت نزولی کی اس آخری منزل کے بعد انسانی علاقے کی حدود ختم ہوجاتی ہیں اور بہیمیت اور حیوانیت کی مملکت کی سرحد شروع ہوجاتی ہے جہاں مملکت کو چلانے کیلئے زیادہ افراد کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کئی چرواہوں کی ضرورت ہوتی ہے جنھیں اپنے حیوانات کو سنبھالنے کیلئے زبان میں سیٹی، ایک ہاتھ میں چھڑی اور دوسرے ہاتھ میں پتھر جبکہ کمر میں چھری کی ضرورت ہوتی ہے۔

**تقلید اور عادات ورسومات :**

ہر قوم وملت میں کچھ عادات ورسومات ان کے آباؤ اجداد سے بطور وراثت جاری وباقی ہیں ہر انسان اپنی قوم ونسل کی اپنی عادات ورسومات پر تربیت وپرورش کرتا ہے اور اسی انسان کو شریف اور حافظ وپاسدار آثار وباقیات آباؤ اجداد گردانا جاتا ہے یہ آثار وباقیات اگر عقل ومنطق اور وحی الٰہی کے مطابق نہ ہوں اور اخلاق فاضلہ کی ترجمانی نہ کرتے ہوں تو وہ خرافات وفرسودہ قرار پائیں گے۔

ان عادات ورسومات کے سائے میں پرورش پانے والا انسان ہمیشہ جمود وقیود اور بوسیدگی کا شکار رہتے ہوئے روبہ زوال ہوگا اور آخر میں وحشی ودرندہ صفت انسانوں جیسی زندگی گزارنے لگے گا اور معاشرہ اس سے بے چین وبے سکون اور نالاں وپریشان ہوگا ایسے لوگ ایک عمر طویل اسی ناپسندیدہ اور غیر شرعی انداز میں گزارتے ہیں اور پھر یہ سلسلہ نسل در نسل یوں ہی آگے بڑھتا رہتا ہے جہاں بہتری اور برتری نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی وہاں یاس اور ناامیدی اور بے حسی حاوی ہوگی وہاں عیش وعشرت اپنے خاندان کی وراثت اور اپنے علاقے کی قسمت سمجھیں گے۔ جسے دوسروں کیلئے شجرہ ممنوعہ تصور کریں گے۔ ان کو اس غیر آسودہ اور افسردہ صورتحال سے نکالنے اور سعادت ونیک بختی کی منزل تک لیجانے کے بارے میں لوگ چند گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان تمام عادات ورسومات وتقالید پر کاری ضرب لگائی جائے اوران کو اپنانے والوں کے خلاف ایک جنگ بے امان کا اعلان کیا جائے اور انہیں اس سلسلے میں سوچنے سمجھنے کا موقع نہ دیا جائے اوران سے ہر قسم کے مقابلہ ومذاحمت کی فرصت چھین لی جائے

۲۔ ایک دوسرے گروہ کا کہنا یوں ہے کہ ان تمام برائیوں میں برابر کے شریک ہوجائیں وہ کہتے ہیں ہم اندر رہ کر ہی اپنی بات پہنچا سکتے ہیں جیسا کہ آج کل مخلوط اور بے حجاب اجتماعات میں بعض عمامہ پوش یا مقنعہ پوش خواتین کہتی ہیں یا مجالس امام حسینؑ جہاں عزاداری امام حسینؑ کے نام سے غلو پھیلانے والے ہیں۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کسی نئے اور ایسے منصوبے پر عمل کریں کہ جس سے یہ عادات وتقالید از خود ختم ہوجائیں جیسا کہ دنیائے غرب، مسیح ویہود اور کفار ومشرکین نے دین اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ یہی رویہ اپنایا ہوا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم دین و مذہب کے خلاف نہیں ہیں بلکہ ہمارے خیال میں آپ کے دین میں اچھی اقدار موجود ہیں کیا کہنا آپ کے نبی وامام کا اور کیا کہنا آپ کے خلفاء کا ایک طرف سے وہ اس قسم کی تعریفیں کرتے ہیں اور دوسری طرف سے خدمت خلق، علاج معالجہ اور تعلیم وتربیت کے میدانوں سے اپنے تمام مذموم عزائم کو عملی جامہ پہناتے ہیں اور پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد مسلمان کہلانے والے یہی لوگ ان غیر مسلموں سے زیادہ تند وتیز لہجے میں دین سے مسخرہ پن اور استہزا کرتے دکھائی دیتے ہیں او ران میں سے ایک گروہ دین کے ہر جوڑ وگرہ کو کھولنے اور اسے توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ لوگ اسلام ومسلمین کے بارے میں منفی پروپیگنڈے اور شکوک وشبہات پھیلا کر لوگوں کو دین اور دیندار افراد سے دور کرتے ہیں یہ طریقہ ایک کامیاب وموثر طریقہ ہے لیکن لادینوں کیلئے چنانچہ مولا امیر المومنینؑ نے فرمایا :

''اور وہ شخص اس موقع سے فائدہ اٹھالیتا ہے جس کیلئے دین سدِ راہ نہیں ہوتا ہے'' [1]

لیکن دیندار مسلمان اصلاح کرنے والوں کو یہ طریقہ کہاں نصیب ہو کیونکہ وہ ایک طرف سے ہیرا پھیری،

---

[1] [وینتهز فرصتها من لاحریجة له فی الدین (نہج البلاغہ خطبہ ۴۱، جوادی ص ۹۵)]

لوٹ مار اور قتل و غارت گری سے مال و دولت جمع کرتے ہیں اور پھر اس ناجائز و حرام مال کو تعلیم و تربیت، ہسپتالوں اور خدمت خلق کے نام پر مذموم عزائم پر مشتمل منصوبوں کی تکمیل پر لگاتے ہیں اور ان کے گرویدہ و پیروکار مسلمانوں سے بھی مسلمانوں کے دینی اموال کو بھی اسی طرح کی تمام برائیوں میں خرچ کرواتے ہیں خوب مال و دولت سمیٹتے اور انکے معاون و مددگار بن کر ان کے اسلام و مسلمین دشمن منصوبوں کو کامیاب بناتے ہیں اور ان کی لائی ہوئی برائیوں کو پھیلاتے ہیں جبکہ دین اسلام کا حقیقی مصلح کسی صورت میں بھی اس غیر اسلامی و غیر شرعی راستے کو نہیں اپنا سکتا ہے۔

۴۔ کچھ افراد وہ ہیں کہ جنکے خیال میں آہستہ آہستہ اور غیر شعوری طور پر ان عادات و تقالید کو ختم کرنا چاہئے اور لوگوں کو اسلام پر لگائے گئے داغ و میل کی طرف حکمت و فراست کے ساتھ آگاہ کرنا چاہیے تا کہ آہستہ آہستہ برائیوں کا خاتمہ ہو اور اچھائی جاگزیں ہو جائے لیکن کیونکہ خرافات اور دیگر برائیاں پھیلانیوالے نہایت سرعت اور تیزی سے اپنے مذموم منصوبوں پر عمل پیرا ہیں اس لئے ان عادات و تقالید کو رفتہ رفتہ اور غیر شعوری طور پر ختم کرنے کا منصوبہ بری طرح نا کام ہوگا کیونکہ اس طریقے سے جہاں ایک طرف دو چار برائیاں ختم ہونے کی امید پیدا ہوگی وہاں دوسری طرف سے درجنوں خرافات اور برائیاں عام کی جا چکی ہوں گی ویسے بھی اس عمل سے دنوں، ہفتوں اور مہینوں میں تو چھوڑیں کئی سالوں میں بھی کسی کامیابی سے ہمکنار ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے لہٰذا بہت سے افراد اس بارے میں سرگرداں ہیں کہ وہ کس دروازے سے انسانی و اسلامی معاشرے سے برائی کا خاتمہ کریں، اسے فرسودگی سے نکالیں اور اچھی اور قابل رشک اقدار اس میں جاگزیں کریں کونسا طریقہ صحیح ہے کہ اسے اپنایا جائے، یہاں تمام مصلحین کو تیرو تار اور تاریک منزل، خطرناک گڑھے اور خاردار راستہ نظر آتا ہے یہاں یا تو طاقت و قدرت کے ذریعے ظلم و تشدد اور من گھڑت عقائد و نظریات کو رواج دینے والے کامیاب ہوتے ہیں یا وہ انسان جو معاشرے میں خرابیوں اور برائیوں کے خاتمے کیلئے منافقت و دورخی سے کنارہ کش رہتے ہوئے بغیر کسی امتیاز و ترجیح اپنی تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انسان کے ضمیر و وجدان کو ہلانے اور جھنجھوڑنے والی دعوت دینے کیلئے کمر بستہ ہوں اور اس سلسلے میں بلند و بالا پہاڑوں کو ہلانے والے آسیب اور مصائب و مشکلات میں

صبر وتحمل، پائے داری اور استقامت دکھائیں اور اس دنیا میں اپنی زحمتوں اور مصیبتوں کا اجر وصلہ ملنے اور اپنے عمل کے ثمرات کی توقع کی بجائے خدا سے امید رکھیں یہی لوگ دنیا و آخرت میں سرخرو اور کامیابی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں عادات وتقالید اور رسومات کو مختلف اور متعدد زاویوں سے اٹھانے کے بعد محکم اور دندان شکن دلائل سے مسترد کیا ہے:

۱)۔معاشرہ میں رائج عادات انپڑھ نادان وجاہل، عقل وشعور سے عاری لوگوں کی وراثت ہے اس پر عالم وعاقل کو نہیں چلنا چاہیے۔

۲)۔ہمیشہ سے انبیاءؑ اور مصلحین کا راستہ روکنے والے ان عادات اور رسومات کے محافظ و پاسدار و مستفید ہونے والے ہیں۔

۳)۔ان عادات وتقالید ورسومات کے حامیوں سے اس کی حجت اور اچھائی کیلئے دلائل کا مطالبہ کرو۔

۴)۔خود کوئی چیز پیش کرتے وقت دلیل وبرہان سے پیش آؤ۔

۵)۔کسی قسم کے سوال واستفسار کرنے والوں کو مت ڈانٹو، مت جھڑکو۔

۶)۔سوال ہمیشہ عقل علم ودانش سے ہی کرو۔

۷۔ اس مذہب میں اپنے مدعا پر دلائل اسقدر فراوان ہیں کہ استعمال دلیل میں اسراف نہیں ہے۔

## تقلید کی تاریخ :

لوگوں کیلئے مطالبۂ دلیل پر پابندی عائد کرنے اور اسے خلافِ دین ودیانت یا دین سے بغاوت قرار دینے کا سلسلہ علمائے یہود سے شروع ہوا ہے۔علمائے یہود نے لوگوں سے یہ حق اس لئے چھینا ہے تا کہ وہ ان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں اور اس ذریعے سے ناجائز مال ودولت بنائیں علمائے یہود حسبِ تعبیر قرآن لوگوں سے ناجائز طور پر مال وصول کرتے تھے جن ناموں سے لوگوں سے مال وصول کرتے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔عدالت گاہوں میں قضاوت پر رشوت لیتے تھے اور فیصلہ رشوت کے طور پر کرتے تھے جو کہ حرام ہے

۲۔ لوگوں سے سود لیتے تھے جو کہ شریعتِ آسمانی میں حرام ہے۔

۳۔ لوگوں سے نذورات وصول کرتے تھے۔

۴۔انبیاءؑ اور صالحین کی قبور کیلئے موقوفات بنا کر اسے اپنی تحویل میں لیتے تھے۔

۵۔لوگوں کے گناہوں کو بخشوانے کیلئے مغفرت کی سند فروخت کرتے تھے۔

۶۔ دعا اور شفاعت کے نام سے پیسہ لیتے تھے۔

۷۔حکمِ خدا میں تبدیلی: حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتے تھے تا کہ بادشاہ، امراء اور حکام کو خوش کریں، اس سلسلے میں سورۂ انعام کی آیت ۹۱ میں ذکر آیا ہے :

﴿تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا﴾ ''دکھاتے ہو اس کا (کچھ حصہ) اور چھپا جاتے ہو بہت کچھ''۔

۸۔ یہود اپنے علاوہ دیگر تمام لوگوں سے مال کھینچتے، چاہے خیانت، چوری اور دھوکہ دہی سے ہی کیوں نہ ہو اسے جائز سمجھتے تھے، سورۂ آلِ عمران کی آیت ۵ میں ذکر آیا ہے :

﴿اِنَّ اللهَ لَايَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَافِي السَّمَآءِ﴾ ''بے شک اللہ وہ ہے کہ نہیں پوشیدہ اس سے کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں''۔

۹۔ زمانِ رسالتِ پیغمبر اسلامؐ میں یہود و نصاریٰ نے دینِ اسلام اور پیغمبرؐ کی پیروی کرنے سے روکنے کیلئے آپؐ کی نبوت کو مشکوک بنانے کا فیصلہ کیا، عقیدے میں اشکال پیدا کرنے اور قرآنی آیات کو جھٹلانے کیلئے وہ مال وصول کرتے تھے۔

کیونکہ یہ سب بغیر کسی دلیل و برہان کے تھے لہٰذا یہ ان کے بارے میں دلیل کا مطالبہ کرنے سے لوگوں کو روکتے تھے اور تقلید کو ان پر ٹھونستے تھے۔ وہ اس حوالے سے مالِ کثیر جمع کر کے ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔ ان کے اس عمل کے بارے میں سورۂ توبہ کی آیات ۳۴، ۳۵ نازل ہوئیں :

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَايُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ﴾ ''اور جو لوگ سونا اور چاندی ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ جس روز وہ مال آتش جہنم میں تپایا جائے گا اور اسی سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پشتیں داغی جائیں گی یہ ہے وہ مال جو تم نے اپنے

لئے ذخیرہ کر رکھا تھا لہٰذا اب اسے چکھو جسے تم جمع کرتے تھے"۔

یہ تقلید کا تاریخی پس منظر تھا جس چیز کے سابق زمانے میں سر سے پیر تک باطل ہونے کی قرآنِ کریم نے شدت سے مذمت کی ہے اب وہ عمل گذشتِ زمان کے بعد خود اس مذہب کے ان گروہوں کے نزدیک اتنی شدت اختیار کر چکا ہے کہ اب وہ کسی آیت قرآن اور روایت، سیرت معصومینؑ کو انتہائی سادگی اور آسانی سے مسترد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو مجتہدین عظام کی تقلید کرتے ہیں بلکہ اپنا تعارف ہی اس طرح سے کرتے ہیں کہ ہم تو تقلید والے ہیں اگر ان سے کسی بڑے سے بڑے مجتہد کا فتویٰ پیش کریں تو کہتے ہیں کہ ہم تو فلاں کی تقلید کرتے ہیں اس طرح وہ آسانی سے قرآن اور سنتِ رسولؐ کو مسترد کرتے ہیں اب ان میں اور گذشتہ تقلیدی قوموں میں چندان فرق نہیں تقلید دین کا جزو حصہ یا عینِ دین کیسے بن سکتا ہے؟ لہٰذا اصحابِ آئمہؑ نے آئمہؑ سے ایک شبہ کے بارے میں پوچھا کہ خداوند عالم نے جس کام کی وجہ سے علماء کی پیروی کرنے پر قوم یہود و نصاریٰ کی مذمت کی ہے وہ کام اس اُمت میں کیسے واجب ہو گیا ہے۔

اہل قرآن کو اپنے فریقِ مقابل سے مطالبۂ دلیل کرنے کی تلقین کی ہے کیونکہ قرآن نے انہیں سیدھے راستے پر قائم کیا ہے جو شخص ایک ذاتِ بے نیاز سے ہدایت یافتہ ہوا سے حق ہے کہ ہر اس انسان سے جو اپنی طرف دعوت دیتا ہو اس سے مطالبۂ دلیل کرے ہمارے اسلافِ صالح اس حکمِ قرآنی کے پابند تھے انہوں نے ہمیشہ ہر داعی سے مطالبۂ دلیل کیا لہٰذا وہ ضلالت و گمراہی سے محفوظ رہے۔

## فقہ :

ایک مسلمان کی زندگی میں دو قسم کے ارتباط قائم رہتے ہیں ایک اس کا خدا سے رابطہ ہے کہ جس نے اسے پیدا کیا اور دوسرا اس کا اپنے جیسے ہم نوع دیگر انسانوں سے رابطہ ہے ان دونوں رابطوں کے بارے میں موجود اصول وضوابط کو فقہ کہتے ہیں۔ اس میں خدا کی عبادت و بندگی، نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، انفاق وغیرہ کے احکام آتے ہیں اسی طرح لوگوں سے متعلق امور جیسے جہاد، امر بالمعروف و نہی از منکر، خرید و فروخت، رہن واجارہ وغیرہ آتے ہیں پیغمبر اسلامؐ کی حیاتِ طیبہ کے دوران مسلمان ان دونوں رابطوں کے بارے میں خدا کی طرف سے بیان کردہ احکام و مقررات پر قرآن کریم کی آیات سے یا خود پیغمبر اسلامؐ سے سوال کر کے عمل کرتے تھے لیکن پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں کو درپیش مسائل میں اصحابِ برجستہ، صفِ مقدم، عالم و دانا، حافظِ آیات و روایات سے استفسار کرتے تھے۔

علماء فقہ کے بعد جب کلمہ مجتہد کے ساتھ کلمہ تقلید کا رواج ہوا، یہ کلمہ بھی حسبِ تصریح علماء مزاجِ شریعت کے منافی ہے کیونکہ بسا اوقات انسان کے شعور کو جامد کر دیتی ہے امیر المومنین علیؑ ایسی پیروی کرنے والوں کی مذمت میں فرماتے ہیں :

''عوام الناس کا وہ گروہ جو ہر آواز کے پیچھے چل پڑتا ہے اور ہر ہوا کے ساتھ لہرانے لگتا ہے''۔ ؎۱

''تم ایک عورت کی سپاہ اور ایک چوپائے کے تابع تھے۔ وہ بلبلایا تو تم لبیک کہتے ہوئے بڑھے اور وہ زخمی ہوا تو بھاگ کھڑے ہوئے''۔ ؎۲

یقیناً جب کوئی شخص کسی حکم شرعی کو بغیر استنادِ آیہ قرآن اور سنتِ رسولؐ بیان کرے گا تو سوال واستفسار ہوگا یہاں سے سوال واستفسار کے ریلے کو روکنے کیلئے ''تقلید'' کا حربہ استعمال کیا گیا۔ یہ کلمہ قدیم زمانے میں مشرکین استعمال کرتے تھے :

﴿ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴾ ''اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ آؤ اس کی طرف جو نازل کیا ہے اللہ نے اور رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں کہ کافی ہے ہم کو وہ کہ پایا ہے ہم نے جس پر اپنے آبا وٴ اجداد کو بھلا اگر چہ ان کے آبا وٴ اجداد نہ رکھتے ہوں علم ذرا بھی اور نہ ہدایت یافتہ ہوں'' (مائدہ ۱۰۴)

ہمارے ہاں جس تقلید کا چرچا ہے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہمارے آئمہؑ نے ہمیں ان فقہاء و مجتہدین کی طرف برگشت کرایا ہے حالانکہ کسی مجتہد نے اس راویت کی توثیق نہیں کی ہے، تمام مجتہدین اور فقہاء نے تقلید کیلئے سیرت عقلا کو دلیل قرار دیا ہے یعنی ہر جاہل و نادان کو عالم و دانا کی طرف سے رجوع کرنا چاہیے لہٰذا کوئی بھی عالم و دانا اور امین ہو تو اس کی تقلید کی جائے لیکن ہمارے اجتماع میں خطیب و مبلغ بن کر آنے والے قرآن کریم اور سنت رسول اللہ کی تعلیمات سے اُمی صفت علمائے کرام لوگوں کو سیرت عقلا جیسی

---

؎۱ [وهمج رعاع اتباع كل ناعق يميلون مع كل ريح (نہج البلاغہ کلمات قصار ۱۴۷، جوادی، ص ۶۸۳)]

؎۲ [كنتم جند المراة واتباع البهيمة رعا فاجبتم وعقر فهربتم (نہج البلاغہ خ ۱۳ ترجمہ مفتی جعفر)]

دلیل پیش کرنے سے نابلد ہوتے ہیں لہٰذا یہ ضعیف حدیث پیش کر کے عوام الناس کو خاموش کراتے ہیں اور یہی حضرات جواب میں سر ہلانے، مسخرہ واستہزاء کرنے، عصائے ارتداد مارنے اور بے دین وجاہل کہہ کر نظرانداز کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔

اسے شرعی بنانے کے بعد اس پر مرتب ہونے والے دیگر مسائل کے بارے میں یعنی تقلید کے نہ ماننے والوں کے ردِ عمل میں جن کی تقلید کی جائے ان کی شرائط وغیرہ بیان کی ہیں جس کیلئے انہیں ضعیف وغیر مستند احادیث سے تمسک کرنا پڑا ہے جس کی مثال ایسی ہے کہ پانی میں غرق ہونے والا انسان ہر چیز کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اسے پکڑنے اور تمسک کرنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح انہوں نے بھی تمسک کا یہی طریقہ اپنایا ہے لیکن علماء اور فقہاء اس مرحلے میں دو راستے انتخاب کرنے پر مجبور ہیں جبکہ عملی میدان میں اسی طریقہ کار کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور انہی فتوؤں کو مزید اضافے کے ساتھ جاری وساری رکھا جاتا ہے انہیں اپنی بحث وتحقیق کے میدان میں دوسرا راستہ اپنانا پڑا ہے کہ یہ باب جس شرعی دلیل پر استوار ہے وہ سب مخدوش اور بوسیدہ بنیاد پر قائم ہے چنانچہ عروۃ الوثقیٰ جلد ا صفحہ ۱۰۸ تک ہر مسئلے کی دلیل کو ضعیف وناتوان قرار دیا گیا ہے لیکن عمل کیلئے انہیں جوں کا توں رکھا گیا ہے۔

حوزات علمیہ میں ہمیشہ سے فقہاء کا ایک ایسا گروہ بھی رہا ہے جو ''موجودہ حالات کے تحت جو کچھ بھی ہوتا ہے'' اس کا محافظ وپاسدار بن جاتا ہے، یہ گروہ معاشرے میں رائج کسی بھی قسم کی خرابی یا برائی پر نقد وتنقید سے گریز کرتا ہے ان کی نظر میں جس طرح دین کے معاملات چل رہے ہیں وہی غنیمت ہے کیونکہ انھیں اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ اگر عوام کو کچھ کہیں گے تو وہ رہے سہے دین کو بھی چھوڑ دیں گے، اس گروہ کے سامنے بہت سی خرافات بالائے منبر بولی جاتی ہیں لیکن وہ نہ اس سے ٹوکتے ہیں اور روکتے ہیں جبکہ بعض علماء اسی کیفیت کو سند سمجھ بیٹھے ہیں اور یہ تصور کرنے لگتے ہیں کہ فلاں مرجع کے سامنے فلاں بات کی گئی جس سے انہوں نے نہیں روکا ہے گویا اس گروہ کے نزدیک مجتہد بھی نبی جیسا ہے یعنی مجتہد خاموش رہے تو ان کے سامنے کہی جانے والی بات حجت بن جاتی ہے جبکہ ہمارے مذہب میں ایسا نہیں ہے۔

## حالات کو جوں کا توں رہنے دیا جائے :

ہمارے بعض علمائے اعلام اور فقہائے عظام کا خیال ہے دین ومکتب کی بقاء ان کی دور اندیشی، مصلحت شناسی اور حقائق سے چشم پوشی سے ہے اور ان کے خیال میں انہی کے طفیل سے دین ومکتب اب تک قائم و

دائم ہے، جس طرح ماہر طبیب بعض مریضوں کو انتہائی نگہداشت کی جگہ پر رکھتے ہیں اسی طرح انہوں نے خرافات اور جعلیات کو حقیقی دین کی جگہ پر رائج کرنے کو وقت کی مصلحت وتقاضا قرار دے کر دین کو انتہائی نگہداشت میں رکھا ہے، ان کی نظر میں دین ومکتب اس لڑکی کی مانند ہے جو شکل وصورت کے حوالے سے بد صورت ہے اور بڑی مشکل سے کسی کے ساتھ اس کا عقد ہوا ہے لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی لہٰذا ایسی صورتحال میں اگر لڑکی والے لڑکے والوں سے کسی بھی مسئلے پر اختلاف کریں یا ان کی ناجائز شرائط نہ مان کر انھیں بہانہ تراشی کا موقع فراہم کریں گے تو یہ شادی رخصتی سے پہلے ہی ختم ہو جائے گی اسی طرح ان کے پاس بھی جو دین ومکتب ہے وہ بے بنیاد من گھڑت، جھوٹے افکار ونظریات اور جھوٹے قصے کہانیوں پر قائم ہیں چنانچہ دین ومکتب کے دیگر خدوخال لوگوں کو دکھانے کی شدید مخالفت کرتے ہیں اور اسی خاطر انھوں نے اسے مصلحت اور دور اندیشی سے ابھی تک نگہداشت کے خانوں میں چھپا رکھا ہے۔

لیکن الحمدللہ ہمیں قرآن وسنت سے جو دین ومکتب ملا ہے وہ اس جیسا نہیں جو انھوں نے سمجھ رکھا ہے کیونکہ دین اسلام واضح دلائل و براہین کا حامل ہونے کی وجہ سے پائیدار و مستحکم ہے، بلند وبالا پہاڑوں کی بنیادیں تو اپنی جگہ سے ہل سکتی ہیں مگر ہمارے مذہب کی بنیادیں کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں متزلزل نہیں ہو سکتیں، اس کے واضح وروشن اور حسین وجمیل خدوخال سورج کی آب وتاب کی مانند اپنے حسن وجمال کی خود دلیل ہیں، اگر اس دین ومذہب اور لوگوں کے درمیان کوئی سیاہ بادل پردہ یا حجاب ہے تو وہ ایک وہمیات، خیالات ہیں، مذہب کو خیر باد کہنے سے نہ خداوند متعال کو کوئی نقصان وخسارہ پہنچتا ہے اور نہ ہی قرآن وسنت اور سیرت معصومینؑ سے ملنے والے دین ومکتب کی خرابی وخامی کی دلیل ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں جو بھی انسان کسی بھی وجہ سے حقیقی دین سے روگردانی کرے گا اسے بغاوت کے صلہ میں عذاب جہنم کا مزہ چکھنا پڑے گا حضرت نوح سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور تک بت پرستی پھیلی اور حضرت عیسیٰؑ سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے چھ سو (۶۰۰) سالوں میں کفر وشرک کو فروغ ملا لیکن اس سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو کوئی ضرر پہنچا اور نہ ہی دین ومکتب کی فکری بنیادوں کو۔

جہاں تک دوسرا سوال ''مقلد ہونے'' کا تعلق ہے تو کسی مجتہد کی تقلید کرنے کے بعد مجتہد کے گروہ ودستگاہ کے سامنے گونگا، بہرہ اور اندھا بننے والی تقلید اسلام میں روز اول سے ہی ممنوع اور مذموم قرار پائی ہے جس پر آیات قرآنی اور روایاتِ متواترہ شاہد ہیں تاہم تقلید کا ایسا تصور مشرکین، کافرین اور باطل مذاہب کے ہاں

رائج ہے چنانچہ علماء نے دین میں اس قسم کی تقلید کے وجود کو رد کیا ہے لیکن لوگوں میں رائج تقلید کی نوعیت کو مشرکین نے تقلید کے مترادف قرار دیا ہے تاہم ابتداء میں جس تقلید کا تعارف کرایا گیا وہ پیروی وتأسی ہے لیکن اس بارے میں متعارف کرائی جانے والی تقلید و پیروی جس میں ہر زاویئے سے تحقیق کر کے مسائل کے بارے میں صحیح اور لائق مرجع قرار پانے کے بعد ان کی طرف رجوع کرنے کا جواز ملتا ہے تاہم اس کے تحت یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ زندگی کیلئے درپیش تمام مسائل میں ان کے افکار و نظریات سے زرہ برابر انحراف یا روگردانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ ایسا تصور کرنا بھی اس سلسلے میں نا قابل معاف غلو ہوگا۔

اگر کوئی شخص مقلد ہے تب بھی اسے اپنے مجتہد و مرجع کے بارے میں ہر قسم کے شکوک وشبہات اٹھانے کا حق ہے کیونکہ ہمارے ہاں مجتہدین کی تقلید کا تعارف ان کے رسالہ عملیہ میں علم کے حامل ہونے اور خواہشاتِ نفس سے پاک ہونے کے حوالے سے کرایا جاتا ہے یہ تعارف تو ان کے فتاویٰ کے متعلق ہے نہ کہ خود ذاتِ مجتہد کے بارے میں لہٰذا اس قسم کی تحقیق کرنا اور سوال اٹھانے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے کہ فلاں مجتہد یا مرجع کتنے علم کا حامل ہے؟ کس حد تک عدالت سے کام لیتا ہے؟ اور کس حد تک ذمہ داری اور امانتداری کے درجے پر فائز ہے؟ کسی سے متأثر ہے یا آزاد انسان ہے؟۔ اپنی تمام شرعی ذمہ درایوں سے بخوبی آگاہ اور انجام دہی میں مخلص ہے یا کوتاہی کرتے ہیں؟ ان کے گرد و پیش میں کون لوگ ہیں؟ یہ تمام سوالات صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب اور ضروری ہیں۔

ان امور کو مدنظر رکھے بغیر کسی کی تقلید کرنا مشرکین کا شیوہ وطریقہ ہے جسے قرآن کریم کی متعدد آیات میں مسترد کیا گیا ہے جس چیز کو آپ شرعی تقلید قرار دیتے ہیں وہ قرآن کی آیات سے متصادم ہے لہٰذا قرآن کی مسترد کردہ، ممنوعہ تقلید کو کیسے پیش کیا جاسکتا ہے جسے فقہی زبان میں تدلیس و تلبیس کہا جاتا ہے یعنی بتایا کچھ اور جائے اور پیش کسی اور چیز کو کیا جائے لہٰذا اسے مافوق سوال و اعتراض قرار دیا جانا درحقیقت نبوت و امامت سے مافوق قرار دینے کے مترادف ہوگا۔ اس طرز فکر اور عملی سیرت نے مذہب کو جس دہانے پر پہنچایا ہے اس سے برے اور نا قابل جبران اثرات مرتب ہونگے جسے فکر و سوچ کا حتمی نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

## اجتہاد کی اقسام اور اجتہادِ بیانی :

۱)۔ متن حدیث ثابت کرنے میں کہ یہ حدیث پیغمبرؐ یا امام سے مروی ہے یا نہیں۔
۲)۔ حدیث کے راوی، جس نے یہ حدیث نقل کی ہے وہ معتبر ہے یا نہیں۔
۳)۔ راوی کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کے اصول وضوابط کے بارے میں اجتہاد۔
۴)۔ یہ حدیث ادلۂ مسلماتِ عقل سے موافق ہے یا نہیں۔
۵)۔ یہ حدیث آیات قرآنی کے موافق ہے یا مخالف۔
۶)۔ یہ حدیث عنوانِ بیانِ شریعت کیلئے ہے یا وقتی اور ہنگامی حالات کے علاج ومعالجہ کیلئے ہے۔
۷)۔ قرآن وسنت سے باہر حالات اور تقاضے کے تحت مزاج شریعت سے حکمِ شریعت کو استنباط کرنا۔
۸)۔ اصول مسلماتِ شرعی کی روشنی میں فتویٰ دینا۔

## اُمور دین میں اقسام مرجعیت :

آیت اللہ محمد حسین فضل اللہ فرماتے ہیں ہمارے ہاں مرجعیت کی دو قسمیں ہیں :

### ۱)۔ مرجعیت فتویٰ :

عوام مسائلِ شرعی میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اس حوالے سے یہاں رجوع ثقافتی وعلمی ہے مرجع میں صرف اجتہادی صلاحیت کا ہونا کافی ہے جس کے ذریعے وہ حکمِ شرعی کو اس کے تفصیلی دلائل سے استنباط کر سکے۔

### ۲)۔ مرجعیتِ عمومی :

آجکل لوگ زندگی کو لاحق تمام مسائل چاہے وہ سیاسی، اجتماعی، امن وعامہ یا مسائل شرعی ہوں سب میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں لہٰذا پہلی قسم کی مرجعیت کے حامل فقہاء ومجتہدین کے پاس اس وقت مسلمانوں کو درپیش روزگار ومسائل کے بارے میں معلومات نہیں رکھتے لہٰذا وہ اس سلسلے میں بہت سے مسائل کا جواب نہیں دے سکتے ہیں کیونکہ بعض جگہ پر فتویٰ دینے کیلئے دورِ حاضر کے اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی مسائل سے واقف ہونے کی ضرورت ہے لہٰذا ہمارا اعتقاد ہے کہ جو تصور مرجعیت کے بارے میں سابق زمانے میں تھا وہ آج کی ضروریات کو پورا نہیں کرتا بلکہ آج کی ضروریات سابقہ مرجعیت کے احاطے سے باہر نکل چکی

ہیں اس وقت کے مرجع کا فقہ واصول کے علاوہ اپنے زمانے کے حالات سے بھی واقف ہونا ضروری ہے اس سے بیشتر فقیہ کو قرآن سے بھی آشنا ہونا ضروری ہے جس فقیہ کے پاس قرآنی معلومات نہیں ہیں، وہ صحیح معنوں میں اجتہاد نہیں کرسکتا' اجتہاد کتاب وسنت پر قائم ہے' اگر وہ صرف چند آیات احکام اور علم اصول سے واقف ہے تو وہ مزاجِ کلام اللہ کو نہیں سمجھ سکتا۔

اجماع اور شہرت دونوں ایک خبر کی کشف ورہنمائی کرتے ہیں خود خبر نہیں ہیں یہ دونوں اجتہاد کیلئے وسیلہ ہیں کبھی فقہاء اس سے تمسک کرتے ہیں اور اپنی جگہ موٴقف کے دفاع کیلئے استقلال کرتے ہیں لیکن دونوں دلیل حکمِ شرعی نہیں بن سکتے ہیں۔

## گذشتہ را، صلوات آئندہ را احتیاط :

اُمت اسلامی نے شریعت اسلام سے قریب ہونے کیلئے جن ذوات پاک سے متوسل ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے وہ سب اس وقت میدانِ عمل سے غائب ہیں چاہے آئمہ معصومینؑ ہوں، صحابہ کرام یا فقہاء برجستہ اسلام سب گذر گئے ہیں اس وقت مسلمانوں کے پاس موجود دین ومذہب کی شکل خرافات' فرسودگی' متضاد و متناقض ہے اگر یہ سب غلط ٹھہرائے گئے تو اصل دین باطل ہوگا اگر سب کو صحیح گردانیں گے تو مذہب فسطائیت ہوگا۔

اگر ایک فریق ایک مذہب کو خودساختہ گھڑا ہوا پیش کرے اور دوسرے کو صحیح گردانے تو امت میں انتشار و افتراق ہوگا، اس وقت عرب والے اسلام و مسلمین کی تمام مصیبت ومشکلات کو ایرانیوں (اہل فارس) کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہب کی شکل وصورت کو مجوسیوں اور ایرانیوں نے بگاڑا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے تمام متون تفسیر وروایت ایرانیوں کی ہے اگر مذہب کی بگاڑ میں ان کا ہاتھ ہے تو ان سب کو غلط ماننا پڑے گا لیکن دوسرے جانب اگر اسلام کو بچانے کا سہرا ایرانیوں کے سر پر رکھیں گے جیسا کہ بعض مصنفین، موٴلفین اور مورخ نگار ان وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے ہیں کہ اسلام کی صحیح خدمت صرف ایرانیوں نے کی ہے اگر ایسا ہے تو ایران میں اسلام آنے سے پہلے جس اسلام کو جزیرۃ العرب میں راسخ کرنے والوں نے نبی کریمؐ کی قیادت میں اس خطہ سے کفر وشرک کا خاتمہ کیا تھا اس کا سہرا کس کے سر پر ہوگا لیکن اب اسلام' قرآن' نبی کریم اور اصحاب برجستہ ووفادار کی زحمتوں اور کاوشوں کو نظر انداز کر کے عرب نعرہ بلند کرتے ہوئے کہتے نظر آتے ہیں کہ اسلام کو فروغ دینے والے عرب ہیں تو کبھی ایرانی (اہل

فارس) کہتے ہیں کہ اسلام کوفروغ ہم نے دیا ہے۔ اسلام کے فروغ میں دونوں کا کردار ہے یا عربوں کا مرہونِ منت ہے یا اہل فارس کی۔

**فقیہ :**

سابق زمانے میں لفظِ فقیہ اس انسان کیلئے استعمال کرتے تھے جس کے پاس ایک ایسی طاقت وملکہ ہوتی ہے جس کو بروئے کارلاکر وہ احکامِ شرعیہ کوادلۂ شرعیہ سے استنباط کرسکتے تھے۔اس وقت فقیہ اور مجتہد دونوں ہم معنی تھے لیکن گذشتِ زمان کے ساتھ یہ لفظ ہراس انسان کیلئے استعمال ہونے لگا ہے جو فقہی مسائل کوحفظ کرتے ہوں اور دیگر علماء کے آراء ونظریات پر عبور رکھتے ہوں گرچہ خود حکمِ شرعی کودلیلِ شرعی سے استنباط کرنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔اس کے بعد لفظِ مجتہد اپنے پہلے معنی میں باقی رہا کہ افراد جو حکمِ شرعی کواستنباط کرسکتے ہیں جیسے حلال، حرام، فساد وغیرہ۔

**اجتہاد وتقلید :**

اس وقت شیعہ فرقے میں اجتہاد وتقلید کا تصور اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے، ہر وہ چیز جو اس کے رشد ونمو میں غیر طریقے سے ہوگی اسے کسی نہ کسی دن پلٹ کر اپنی پہلی والی جگہ پر جانا ہی ہے، اجتہاد وتقلید کی منطق اور اس کی ضرورت کی دلیل کو قدیم زمانے سے علمائے محققین نے تقسیم کیا ہے یعنی جاہل کا عالم کی طرف رجوع کرنا، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس نے ہر دور اور ہر زمانے میں رشد پائی ہے اور اسی سے علم زندہ رہا ہے، عالم دنیا چھوڑ کر چلے گئے لیکن اپنے علم کو کسی سائل کے سینے میں ذخیرہ کر گئے، وقت گزرنے کے بعد وہی سائل یا طالب علم خود عالم بن گیا قرآنِ کریم کی آیات اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے فرمودات اور اصحاب تابعین کے ارشادات سب اسی کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسی اصول کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں چنداں پیچیدہ مسائل اور اگر مگر کی باتیں اتنی نہیں ہیں جتنی دیگر ابواب میں پائی جاتی ہیں لیکن علمائے اعلام نے ایک دو صدیوں سے اسے عقلی بنیاد سے اٹھا کر نقلی وہ بھی ضعیف السند حدیث پر کھڑا کیا ہے تا کہ لوگوں کو جلد متاثر کیا جاسکے اور انہیں مطیع وفرمانبردار بنایا جاسکے۔ جب اس باب کو آسانی اور فائدے کی خاطر شرعی بنیاد پر قائم کیا گیا تو اس بارے میں بہت سی پیچیدگیوں اور سوالات نے جنم لیا اور ہر سوال نے جواب دہندہ کو کسی نہ کسی مشکل میں مبتلا کئے رکھا اور یوں اسے بے راہ روی اور غلط گوئی کے دہانے تک پہنچا دیا گیا، آہستہ آہستہ یہ باب بے بنیاد، دین وشریعت کیلئے نقصاندہ آثار اور بالآخر بدعتوں جیسے

مسائل کی آماجگاہ بن گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجتہدین کا مقلدین سے اپنی تعلیم دینے کا حق زحمت اور جزیہ وصول کرنے کیلئے ہر قسم کے بے بنیاد فتاویٰ دینے تک کی نوبت آ گئی۔ یہ انحرافات کا نیا باب ہے جس سے کشف نقاب کرنا دین و مذہب کے اہم واجبات میں سے ہے لیکن ایک ایسے انسان کی طرف سے ان انحرافات کے کشف نقاب کرنے سے اچھے اثرات مرتب نہیں ہونگے جو مایہ علمی کے سفر میں یا شہرت وسمعت کے حوالے سے بدنام ہو چکا ہو۔ جب تک ان مسائل کے استناد کیلئے بڑے بڑے فقہاء اور مجتہدین کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔

آیئے ہم ان مسائل کو بنیاد سے اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں جس کتاب میں اجتہاد و تقلید کے مسائل کو سب سے زیادہ تفصیل سے اٹھایا گیا ہے وہ کتاب ''عروۃ الوثقیٰ'' ہے جس کی تالیف آیت اللہ العظمیٰ سید محمد کاظم یزدی نے کی ہے جبکہ بعد میں آنے والے فقہاء اور مجتہدین نے اس کتاب پر حاشیہ لکھا یا شرح نویسی کی یا پھر اس میں ترمیم و تبدل کر کے نئے کلمات کے ساتھ اسے اپنی نئی کتاب کی شکل دے دی۔ کتاب کے باب تقلید میں آیت اللہ یزدی نے (۷۲) مسائل بیان کئے ہیں۔ ان تمام مسائل کی بنیاد ''عقلی دلیل کو اٹھا کر دلیل شرعی سے جوڑا ہے پھر اسے شرعی بنانے کے بعد اس کے بعد مجتہد کیلئے بہت سی صفات اور شرائط وضع کی ہیں آیت اللہ سید محمد کاظم یزدی رسالہ عملیہ عروۃ الوثقیٰ کے مسئلہ ۲۲ میں مجتہد کی تقلید کیلئے یہ شرائط عائد کی ہیں:

۱)۔ بالغ ہو ۲)۔ عاقل ہو ۳)۔ مرد ہو ۴)۔ آزاد ہو

۵)۔ ایماندار ہو ۶)۔ عادل ہو ۷)۔ تمام معاملات میں مجتہد ہو ۸)۔ زندہ ہو

۹)۔ عالم ہو ۱۰)۔ متولد بہ زنا نہ ہو ۱۱)۔ دنیا سے روگردان ہو۔

آیت اللہ محسن حکیم اور ان کے بعد تشریف لانے والے اکثر و بیشتر فقہاء و مجتہدین اور خاص کر اس کتاب کے شرح کنندگان کے نزدیک متعلقہ تمام شرائط کے بے بنیاد ہونے کا دعویٰ ہے ان کے مطابق ان میں سے کسی بھی شرط کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ جاہل کا عالم کی طرف رجوع کرنا حکم عقل ہے اور اس حوالے سے دنیا کے تمام فرق و ملل، مذہب کے ماننے والے اور نہ ماننے والے، دیندار اور بے دین جاہل لوگ عالم کی طرف کیسے اور کس طرح رجوع کرتے ہیں، اسی سیرت پر قائم رہتے ہوئے انسانِ مسلمان بھی اپنے اپنے مسائل کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے حفظ و مراتب کے تحت مقامی و دیگر علماء سے رجوع کرتے ہیں تو انہیں اس بارے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ اس عالم کے مجتہد کا فتویٰ اس بارے میں کیا ہے، یہ عالم انہیں مسائل کے

بارے میں کسی بھی مجتہد کے فتویٰ سے قانع اور مطمئن کرتا ہے۔

**سوال؟** امام خمینیؒ نے اپنی تقاریر میں ایرانی قوم کو خراج تحسین پیش کیا ہے کیونکہ آپ کی اپیل پر انہوں نے اپنی جانیں اسلامی انقلاب کیلئے قربان کیں کیا امام خمینیؒ ان فاسد رسومات کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے یا ان معاملات پر توجہ نہیں دی؟۔

**سوال؟** جن عقائد ورسومات کو آپ نے غلط ٹھہرایا ہے اور اسے شاہانِ صفوی اور قاچاری کا ورثہ قرار دیا ہے جبکہ انہی لوگوں نے امام خمینیؒ کو حکومت میں لایا ہے اگر یہ عقائد و رسومات غلط تھیں تو شہید مرتضیٰ مطہریؒ اور امام خمینیؒ ان کو کیوں غلط نہیں ٹھہرایا ؟

**جواب :**

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ تاریخ فقہاؤ مجتہدین میں ایک انوکھی ونرالی شخصیت کے مالک تھے جو احکام شرعیہ میں اجتہاد کے ساتھ اس کے نفاذ واجراء کے داعی بھی تھے اور صلاحیت بھی رکھتے تھے لیکن نبی، معصوم نہیں تھے کہ ہر چیز کا نمونہ ان پر اختتام پذیر ہو، حضرت محمدؐ کے بعد کوئی نمونہ نہیں بن سکتا ہے پیغمبرؐ اسلام اور آئمہ طاہرینؑ تمام انسانوں کیلئے نمونہ ہستی ہیں؟۔

آپ نے امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے انقلاب کی کامیابی کو ایرانی قوم کی حمایت سے مربوط کیا ہے۔ اس میں شک وتردد نہیں اگر یہ قوم امام خمینیؒ کی دعوت پر لبیک نہ کہتی تو امام خمینیؒ کا یہ انقلاب کامیاب نہیں ہوسکتا تھا اس سلسلے میں چند مفروضوں کا تجزیہ وتحلیل کرنا ضروری ہے۔

۱۔ کیا شاہان صفوی کے اپنائے ہوئے عقائد ورسومات قرآن وسنت کے عین مطابق تھے؟

۲۔ شاہان صفوی کے افکار پر تربیت پانے والی ایرانی قوم نے چار سو سال گزرنے کے بعد امام خمینیؒ کی دعوت پر لبیک کہہ کر انہیں کامیاب کیا؟ شاہانِ صفوی کے انقلاب میں اتنی طاقت و قدرت تھی کہ ان کی حکومت چار سو سال تک جاری رہی ہے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انقلاب اپنے بعد دس سال بھی نہیں کھینچ سکا کیوں؟۔

۳۔ شاہانِ صفوی کے اپنائے ہوئے عقائد ورسومات، شہنشائیت کی جڑوں کی بقا کیلئے تھے جو کہ قرآن وسنت کے خلاف تھیں یقیناً ان کا کام آئمہ طاہرینؑ کے روضوں پر پڑھنے کیلئے جعلی

زیارتیں وضع کرنا، مختلف جگہوں پر گمنام امام زادوں کے مزارات بنانا، اپنے لئے عزت بنانے کی خاطر سادات کے فضائل پر کتاب لکھنا اور شیعہ وسنی کے درمیان تعصب کا بیج بونا تھا لیکن آج بھی ان کے حامی اسی پر قائم ہیں اور یہی گروہ امام خمینیؒ کی راہ میں حائل رکاوٹ تھا اس گروہ نے امام خمینیؒ کی دعوت پر کوئی لبیک نہ کہی لہٰذا قوم پرست، شاہ نواز علماء اور مجتہدین و فقہاء نے دعوت پر مزاحمت ظاہر کی۔

۴۔ شاہانِ صفوی کا دور دسویں صدی سے شروع ہوتے ہوئے قاچاری اور پہلوی دور تک مسلط رہا، شاہ اور شہنشاہیت کے حامی عوام، دانشور، شعراء، اہلِ ادب، فقہاء اور مجتہدین ہمیشہ انہی کے عقائد ورسومات کے محافظ و پاسدار رہے۔

۵۔ جن لوگوں نے امام خمینیؒ کی آواز پر لبیک کہی وہ ایرانی قوم کے اس حلقے میں شامل تھے جو شاہانِ صفوی سے لے کر قاچاری اور پہلوی ادوار میں سلطنت وشہنشاہیت کے جبر وتشدد، مذہبی فرسودگی اور دین کے چہرے کو مسخ دِکھانے کی کوششوں کے خلاف رہے اور اس سلسلہ میں علماء ومومنین نے قربانیاں دیں، اسی گروہ کے تسلسل کو آخر میں امام خمینیؒ جیسی قیادت نصیب ہوئی تب تو یہ انقلاب کامیاب ہوا لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ صفویوں کے افکار ونظریات اور عقائد و رسومات کے حامی گروہ نے امام خمینیؒ کی دعوت پر لبیک کہی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے اسلام اور قرآن وسنت کے عقائد کے خلاف مزاحمت میں مصروف رہے اور ابھی بھی مزاحمت کو جاری رکھے ہوئے ہیں، صفوی فکر وخیال رکھنے والے لوگ اس وقت بھی ایران میں رہتے ہوئے ظالمین وجابرین کے حامی وناصر ومددگار ہیں۔

۶۔ امام خمینیؒ ہمیشہ سے شاہان تو چھوڑیں ان فقہاء اور مجتہدین کے بھی خلاف تھے جو شاہان کی حمایت کرتے تھے اگر امام خمینیؒ کے خطابات کا مطالعہ کیا جائے تو جا بجا ایسا مواد ملے گا جس میں امام نے وقتاً فوقتاً ان رسومات کو چھاننے کی دعوت دی شاہانِ صفوی کے پیدا کردہ عقائد و رسومات کی جو تشریح ہم نے اپنی کتابوں میں کی ہے وہ میرے ذہن کی خودساختہ چیز نہیں بلکہ وہ ان کے بارے میں چھپنے والی کتابوں اور ایرانی انقلاب کے بعد شائع ہونے والے مجلّات کا اقتباس ہے ان مضامین میں ہمارے ذہن کی اختراع شدہ ایک سطر بھی نہیں ملے گی بلکہ

ہر کلمے کا مصدر و مآخذ میرے پاس موجود ہے۔

۷۔ امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بار سنگین کو اپنے دوش پر اٹھایا تھا جسے آپ سے پہلے کسی مرجع و مجتہد نے نہیں اٹھایا تھا آپ نے پورے ایران میں قرآن وسنت رسول ﷺ اور سیرت آئمہؑ کی بنیاد پر حکومت قائم کی اب غلط سطح پر رائج عقائد اور رسومات کو صاف کرنے کی ذمہ داری گھر کی صفائی کرنے کی مانند ہے، صفائی کی ذمہ داری صرف گھر کے مالک کی نہیں ہوتی بلکہ یہ کام گھر کے چھوٹے بڑے سب ملکر کرتے ہیں لہٰذا غلط عقائد و رسومات کو صاف کرنے کا ذمہ بعض افراد نے اپنے دوش پر اٹھایا، جیسے شہید مطہری رضوان اللہ علیہ جنہوں نے شاہ کے دورِ حکومت میں عید نوروز جیسے خرافاتی تہوار کو غیر اسلامی قرار دیا تھا جسے ہمارے ملک میں بعض جگہوں پر برپا کرنے کیلئے ہر سال جانیں دی جاتی ہیں بعض جگہ نوابوں کی سالگرہ منائی جاتی ہے جسے بعض نے فروغ دینے میں دلچسپی لی ہے اور بعض نے خاموشی اختیار کی ہوئی ہے بعض مراجع نے بھی ایسا ہی رویہ اپنایا ہوا ہے جس کی وجہ سے اب وہاں خرافات بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں اگرچہ وہاں اب بھی حکومت اسلامی ہی ہے لیکن خرافات اپنی جگہ جاری وساری ہیں اسے ہمارے ہاں کے ایک محاورے کے تحت چراغ تلے اندھیرا کہہ سکتے ہیں۔

**سوال؟** ملک میں ایک عرصے سے قتل وکشتار کا بازار گرم ہے جس میں شیعہ جوانوں کے خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے، ہزاروں افراد سوگوار ہوتے جارہے ہیں کیا یہ عمل جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو اس کے خلاف قدم اٹھانا امر بالمعروف ونہی از منکر کا مصداق جلی ہے لیکن اس بارے میں آپ کا قلم خاموش ہے کیا اس بارے میں آواز اٹھانا آپ کا وظیفہ نہیں ہے؟

**جواب :**

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں اور ایک کان سے سنتے ہیں جبکہ آپ کی دوسری آنکھ اور کان بند ہے اور یہیں سے ظلم کو فروغ مل رہا ہے کیونکہ اس صورت حال میں عدالت یکطرفہ ہوتی ہے، برادرِ اسلامی! آیا اہل سنت کے لوگوں کی ہلاکتوں کی تعداد شیعوں سے بہت کم ہے، ان کے ہاں فرقہ وارانہ

قتل کے واقعات میں بیوہ، یتیم اور سوگوار کوئی نہیں ہوتا؟ آپ کے بقول ایک دن امام بارگاہ قتل گاہ بن جاتی ہے تو ان کے بقول دوسرے روز ان کی مسجد پر حملہ ہوتا ہے۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ہماری امام بارگاہوں پر حملہ کرنے والے اہل سنت کے لوگ ہیں تو اہل سنت کے لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ان کی مساجد پر حملہ کرنے والے اہل تشیع کے افراد ہیں۔ عقل وفکر رکھنے والے سنجیدہ طبقوں نے ایسی فرقہ وارانہ وارداتوں پر ہمیشہ یہ ردعمل ظاہر کیا کہ شیعہ سنی کے لوگوں کو قتل کرنے کا عمل اسلام دشمنوں نے ہی کیا البتہ ان کا آلہ کار یا واسطہ دونوں فرقوں کے لوگ ہو سکتے ہیں۔

ہم نے اس معاملے میں قلم نہیں اٹھایا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ معاملہ قلم اٹھانے کے لائق و مستحق نہیں ہے بلکہ اس معاملے پر قلم اٹھانے اور زبان کھولنے کی ذمہ داری ان افراد پر عائد ہوتی ہے جو معاشرے میں مقام ومنصب یا اثر ونفوذ رکھتے ہوں، جبکہ ہم اس معاملے کو اسی انداز سے دیکھتے ہیں جس طرح آپ اور ملک کے گوشہ وکنار میں رہنے والے عام لوگ دیکھتے ہیں جن کا معاشرے میں کوئی مقام ومنزلت نہیں تاہم آپ نے شاید اس بارے میں کبھی غور نہیں کیا ہوگا کہ ایک مسلمان کے قتل کرنے کو اجر وثواب کا مستحق گردانے کی منطق کب سے پیدا ہوئی ان کی طرف سے قتل وغارت گری کی حد تک دشمنی کی نوبت اس وقت پیدا ہوئی جب انھوں نے شیعوں کو کافر اور ان کے جان ومال کو نقصان پہنچانا جائز گردانا اسی طرح جب شیعوں نے قرآن وسنت، سیرت رسولؐ اور سیرتِ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی تعلیمات کے برخلاف ملک کے اسی (۸۰) فیصد مسلمانوں کے خلفاءؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کو برملا سبّ وشتم کرنا شروع کیا ہے؟

ہم نے اپنی بساطِ اجتماعی اور علمی حدود میں رہتے ہوئے اصل نکتۂ فساد پر قلم کی نوک کو رکھا ہے اور ہمارا نکتہ نظر یہ ہے کہ پچھلے وقتوں میں جو کچھ ہوا سو ہوا لیکن مستقبل میں "لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ" کا کلمہ پڑھنے والے ایک دوسرے کی جان ومال کے محافظ اور ضامن بن جائیں اور ایک دوسرے کا احترام کریں۔

جب ہم مسلمانوں کے ایک فرقے کے جان ومال سے کھیلنے، جائیداد کو آگ لگانے اور توڑ پھوڑ جیسی حرکتوں کو قرآن وسنت، سیرت پیغمبرؐ اور سیرت آئمہؑ کی روشنی میں دیکھ کر ان کو یہ سب کچھ صحیح نظر نہیں آتا ہے، اگر میرا یہ نظریہ غلط ہے تو علماء سے کہیں کہ وہ قرآن کریم وسنتِ رسولؐ اور سیرت آئمہؑ کی روشنی میں اس عمل کے حق میں کوئی مثال پیش کریں لیکن مقامی اور شخصی اجتہادات پیش نہ کریں کیونکہ وہ باطل ہیں۔

سوال؟

ہمارے اوپر ہونے والے اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ جن باتوں کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے ان میں سے بعض کا اس سے پہلے خود اظہار کر چکے ہیں جس کا ثبوت آپ کی کتابیں ہیں اس لئے ہم آپ کو کن کن باتوں کو مانیں اور کن کو نہیں پہلی باتوں کو تسلیم کریں یا آخری کو؟

جواب :

اس کائنات میں افضل واشرف سرورانبیاءﷺ کو خداوندمتعال نے اپنی کتاب میں صفت **اُمّی** سے یاد کیا ہے چہ جائیکہ شہری ترقی وتمدن اور عالمی معاشرے سے دورافتادہ مدارسِ دینی کے فیل ہونے والے نالائق طلباء جنھوں نے ان مدارس اور حوزات میں پڑھا ہو جہاں دینی نصاب کے نام سے کوئی کتاب نہ ہو توان کی ابتدائی باتیں یا تقاریر وحی منزل اور ناقابل تردید حقیقت کیسے بن سکتی ہیں۔ہم اس تصور کی مخالفت کرتے ہیں، ہرانسان کو اپنے دین ودنیا کے مسائل میں ہرروز تحقیق اور دلیل وبرہان کے ساتھ چلنا چاہئے لیکن بدقسمتی سے کچھ افراد خاص کر کے مروجہ درس گاہوں کے گرویدہ حضرات کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دنیوی زندگی کو نئی تحقیقات کے افکار پر قائم رکھیں جبکہ دینی مسائل میں پرانی اور سنی سنائی باتوں پر عمل کرتے رہیں کیونکہ اسی میں ان کی دانشوری زیادہ چمکدار نظر آتی ہے۔

سوال؟

ہمارے اوپر ہونے والے اعتراضات میں سے ایک حدیث کساء اور زیارت عاشورا کو اہمیت نہ دیئے جانے سے متعلق ہے؟۔

جواب :

دعا حسبِ آیات قرآن کریم رمز ومظہرِ عبادت وبندگیِ حق سبحانہ وتعالیٰ ہے،جس سے روگردانی کرنے والے کو قرآن میں وعدۂ جہنم کی وعید سنائی گئی ہے لیکن جعلی اور خودساختہ اذکار ودعائیں جن کے ورد کرنے سے حاجتیں روا ہو جاتی ہیں جیسے حدیث کساء اور زیارت عاشورا وغیرہ ان کے بارے میں مزید وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کا تفصیلی ذکر ہم اپنی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ ہم آیات وسورتوں کو بھی حوائجِ دنیا کے حصول کی خاطر سند ومتن کے صحیح ہونے کے باوجود نہیں پڑھتے ہیں تاکہ ان کی تلاوت سے دنیاوی فوائد حاصل ہوں کیونکہ یہ مذہبِ حروفی کا عقیدہ ہے جسے محمد امین فضل اللہ استرآبادی متولد ۷۴۰ھ

متوفی ۸۴۰ھ وغیرہ نے بنایا تھا۔ یہ شخص عقیدہ خلافت الٰہی اور نبوت کا دعویٰ کرنے والا منحرف انسان تھا یہ باتیں انہی کے انحرافات وخرافات میں سے ہیں جنھیں مسلمانوں کو عملی زندگی سے دور لفظوں اور اذکار کی تلاوتوں میں مشغول رکھ کر مذہب کو فرسودہ اور بوسیدہ بنانے کیلئے گھڑا گیا ہے ایسے عقیدے کو قرآن وسنت سے نا آشنا افراد ہی قبول کرتے ہیں جبکہ دین اور مذہب کے محافظ و پاسدار افراد کی اوّلین ذمہ داریوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرسودہ عقیدے سے مربوط انحرافات کو دین کے کھاتے سے نکال کر باہر پھینک دیں۔

**سوال؟** ہمارے اوپر ہونے والے سخت اور مکرّر اعتراضات میں یہ باتیں بھی شامل ہیں کہ ہمارے لکھے ہوئے صفحات دشمن کے ہاتھ لگ رہے ہیں اور دشمن سے مراد اہل سنت والجماعت ہے۔

یا دوسرے انداز میں کہتے ہیں بعض چیزیں خاص لوگوں کیلئے مختص ہوتی ہیں انھیں عوام میں نہیں آنا چاہیے یا اپنے فرقہ کی اندرونی باتیں منظرِ شہود و کتابت میں نہیں لانی چاہیں کیونکہ وہ ہمارے دشمنوں کے ہاتھ لگ جائیں گی پھر وہ ہمارے خلاف یہ کہہ کر اٹھائیں گے کہ دیکھو تم لوگوں کی ہی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، یہ حضرات اپنے مدعا کیلئے ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جو ہماری کتبِ روایت میں کتمانِ اسرار کے عنوان سے نقل ہوئی ہیں جن میں راز فاش کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے کبھی وہ اس معروف روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ لوگوں سے ان کی عقل کو مدنظر رکھ کر بات کی جائے۔ الغرض ان کا کہنا یہ ہے کہ آپ کی ساری باتیں وہی ہیں جو ہمارے دشمن کہتے آرہے ہیں؟۔

**جواب :**

۱۔ ہمارے ہاں مذہب کی حقانیت کی ایک دلیل اپنے فریقِ مخالف کی مخالفت کو بھی گردانا جاتا ہے جس کی کوئی منطق نہیں، اسی منطق کے پیش نظر کونڈوں کو اور عزاداری میں غیر شرعی حرکتوں کو مذہب شیعہ کا جز گردانتے ہیں اسی طرح بعض چیزیں ان کی کتابوں میں موجود ہونے کو سند بنا کر اسے فروغ دیتے ہیں اس منطق کے تحت کہ یہ تو ان کی کتابوں میں بھی ہے

اسی طرح ذوالجناح کے تصور کو صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی حدیث کو بنیاد بنا کر اٹھایا جاتا ہے گرچہ وہ لوگ خود اس کی صحت سے انکار ہی کیوں نہ کریں پھر یہاں کہا جاتا ہے کہ تمہاری ایسی کی تیسی مانو گے کیسے نہیں؟۔

۲۔ اس اعتراض کے جواب میں عرض یہ ہے کہ پہلے تو ہم قرآن وسنت نبیؐ اور سیرت ائمہ طاہرین کی اتباع کرتے ہوئے اہل سنت کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے کیونکہ قرآن کریم میں انھیں ہمارے بھائی قرار دیا گیا ہے اگرچہ ان میں سے اکثر ہم لوگوں کے ساتھ بھائی کا سلوک نہیں کرتے ہم ہابیل بن کر رہیں گے اور قابیل جیسا سلوک ہرگز نہیں کریں گے قرآن کریم، سنت نبیؐ اور سیرت آئمہ طاہرینؑ میں ہمارے دشمن روشن اور واضح ہیں ہم صرف انہی عناصر کو دشمن سمجھتے ہیں جنھیں قرآن، نبی کریمؐ اور ائمہؑ نے دشمن تصور کیا ہے جبکہ ان سے بھی سلوک یا ان کا مقابلہ دہشت، وحشت اور شدت پسندی سے نہیں بلکہ دلیل و برہان سے کریں گے جسے خداوند عالم نے انسانِ مسلمان کو دو (۲) پَر کے طور پر عنایت کیا ہے ہم انہی دو پروں کے ذریعے پرواز کریں گے۔

۳۔ اگر یہ مسلمہ اصول ہے کہ ہمارے اندرونی اختلافی مسائل دشمن کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیں تو ہم بھی اس بات سے سو فیصد اتفاق کرتے ہیں لہٰذا ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اپنی تقریر و تحریر میں دنیائے کفر و شرک کو ایسا مواد پیش نہ کریں جس سے یہ تاثیر ملتا ہو کہ مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف ہے جس کی بنا پر وہ آپس میں دست و گریبان ہیں اور ایک دوسرے کے پیشواؤں کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور آجکل کے بے ہودہ مظاہرہ کرنے والوں کی طرح ایک دوسرے پر غلاضت گندگی اچھالتے ہیں کیونکہ ایسے ہی اعمال کی وجہ سے ہمارے جان و مال اور حیثیت کی تقدیر ان کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔

۴۔ یہاں یہ واضح کر دیں کہ آپ جن لوگوں کو اپنا دشمن تصور کرتے ہیں وہ بذات خود آپ کے دشمن ہیں یا آپ کے مقتداء اور پیشوایان کے دشمن ہیں۔ اگر آپ کے ذاتی دشمن ہیں تو ان سے ہماری کوئی دشمنی نہیں کیونکہ آپ کے دوست ہم سے دوستی نہیں کرتے، لیکن اگر آپ کے دشمن سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کے اہل بیتؑ کے دشمن ہیں تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ائمہ طاہرینؑ کے دشمنوں کی عادات و رسومات اور خصلتیں کس قسم کی تھیں اور وہ کون تھے؟

# دشمنان اہل بیتؑ

امت اسلامیہ میں کلمہ پڑھنے والا اگر مسلمہ ضروریات اسلام کے خلاف ہوتو حسبِ آیات قرآن کریم وسنت نبی کریمؐ اسے دشمن قرار دیا گیا ہے۔ ہمارا دشمن وہ ہے جو نبی کریمؐ کی ختم نبوت کا منکر ہو، قرآن وکعبہ اور دیگر ضروریاتِ اسلام کو نہ مانتا ہو۔ نہ وہ جسے آپ اپنا دشمن بنا کر پیش کرتے ہیں قرآن وسنت کے دائرے سے ہٹ کر ہمارا نہ کوئی دوست ہے نہ دشمن۔ ہم اپنے دوست اور دشمن کی پہچان کو قرآن اور سنت نبی کریمؐ کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

ہماری محافل ومجالس میں بلند ہونے والا ایک پسندیدہ نعرہ ''دشمنان اہل بیتؑ پر لعنت'' ہے جبکہ دوسرا ''علیؑ کا طرز زندگی منافقت کی موت ہے'' ان نعروں میں اس وقت شدت آتی ہے جب مجالس میں اہل سنت و الجماعت کے شرکاء یا محترم شخصیات موجود ہوں جلسے جلوس کو سرگرم رکھنے، جذبات کو ابھارنے میں نعرہ چند خاص شرائط کے تحت ایک کردار ادا کرتا ہے لیکن کبھی یہ اپنے مطلوبہ اہداف حاصل کرنے کی بجائے نعرہ لگانے والوں کی حماقت اور خباثت باطنی کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

آپ کی مجالس میں شریک انسان آپ کے مہمان ہیں اور آپ ان کے میزبان۔ میزبان کی طرف سے مہمان کی توہین وتذلیل، میزبان کی خباثت کی ترجمانی کرتی ہے، اسکے علاوہ یہ آئمہ اطہارؑ کی سیرت سے بھی انحراف ہے یہ بات قابل غور ہے کہ جس مجلس میں ہم دشمنان اہل بیت کا نعرہ بلند کرتے ہیں کیا اس نعرہ کا یہی موقعہ محل ہے؟، کیا جلسے کے اہداف ومقاصد یہی ہیں کہ چرب زبانی، لقلقہ لسانی اور نعروں کے ذریعے دشمنان اہل بیتؑ سے نفرت کا اعلان کیا جائے، آیا جن افراد کو دشمن اہل بیت کا الزام دیا جارہا ہے، وہ دشمنان اہل بیتؑ ہیں؟ قرآن وسنت، سیرت آئمہ معصومینؑ میں دشمن اہل بیتؑ کا تعارف کس طرح کرایا گیا ہے؟ ہمیں قرآن وسنت اور سیرت معصومینؑ کے آئینے میں دشمنان اہل بیت کو تلاش کرنا ہوگا۔

اہل بیت اطہارؑ کے اہداف وہی تھے جو رسول اللہؐ کے تھے لہٰذا اہل بیتؑ اور رسول اللہؐ کے دشمنوں میں کوئی فرق نہیں ہے، آیئے دیکھتے ہیں پیغمبرؐ کے دشمن کون ہیں جو آپکؐ حیات ووفات کے بعد بھی آپؐ کے دشمن

رہے آپ کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان اور اس کا خاندان تھا، فتح مکہ کے موقع پر بادل ناخواستہ تسلیم ہوا اور انہوں نے اپنی دشمنی کے خاتمے کا اعلان کیا لہٰذا اس فرد کے بارے میں دیکھنا چاہیے جو امت مسلمہ میں کلمہ لاالـه الله مـحمد الرسول الله پڑھتا ہو، اس پر اعتقاد کا اظہار کرتا ہو، ساتھ ہی پیغمبرؐ سے دشمنی رکھتا ہو اور پیغمبر نے بھی اس سے برائت کا اعلان کیا ہو۔ قرآن کریم اور پیغمبر کی سیرت اس بارے میں کیا ہدایت و راہنمائی کرتی ہیں، پیغمبرؐ کے دشمن وہ ہیں جو خدا کے دشمن ہیں، خدا کے دشمن قرآنِ کریم کی آیات سے ثابت ہیں :

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴾

''جو کوئی اللہ اس کے فرشتوں، رسولوں اور جبرائیل و میکائیل کا دشمن ہو تو اللہ (ایسے) کافروں کا دشمن ہے''۔ (بقرہ ۹۸)

مشرکین خدا کے دشمن ہیں:

﴿ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ﴾ ''وہ دشمن خدا ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے''۔ (توبہ ۱۱۴)

خدا سے جنگ کرنے والا:

﴿ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور روئے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کی سزا بس یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیے جائیں یا ملک بدر کئے جائیں یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کیلئے عذاب عظیم ہے''۔ (مائدہ ۳۳) توبہ ۱۰۷، یٰسین ۶۰۔

کافرین دشمن ہیں:

﴿ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ﴾ ''یہ کافر لوگ یقیناً تمہارے صریح دشمن ہیں''۔ (نساء ۱۰۱)

شیطان انسان کا دشمن ہے :

﴿ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوہُ عَدُوًّا ﴾ ''شیطان یقیناً تمہارا دشمن ہے پس تم اسے دشمن سمجھو''۔(فاطر ۶) ممتحنہ ۱، فصلت ۱۹، ۲۸، انعام ۱۔

## مسلمانوں کا دشمن :

﴿وَ کَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِنَ الْمُجْرِمِینَ ﴾ ''اور اس طرح ہم نے ہر نبی کیلئے مجرمین میں سے بعض کو دشمن قرار دیا'' (فرقان ۳۱)

دشمنان اہل بیتؑ کو مختلف زاویوں سے پہنچانا جاسکتا ہے :

۱۔ خدا کے دشمن وہی ہیں جو خدا کی وحدانیت و ربوبیت کے منکر اور خدا کی شریعت کو نافذ ہونے سے روکتے ہیں اس سلسلے میں سرفہرست مشرکین اور یہود و نصاریٰ وغیرہ شامل ہیں، جیسا کہ خدا کے ساتھ لڑنے والوں کا ذکر ہوا ہے :

﴿ اِنَّمَا یَنْھَاکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِینَ قَاتَلُوکُمْ فِی الدِّینِ وَاَخْرَجُوکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ وَظَاھَرُوا عَلَی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَتَوَلَّھُمْ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الظَّالِمُونَ ﴾

''اللہ تو یقیناً تمہیں ایسے لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہاری جلاوطنی پر ایک دوسرے کی مدد کی ہے کہ ان سے دوستی کریں اور جو ان لوگوں سے دوستی کر دیں پس وہی لوگ ظالم ہیں''۔(ممتحنہ ۹) مجادلہ ۹۔

حضرت امام علیؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں :

''پیغمبر کا دوست وہی ہے جو ان کی اطاعت کرے، چاہے نسب کے اعتبار سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو اور آپ کا دشمن وہی ہے جو آپ کی نافرمانی کرے چاہے قرابت کے اعتبار سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو''۔ [1]

۲۔ وہ افراد یا گروہ جو دین رسول اللہؐ سے نبرد آزما ہیں وہی اہل بیتؑ کے بھی دشمن ہیں۔

---

[1] [ان ولی محمد من اطاع اللہ وان بعدت لحمتہ، وان عدو محمد من عصیٰ اللہ وان قربت قرابتہ (کلمات قصار ۹۶ ترجمہ جوادی، ص ۶۶۱)]

۳۔ وہ افراد جن سے خود اہل بیتؑ نے دشمنی کا اعلان کیا ہو اور ان سے کسی قسم کی مصلحت ومفاہمت کرنے سے منع کیا ہو۔

۴۔ وہ افراد جنھوں نے اہل بیت اطہارؑ سے بغض وعدوات اور نفرت کا اعلان کیا ہو۔

قارئین خود فیصلہ کریں جو افراد مجالس میں خود آپ کی دی گئی دعوت پر شریک ہوتے ہیں کیا وہ دشمن اہل بیتؑ ہیں؟ کیا نعوذ باللہ وہ اہل بیتؑ پر لعنت اور سب وشتم کرتے ہیں؟ کیا وہ عید، جمعہ اور دیگر خطبوں میں محمد آل محمدؐ پر درود وسلام نہیں بھیجتے؟ کیا وہ خود کو اُمت مسلمہ میں نہیں گردانتے ہیں۔

بعض اس شنیع عمل کی سند کیلئے کہتے ہیں کہ آئمہؑ نے فرمایا ہے کہ ہمارے دشمن وہ نہیں جو ہم سے دشمنی کرتے ہیں بلکہ جو تم لوگوں سے دشمنی کرے وہ ہمارا دشمن ہے۔ قارئین ہمارا یہاں سوال یہ ہے آیا تم سے مراد زرارہ، ابوبصیر، ابان بن تغلب، مالک اشتر جیسے اصحاب ہیں یا تم سے مراد تارک صلاۃ، شراب نوش، رشوت خور، روزہ خور بدکردار، اخلاق سے عاری، سبّ وشتم کی زبان کھولنے والے اور دین اسلام کے خلاف دنیائے کفر سے صلح وآشتی کرنے والے شیعہ ہیں؟ جن سے دشمنی اہل بیتؑ سے دشمنی تصور ہوگی؟۔

**سوال؟** ایک اعتراض یہ ہے کہ آپ کا زبان وقلم کو حرکت دینے کا طریقہ صحیح نہیں؟

**جواب :**

انسان خطا کا پتلا ہے جس انسان کے پاس کوئی وسیلہ یا ذریعہ نہیں اور وہ اس کے باوجود کوئی ضروری کام کرنا چاہتا ہے لیکن طریقہ جاننے والوں سے بھی مدد نہ لے سکتا ہو تو کیا کرے ظاہری بات ہے کہ وہ اپنا کام پیش کرے اور جن کو طریقہ آتا ہے وہ اسے طریقے سے انجام دیں ہماری تجاویز ان کیلئے مفت ہیں۔

**سوال؟** ہماری تحریر وتقریر پر نکتہ چینی کی ایک وجہ امام باڑوں کی تعریف وتوصیف اور آرائش کی بجائے ان کے قیام کی مخالفت کرنا ہے؟۔

**جواب :**

قرآن وسنت میں کعبہ، مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے علاوہ مسلمانوں کیلئے جائے عبادت کی غرض سے صرف مسجد کا نام آیا ہے اور اس کی بنیاد اور تعمیرات کے بارے میں قرآنی آیات اور روایات موجود ہیں مسجد

کے سوا کسی بھی نام سے کسی جگہ کا تقدس اور کسی عمارت کی تعمیر میں اجر وثواب کا ذکر کہیں نہیں ملتا اور نہ ہی ان کی قدسیت ہے بلکہ مسجد کے علاوہ کسی بھی جگہ کو دین سے منسوب کر کے وہاں تعمیرات قائم کرنا درحقیقت مسجد کے نام سے کراہت اور مسلمانوں کو اس سے دور رکھنے کی ایک سازش ہے ایک طرف سے لوگوں کی زیادہ توجہ امام باڑوں کی طرف ہونا قرآن وسنت سے ناواقفیت کے باعث ہے جبکہ دوسری جانب یہ مساجد سابق زمانے کی خانساؤں جیسی یعنی فقیر ومسکینوں کی آماجگاہ کی مانند نظر آتی ہیں کیونکہ مسجد کے مقابل میں امام باڑوں کی وسعت ورونق اور تزئین سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اصل میں یہی لائق تزئین وآرائش ہیں اور مساجد مسجد فقراء ومساکین کے رہنے کی جگہ ہے قرآن وسنت سے نابلد عناصر نے مساجد سے ہٹی ہوئی توجہ کی بنیاد پر اہل تشیع کی عبادت گاہوں کو امام باڑوں کے نام سے دنیا کو متعارف کرایا ہے جو اس مذہب پر ایک داغ ہے۔

# شخص وشخصیت کی طرف دعوت

دعوت ہمیشہ خدا کی طرف ہوتی ہے، یہ دعوت درحقیقت دین وشریعت کی جانب دعوت دینا ہے، خدا اور دین وشریعت سے ہٹ کر کسی بھی ہستی یا شخصیت کی طرف دعوت دیا جانا دعوت بہ طاغوت ہے، انبیاء الٰہیؑ اسی طرز دعوت کو روکنے کیلئے آئے ہیں تا کہ خدا اور اس کی شریعت کے سوا کسی دوسرے کیلئے دعوت نہ ہو اس سلسلے میں خداوند متعال حضرت عیسیٰؑ کو خطاب عتابی سے یوں مخاطب ہوئے ''آپ نے لوگوں سے کہا کہ وہ میری اور میری ماں کی پرستش کریں'' اسی طرح جنگ اُحد کے دوران کفار ومشرکین کی جانب سے محمدؐ کے قتل کی افواہ پھیلائے جانے کے بعد جب مسلمانوں نے میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کی تو خداوند عالم مسلمانوں سے کچھ اس طرح مخاطب ہوئے :

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِيْن مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللهَ شَيْئًا﴾ ''محمد صرف رسول ہی ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑویوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی پھر جائے اپنی ایڑیوں پر تو ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا''۔ (آل عمران ۱۴۴)

جب قرآن کریم کی آیات اور محمدؐ کی زبان وحی سے انبیاءؑ کی ذوات کی طرف دعوت دینے کیلئے منع کیا گیا ہو تو ان کے بعد آنے والے اولیاء، اوصیاء خلفاء یا علماء کی طرف یہ کہہ کر دعوت دینا کہ دین انہی ذوات سے قائم ودائم ہے یہ تصور غلو کا دوسرا مصداق ہوگا۔

جہاں انبیاءؑ کی طرف دعوت دینا غلط ہو وہاں ان کے جانشینوں اور دیگر شخصیات کی طرف دعوت دیا جانا دین اسلام کو دانستہ طور پر پہنچایا جانے والا دھچکا ہے جس کے نتیجے میں دین ایک انحرافی راستے پر گامزن ہو گیا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص کو جو کعبہ کی تلاش میں ہو مسجد الحرام کے باہر نکلنے والے دروازے سے یہ کہہ دیں کہ یہاں سے سیدھا آگے چلے جاؤ۔ کیا وہ شخص کعبہ تک پہنچ جائے گا اگر وہ شخص نوح کی عمر لے کر کشتی نوح میں بھی سوار ہو کر آگے بڑھتا چلا جائے تب بھی وہ کعبہ نہیں پہنچے گا کیونکہ نکلتے وقت کعبہ اس کی پشت

پر واقع تھا، بدقسمتی سے ہماری صورت حال بھی کچھ ایسی ہی ہوئی ہے جس ہستی نے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دی ان کی طرف دعوت نہ تو نہ دی جائے بلکہ ان کے بعد آنے والوں کی طرف دعوت دی جارہی ہو اور اس کے جواز کیلئے یہ کہا جائے کہ لوگوں کو فلاں پیر و مرشد، عالم اور مجتہدین سے ملوائیں تو یہ دین کیلئے خیر ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ طریقہ دین کیلئے بُرا ہوگا اس لئے ہم اسے واشگاف الفاظ میں مسترد کرتے ہیں، ہم روزِ اوّل سے اپنے دوستوں کو ہماری طرف دعوت دینے یا پھر حمایت کرنے سے منع کرتے آئے ہیں اس کے باوجود اگر کوئی شخص ہماری شخصیت کو بنیاد بنا کر کوئی مسئلہ کھڑا کرے تو سمجھ لیں کہ وہ ہماری طرف سے نہیں ہو رہا یہاں تک کہ ہم نے اس سے ایک قدم آگے بڑھا کر ہمارا دفاع کرنے سے بھی منع کر رکھا ہے اور ہمیشہ سے یہی گزارش کرتے آئے ہیں کہ اگر آپ کو دفاع کرنا ہے تو دین سے کریں۔

ہمارے افکار و نظریات ہماری نشریات میں موجود ہیں جن کے بارے میں ہمارا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ وہ سب کے سب من و عن صحیح ہیں کیونکہ غلطیوں سے بہت ہی کم ذوات بچ سکی ہیں، باقی تمام بادِ سموم کی زدّ میں رہتے ہیں لہٰذا ہم نظریات کو سمجھنے کی بجائے شخص اور شخصیت کو بنیاد بنا کر کسی کا دفاع یا حمایت کرنے کے حق میں نہیں ہیں علاوہ ازیں ہم دنیوی اور رائج سنت کے تحت بھی کوئی ایسی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی ہستی اور گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنے دوست احباب پر یہ واضح کر دیا ہے کہ انھوں نے جس طرح کی بھی بات کرنی ہے یا پوچھنی ہے ہم سے پوچھیں اور وضاحت طلب کریں، اس کے باوجود بعض افراد کا کہنا ہے کہ ہمارے بعض چاہنے والے ہماری باتوں کو آنکھ بند کر کے سنتے ہیں تو ان کا یہ موقف حقیقت گوئی کی طرف دلالت نہیں کرتا بلکہ ان کے اندر چھپی فکر و سوچ کی طرف اشارہ کرتا ہے جس پر کسی قسم کا تبصرہ کرنا مناسب نہیں۔

ہم کیونکہ کسی بھی حوالے سے شخصیت و حیثیت کے حامل انسان نہیں ہیں اور نہ ہم کسی ضلع یا علاقے کی نمائندگی کرتے ہیں نہ بذل و بخشش کی ضروری مقدار کا مال و دولت رکھتے ہیں اور نہ کسی علمی و مرجع درسگاہ اور دینی حوزات و مدارس کی معقول سند رکھتے ہیں اسی کو بنیاد بنا کر کہتے ہیں لہٰذا ہمیں اپنے دین و مذہب کے بارے میں کسی بھی حوالے سے سوال اٹھانے کا حق نہیں پہنچتا ہے اسی تناظر میں بعضِ برادران نے پیار و محبت میں بعض نے مخالفت برائے مخالفت میں ان مسائل کے بارے میں ہم سے حق سوال کو ہماری شخصیت و حیثیت کی کمی کی بنیاد پر چھین کر سوال کیا ہے کہ آپ نے کیوں سوال اٹھایا ہے۔

**سوال؟** آپ نے اپنی کتابوں کی تمہید میں علاقے کے شکوہ و شکایت کے ساتھ ہجرت کرنے کی منطق کو خلاف حقیقت قرار دیا ہے کیونکہ جہاں آپ سانس لے رہے ہیں یہاں کی نسبت وہاں ہر حوالے سے برا ماحول ہے ہر قسم کی برائیاں وہاں پائی جاتی ہیں جو یہاں نہیں ہیں اور یہاں (بلتستان میں) کی بنسبت وہاں (کراچی) کا ماحول کیا اچھا ہے؟

**جواب :**

برادر اسلامی! اس سوال کا جواب یوں پیش کرتا ہوں :

۱۔ ہم نہیں کہتے کہ یہاں (کراچی میں) جن برائیوں کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ وہاں (بلتستان میں) نہیں پائی جاتی ہیں لیکن علاقے کے گنجان آباد ہونے کی وجہ سے یہاں کی اچھائیاں بھی نمایاں ہیں اگر سب کچھ برا ہو تو انسان کہیں بھی نہیں جی سکتا۔

۲۔ یہاں کو ترجیح اس بنیاد پر ہے کہ وہاں علاقہ محدود ہے اس لئے معاشرے کا ہر فرد خود کو محدود و مقید محسوس کرتا ہے اسی طرح علاقہ چھوٹا ہے لہٰذا برائی کا گھیرا تنگ ہو رہا ہے لیکن یہاں ہر شخص اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتا ہے۔

۳۔ جو برائیاں آپ نے یہاں کے بارے میں بیان کیں ہیں اور اس بات پر آپ کو فخر ہے کہ وہ آپ کے علاقے میں نہیں پائی جاتی ہیں تو آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ وہاں بھی آزادی نسواں جلد ہی شروع ہونے والی ہے کیونکہ اس کے تمام انتظامات ولوازمات مکمل ہو چکے ہیں قتل و غارت گری، بے جا مسلمانوں کو ہراساں کرنا اور ان کی املاک کو نقصان پہنچانا اور گھروں کو آگ لگانا وغیرہ، جیسی تمام برائیاں ابتدائی مراحل سے انتہا کو پہنچ چکیں ہیں۔

۴۔ وہاں کے برسر اقتدار علماء ہمیشہ باطل و سیکولر طاقتوں کی حمایت، ان کی عزت و تکریم اور کامیابی کیلئے دعا گو رہنے کو اپنا جز مذہب جانتے تھے اور جانتے ہیں سیکولر ماحول تمام برائیوں کی جڑ ہے، جس کا تنا نکل چکا ہے، شاخیں نکل رہی ہیں اور کونپلیں پھوٹنے والی ہیں۔ یہ درخت جلد ہی پھل بھی دینے لگے گا لیکن اس کے خلاف بولنا بالکل غیر محسوس لجام کی مانند ہے۔

ہمارا موجودہ جگہ کو انتخاب کرنے کا فیصلہ خدا کے فضل وکرم سے اب تک بہتر ثابت ہوا ہے ہر طرح سے گھیرا تنگ ہونے کے باوجود بھی ہم نے اپنے بیان وخیالات کو صفحہ قرطاس کی نظر کیا ہے اور وہ سانس جو سینے میں دبا ہوا تھا نکل گیا ہے اب اس کے نتائج کچھ تو زندگی میں بھگتنا پڑیں گے اور کچھ مرنے کے بعد اور یہ صورت حال ہمارے عزیز واقارب، دوست احباب کو بھی بھگتنا پڑے گی اور ہوسکتا ہے کہ آپ بھی دیکھیں۔

# اُصول دین اور فروع دین کی کسوٹی

**سوال؟** ہمارے اوپر ہونے والے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ صرف توحید نبوت اور معاد ان تین کو ہی اصول دین میں شامل کیا ہے کیوں عدالت و امامت کو اصول دین سے نکالا ہے؟۔

**جواب :**

ہم عوام الناس اور اسلام سے ناواقف دانشوروں کو اس سلسلے میں قصوار نہیں ٹھہراتے ، یہ لوگ اعتراض کرنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ انھوں نے بزرگ اور بلند قامت علمائے اعلام سے ہمیشہ پانچ (۵) جب اصول دین بنانے کا کوئی اصول نہیں رہا تو لوگوں نے اس تعداد کو پانچ سے بھی آگے بڑھایا ہے۔

اب یہ آدھے پر کیسے راضی ہوں گے، ہم اس صورت حال کو بدقسمتی و بدنصیبی سمجھتے ہیں کہ ہمارے مدارس اور حوزات علمیہ میں اصول دین یا اصول عقائد کے بعض پہلوؤں پر کسی بھی حوالے سے کوئی ذکر نہیں ملتا ہے جبکہ کئی دیگر پہلوؤں کے بارے میں بعض اپنے طور پر جیسے آجکل کی اصطلاح کے مطابق دروسِ جنبی کے نام سے پڑھتے ہیں اور ایسے لوگ بھی سو (۱۰۰) میں سے ایک دو ہوں گے لیکن یہ لوگ کہاں کہاں پہنچیں گے؟ پھر کیا وہ اسے بیان کرنا ضرورت سمجھیں گے یا نہیں یہ ایک الگ بات ہے، تاہم اس بارے میں بنیادی طور پر بحث و گفتگو کرنے میں کسی کی زبان و دہان تر نہیں ہوتی ، نہ نوکِ قلم حرکت میں آتی ہے کن چیزوں کو اصول دین گردانتا ہے اور کن چیزوں کو فروعِ دین میں رکھنا ہے۔

کس بنیاد پر بعض چیزوں کو اصول دین میں شامل رکھتے ہیں اور بعض کو فروع دین میں سے گردانتے کی کیا کسوٹی ہے، انہی چیزوں کے بارے میں تمیز نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی پائے کی شخصیات بڑے اطمینان سے دعویٰ کرتی ہیں کہ عزاداری ہمارے اصول دین میں سے ہے۔

دوسری بحث اصولِ عقائد کی تاریخ پیدائش سے متعلق ہے یعنی یہ عقیدہ کب سے، کس کی طرف سے اور کیسے قائم ہوا، اس سلسلے میں جب ہم قرآن کریم کی آیات پر نظر دوڑاتے ہیں تو اصول دین سے متعلق اب

تک صرف تین (۳) چیزوں تک رسائی حاصل کر سکے ہیں جو کہ توحید، نبوت اور معاد ہیں۔

علماء اور فقہاء فرماتے ہیں:

''اصول دین میں تحقیق چاہئے تقلید نہیں، علمائے اسلام کا فرمان ہے کہ اصول دین میں تقلید جائز نہیں''۔

لہٰذا اس بارے میں تحقیق و اجتہاد اپنانے کی ضرورت ہے۔ اس حکم کے بارے میں مختلف زاویہ سے بحث و گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ اصول دین کی تعداد کتنی ہے یہ تعداد کس کی تعین کردہ ہے خدا کا، نبی کریمؐ یا کسی اور کا؟۔

۲۔ اصول دین و فروع دین بننے کیلئے کس معیار اور کسوٹی سے گزرنا ہوگا۔

اُمت اسلامی میں اصول دین کی تعداد کے بارے میں فرق و مذاہب میں اختلاف پایا جاتا ہے اس سلسلے میں بعض افراد نے قرآن کریم کی پیروی کرتے ہوئے اصول دین کو توحید، نبوت اور معاد تک محدود رکھا ہے جبکہ اہل تشیع نے ان میں دو اور اصولوں کا اصول مذہب کے نام سے اضافہ کیا ہے بعض نے ان کے علاوہ کچھ اور اصولوں کو بھی اس میں شامل کیا ہے لہٰذا سوال یہ ہے کہ آیا اصول دین کی تعداد میں تقلید ہے یعنی بزرگ علماء یا علمائے سلف نے ان کی جتنی تعداد بتائی ہے، ہمیں اس میں اضافہ یا کمی کرنے کا حق نہیں ہے گویا تعداد اصول دین میں ہم ایک حوالے سے مقلد ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ اصول دین میں تقلید نہیں یہ ایک حوالے سے اپنی جگہ مشکوک و کمزور بات بن جاتی ہے کیونکہ ہم پہلے ہی ان کی تعداد میں مقلد ہیں یہاں سے انتہائی شدت کے ساتھ یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی چیز کو اصول دین یا فروع دین میں گردانے کیلئے کوئی اصول ہونا چاہیے اور اس اصول کو اپنی جگہ اتنا مدلل ہونا چاہئے کہ اس کی دلیل ناقابل تردید ہو، اس سلسلے میں علمائے اعلام نے اصول دین اور فروع دین کے درمیان تمیز کرنے کی کسوٹی کا مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں مفروضہ قائم کیا ہے۔

۱۔ جو چیز صرف عقل ہی سے ثابت ہو، وہ اصول دین میں شامل ہوگی یعنی وہ دین کی بنیاد ہوگی گویا یہیں سے دین شروع ہوتا ہے اس معیار کے تحت اصول دین میں صرف وجود باری تعالیٰ آتا ہے یعنی اس میں اس کے وجود کا اثبات کرنا اور توحید و واحدانیت کا اقرار کرنا شامل ہوتا ہے جہاں کسی قسم کے مشاہدات و تعلیمات کی بھی رسائی نہیں ہے۔

۲۔ ہر وہ چیز جو بندہ کی قدرت واستطاعت سے باہر ہو اور جسے خدا ہی نے انجام دینا ہو وہ اصول دین قرار پاتے ہیں جیسے بعثت انبیاء اور قیامت کا برپا کرنا، یہ دونوں بندے کی استطاعت سے باہر ہیں اور بندہ اپنی طرف سے یہ کام کرنے کی کوشش بھی نہیں کرے گا لہٰذا یہ اصول دین میں شمار ہوں گے نہ کہ فروع دین میں۔

۳۔ ہر وہ چیز کہ جسے ہٹانے کے بعد کسی بھی فرع کا ثابت ہونا ممکن نہ ہو اور اس کے ہٹانے کے ساتھ ہی تمام فروع گر جاتے ہوں، وہ اصول دین میں شامل ہوگی جیسے اگر وجود خدا یا بعثت و آمد انبیاء غلط ثابت ہو جائے تو نماز سے لیکر دیگر تمام فروعات خود بخود زمین بوس ہو جائیں گے اور ان کی کوئی منطق اپنی جگہ باقی نہ رہے گی یہاں تک کہ باقی ماندہ اصول بھی از خود ختم ہو جائیں گے اور قیامت کی کوئی ضرورت نہ رہے گی چنانچہ ایمان بہ نبوت اور ایمان بہ معاد توحید کے بغیر بالکل نا قابل تصور ہونگے۔

اللہ تبارک تعالیٰ کی خالقیت اور علم وقدرت وحدانیت ثابت ہونے کا تقاضا ہے کہ اس کی طرف سے انسانوں کی ہدایت ورہبری کیلئے نمائندے بھیجے جائیں کہ جسے شرعی اصطلاح میں نبوت کہتے ہیں خدا کی طرف سے حکم اور ہدایت ورہبری بھیجے جانے کی ضرورت کو ایمان بہ نبوت کہتے ہیں یہاں بھی دلیل خالص دلیل عقلی ہے اس دلیل عقلی کی مثال یہ ہے کہ آپ کے پاس چار کا عدد ہو تو دوسرا انسان کہے کہ یہ چار مساوی تقسیم ہوگا۔ یہ ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہے یہاں کسی قسم کی دلیل نقلی کا دخل نہیں ہے۔

**نبوت پر ایمان :**

اگر کوئی انسان خداوند متعال کی طرف سے دعویٰ نبوت کرے اور اپنی نبوت کی دلیل میں معجزہ پیش کرے تو یہ عقلی دلیل ہوگی لہٰذا ایمان بہ نبوت کی اصل اور پھل دار شاخیں تینوں عقل سے متعلق ہیں یہاں کسی قسم کی نقل کی گنجائش نہیں۔

**ایمان بہ معاد :**

ایک حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد دوسری حقیقت کی ناگزیری : خدا کی طرف سے احکام اور ہدایت آنے کے بعد مطیع اور عاصی کیلئے ایک دار العدالت ہونے کے بارے میں ایمان وعقیدہ عقل ونقل دونوں سے مرکب عقیدہ ہے۔

اصول دین کے بنیادی معیار کی شناخت بیان کرنے کے بعد اگلا مرحلہ فروع دین کی شناخت ہے۔

۱)۔ ہر وہ چیز جس میں بندگی کا مظاہرہ ہو یا بندگی ثابت کرنے کیلئے ہو، وہ فروع دین میں شامل ہوگی، جب خدا اور وحدانیت خدا ثابت ہو جائے اس کا تنایا شاخ یہ ہے کہ بندہ اس کی عبادت کرے جو چیز یا عمل خدا کی عبادت اور بندگی کا مظہر جلی ہوگی وہ فروع دین میں شمار ہوگی جیسے نماز، روزہ اور حج یہ تینوں صرف اور صرف اظہار بندگی کیلئے ہیں ان میں سے کوئی بھی دنیا داری، تعمیر دنیا یا بندے کیلئے درآمدات بنانے کا ذریعہ نہیں لہٰذا یہ مخلوق اور اور خالق کے درمیان رشتہ ورابطہ ہے اگر کسی نے اس رشتہ کا تحفظ نہیں کیا تو سمجھ لیں اس کا اپنے خالق سے رابطہ ٹوٹ چکا ہے اور اپنی جڑ سے الگ ہو گیا ہے گویا جو شخص عبادت و بندگی نہیں کرتا وہ اپنے اصل کی شاخ نہیں۔

۲)۔ ہر وہ چیز جو صرف نقل سے ثابت ہو اور عقل کی اس میں کوئی مداخلت نہ ہو وہ فروع دین میں شامل ہوگی۔

جہاں تک امامت وعدالت کا مسئلہ ہے تو اس بارے میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ انھیں اصول دین میں شامل کئے جانے کی کیا منطق اور دلائل ہیں؟ اصول دین میں ان دونوں کو سب سے پہلے کس نے شامل کیا ہے؟ اس بارے میں قرآن وسنت سے نابلد وناواقف بعض جہالت فروش خطباء اور مقلدین پرست علماء کے سوا کسی برجستہ محقق کی زبانی وقلمی آثار سے کوئی محکم دلیل دیکھنے میں نہیں آیا کہ امامت وعدالت کو کس منطق کے تحت اصول دین میں شامل کیا گیا؟ اصول عقائد کے ماہرین کا کہنا ہے۔

## امامت کا اصول دین میں شامل ہونا :

۱۔ شیعوں کے بقول امامت اور اس جیسے چند دیگر امور کو ان کے دشمنوں کی ضد کی وجہ سے اصول دین میں شامل کیا گیا ہے اگر چہ وہ کسی دلیل و برہان کے بغیر اور خواہ مخواہ ہی کیوں نہ ہوں، اس طرح ولایت کے نام سے لمبی شہادت، علم کو شیعوں کی پہچان گردانا اور تبرّا کے نام سے، سبّ وشتم وغیرہ کو بھی ڈنڈے سے دین میں شامل کیا گیا ہے ان کی طرف سے اس بارے میں اگر کوئی دلیل پیش بھی کی جاتی ہے تو وہ ذاتی اجتہاد اور زور گوئی ہے کیونکہ یہاں نہ اصول

وفروع پر اردو میں کتابیں میسر ہیں نہ صاحبانِ علم ونظر کو اجتماعات میں ان مسائل کو اٹھانے کا موقع ملتا ہے نہ جرأت اور ہمت ہی ہوتی ہے ان کے پاس قرآن وسنت کی کوئی دلیل تو چھوڑیں کوئی ضعیف سند اور عقلی دلیل بھی نہیں ہوتی، اگر امامت اصول دین میں شامل ہوتی تو خود شیعہ جو اہل بیتؑ کے جانشین رسولؐ ہونے کے معتقد ہیں وہ شرائط وصفات اور طریقہ انتخاب کیلئے کم وکیف پر اتفاق کرتے لیکن وہ اس مسئلے پر خود فرقہ در فرقہ ہو گئے۔ ہر دن نئی شرائط اضافہ کی جاتی ہیں تو پھر ان شرائط کو اجتماعی وسیاسی بائیکاٹ، مرتد وتہمت، قتل وغیرہ کے سائے میں منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ امامت کو اصول دین میں شامل کرنے کا نعرہ دین یا آئمہ طاہرینؑ کی خدمت نہیں بلکہ دین کو اوپر لے جا کر نیچے گرانے کے مترادف ہے۔

کسی بھی چیز کے اصول دین میں شامل کرنے کیلئے کسوٹی ہے اور اس کسوٹی سے گزرے بغیر کسی چیز کا اصول دین میں شامل کیا جانا من مانی متصور ہوگا اور اس طرح سے اصول وفروع میں تمیز کرنے والی تمام کسوٹیاں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

۲۔ اصول دین میں وہی آتا جس میں قیام قیامت تک خلل اور وقفے کی گنجائش نہ ہو، اس اصول کے تحت اگر امامت کے تعین پر نص صریح رسولؐ کی بنیاد پر بالفرض یقین کیا جائے تب بھی مندرجہ ذیل موارد میں ہمیں سوالیہ فقرے کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کا جواب دیئے بغیر ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں۔

۱)۔ امام یعنی جانشینِ پیغمبر اسلامؐ کا تعین وتقرر جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ وہ پیغمبرؐ کی طرف سے ہونا چاہیے اور ان کا کا کہنا ہے اس میں لوگوں کا کوئی کردار نہیں ہے۔

۲)۔ حضرت علیؑ لوگوں کی طرف سے منتخب نہ ہونے کی وجہ سے پچیس (۲۵) سال خلافت سے محروم رہے جب لوگوں نے آپؑ کو انتخاب کیا تب خلیفہ بنے۔

۳)۔ نہج البلاغہ کے خطب ومکتوب پُر ہیں کہ آپؑ نے لوگوں کے بیعت کرنے کی یا نہ کرنے کی شکایت کی ہے یا بیعت نہ کرنے کی مذمت اور بیعت کرنے کے بعد وفاداری کی ضرورت پر زور دیا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

۴)۔ حضرت علیؑ کی جانشینی تمام علماء کے اتفاق سے سنت سے ثابت ہے نہ کہ عقل سے لہٰذا اصول

دین بننے کی دوسری کسوٹی جو عقل ہے کہ صرف عقل سے ثابت ہوتا ہوا امامت اس میں نہیں آتی ہے۔

۵)۔ یہ جو عقیدہ ہے کہ ہر دور میں امامت ہونی چاہیے وہ شیعہ اثنا عشریوں کا عقیدہ نہیں وہ منحرف و گمراہ غالیوں کا عقیدہ ہے اگر اس کی ضرورت مسلم ہے تو حضرت عیسیٰؑ سے ہمارے پیغمبرؐ کے دور تک امامت کہاں تھی؟۔

(۱)۔ صرف چالیس (۴۰) اور پچاس (۵۰) افراد کے سوا پوری امت یعنی انصار و مہاجرین نے اس نص صریح سے کیسے اور کیوں روگردانی کی؟ ان کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ یہ لوگ مرتد ہوئے ہیں تو اس مرتد کی بھی توجیہ اور منطق ہونی چاہئے، اس دین کو کیا کہیں گے نبی کی وفات کے بعد پوری امت کا نوے فیصد حصہ مرتد ہو گیا تو اُن مرتدین کا اور اِن مرتدین کے ساتھ کیسے فرق رکھیں گے جن کے خلاف حضرت علیؑ اور آپؑ کے برجستہ اصحاب نے جنگ بھی لڑی ہے تو خود حضرت علیؑ کے کردار کی کیا تفسیر ہوگی جنہوں نے بعد میں مرتدین کا ساتھ دیا اور جب خلافت ملی تو مرتدین کے خلیفہ بنے؟! گویا ان کو نہ علیؑ سے واسطہ ہے نہ اولادِ علی سے واسطہ ہے جو اسلام کو کسی بھی چہرے میں سالم دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح کہیں بھی کوئی مرتد اور منحرف ہو جاتا ہے تو اس کی توجیہ ضرور بیان کی جاتی ہے لیکن امامت پر نص صریح کی مخالفت کرنے والے کے مرتد ہونے کی کوئی دلیل و توجیہ کسی نے پیش نہیں کی ہے۔

(۲)۔ خود حضرت علیؑ نے بعد میں انہی خلفاء سے اتفاق کیا جبکہ اصول دین میں صلح و مصالحہ نہیں ہوتا ہے کیونکہ اصول وہی ہے جو نا قابل مصالحت نہ ہو۔

(۳)۔ آپ کے اپنے خاندان سے محمد حنفیہ اور ان کے بیٹے ہاشم نے دعویٰ امامت کیا، بعد میں ہاشم کے بیٹے نے امامت کو بنی عباس کے امام ابراہیم کے حوالے کیا۔

(۴)۔ زید بن علیؑ اور ان کے خاندان کے ہمنواؤں نے امامت کیلئے صرف قیام باسیف کی شرط عائد کر کے امام زین العابدین، امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام کی بجائے خود کو امامت کیلئے پیش کیا اس بنیاد پر کہ ان آئمہؑ نے قیام باسیف نہیں کیا ہے۔

(۵)۔ امام حسنؑ کے فرزندوں میں سے عبداللہ بن محض جو کہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام دونوں کی نسل

سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے اس نص کو بالکل نظر انداز کر کے اپنے دونوں بیٹوں محمد نفس ذکیہ اور ابراہیم کی بیک وقت بیعت کی۔

(۶)۔امام جعفر صادقؑ کے بعد اہل بیتؑ کے ماننے والوں یا شیعوں نے امامت کو آپؑ کے بیٹے اسماعیل اور ان کے بیٹے محمد میں منتقل کیا۔

(۷)۔امام جعفر صادقؑ کے بڑے بیٹے عبداللہ افطح نے بھی دعویٰ امامت کیا۔

(۸)۔واقفیہ کی طرف سے امام موسیٰ بن جعفرؑ کی مہدویت کا اعلان کر کے امامت کے خاتمے کا اعلان کیا گیا۔

(۹)۔لہٰذا یہ کون سی نص تھی جو صریح ہونے کے باوجود علیؑ اور آپؑ کے خاندان کے قریب سے قریب تر فرد سے بھی مخفی اور پوشیدہ رہی یا اسے سرے سے ہی نظر انداز کیا گیا۔

(۱۰)۔اگر امامت کو اہل بیتؑ ہی گردانا جائے تو یہ تسلسل امام مہدیؑ پر ختم ہو جاتا ہے ایسی صورت میں ان افراد کو خوش قسمت سمجھیں گے جو اماموں کے دور میں ان سے فیض یاب ہوئے تھے جبکہ وہ افراد جنھیں ۲۶۰ھ کے بعد سے امامت و رہبری نصیب نہیں ہوئی انکے دور کو بد بخت و بد نصیب لوگوں کا دور کہا جائے گا۔

۶)۔شیعوں کے ہاں امامت ہر دور کیلئے نا قابل تردید حقیقت ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے تو پھر پورے عالم تشیع میں اور پھر ہمارے ملک اور صوبائی سطح پر تو چھوڑیں ضلعی سطح پر کوئی نظام امامت ہے جو شیعوں کے معاملات کی نگرانی کر رہا ہو۔اصل بات یہ ہے کہ امت اس وقت تتر بتر اور تقسیم ہو کر کے تاریخ کے کچرہ دانوں اور کباڑ خانوں میں گرتی جا رہی ہے، ان کا واویلا، محرم میں آنکھیں خیرہ کر کے دیوانہ پن کے انداز میں سینہ پیٹنے کے برابر ہے کیونکہ اس کی جڑیں نہ زمین سے ملتی ہیں نہ آسمان سے، اس امت کے لوگوں کے دین و مذہب کو دشمنان اسلام کے دائرے سے نکال کر پاگل پن کی دلدل میں چھوڑ دیا گیا ہے۔

اس اصول کے تحت نسب خلیفہ اور جانشین پیغمبر عقل سے ثابت نہیں ہے بلکہ نقل سے ہے کیونکہ اہل تشیع کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ اور دیگر آئمہ طاہرینؑ کی امامت فرمان و نص پیغمبرؐ سے ثابت ہے تو جو چیز نص پیغمبرؐ سے ثابت ہو وہ اصول دین میں نہیں ہوگی وہ فروع دین میں ہوگی اور علماء و مجتہدین کے قول کی بنا پر اصول دین میں تقلید نہیں، اس حوالے سے امامت اصول دین میں شامل نہیں ہوتی ہے کیونکہ امامت آئمہ چندین

راویوں کی روایات پہ اعتماد و بھروسہ کرنے سے ہی ثابت ہوتی ہے لہٰذا یہ اصول دین میں نہیں بلکہ فروع دین میں شامل ہوتی ہے۔

## عدالت : [1]

عدالت قرآن وسنت مں مندرجہ ذیل معانی میں استعمال ہوئی ہے :

۱)۔ ایک چیز کا دوسری چیز کیساتھ موزوں ومتناسب قرار پانا۔یعنی ہر ایک چیز اپنی مقدار اور ضرورت کے مطابق ہو، مثلاً ایک غذا سالن ہے اس میں اگر ۵ کلو پانی ہے تو اس میں ۵ کلو نمک ڈالنا عدالت نہیں ہے یعنی وزن میں برابر کرنا عدالت نہیں، ۵ کلو پانی کیلئے کتنی مقدار نمک درکار ہے وہ درکار مقدار معلوم کر لینے کا نام توازن ہے اسی معنی ومفہوم میں تمام دوائیں اور کیمیائی ترکیبات میں عدالت ہے لہٰذا اگر ان ادویات کے لیبل کو دیکھیں گے تو لکھا ہوا پائیں گے کہ اس دوا میں فلاں چیز کی مقدار اتنی ہے اور فلاں کی مقدار اتنی ہے۔

۲)۔ عدالت یعنی تساوی، برابری یعنی کسی قسم کی برتری، اضافہ اور ترجیح نہ پائی جائے سب یکساں، برابر ہوں تو بعض جگہ مساوی ہونا یا برابر ہونا عین عدالت ہے اور بعض جگہ تساوی اور برابری اپنی جگہ ظلم وجنایت ہیں جیسا کہ عالم وجاہل، فاسق وعابد، امام ورعیت کو برابر مقام دینا یہ تساوی ہے اسی طرح ماہر نقشہ بنانے والا اور ایک اینٹ بحری لگانے والے کا تساوی ہونا درحقیقت ظلم ہے جس مساوات کے دنیا کفر وشرک نے اعلان کیا ہے جیسے مرد اور عورت میں برابر مساوات وہ ظلم وبربریت، اختلال نظام معاشرے میں عدم توازن کے مترادف ہے وہ عدل نہیں ہے۔

۳)۔ ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھنا، ہر ایک کو اس کا حق مل جائے بیوی کو اپنا حق ملے، شوہر کو اپنا حق ملے، مزدور کو اپنا حق ملے، صفائی کرنے والے کو اپنا حق ملے استاد کو اپنا حق ملے۔ ہر ایک کا مقررہ حق اس کو ملنے کا نام عدالت ہے۔

۴)۔ ہر ایک کو اس کے استحقاق، اسکے عمل کے مطابق، اسکے کردار کے مطابق اسے حق اور اجر ملے۔

۵)۔ جو سب سے رائج اور سب سے مناسب ومتداول مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنی جگہ پر

---

[1] [اندیشہ حوزہ سال سوم شمارہ ۲، ۳ ص ۲۶۰]

رکھنا اس کو مناسب مقام دینا۔

چنانچہ امیر المومنین حضرت علیؑ نے عدل کے یہی معنی کیے ہیں۔ جبکہ جب تیسری صدی میں ابوالحسن اشعری نے مذہب جبریہ کا اعلان کیا تو خدا کے ظالم ہونے کی بات کو ردّ کرنے کیلئے عدالت کو اصول دین میں شامل کرنے کی ضرورت پڑی دین اسلام آنے کے دو صدیاں گزرنے کے بعد جس چیز کو اصول دین میں شامل کیا گیا ہو اس کی بنیاد کیا ہو سکتی ہے اور دو صدی بعد کسی چیز کو اصول دین میں شامل کرنے کی کیا منطق ہے؟ اور یہ فرق بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ ان دونوں کو نکال کر فروع دین میں شامل کرنے والوں پر دنیوی زندگی میں کیا منفی اثرات مرتب ہوئے اور نھیں اصول دین میں شامل رکھنے کی وجہ سے متعلقہ افراد کن برکات سے محروم یا فیض یاب و بہرہ مند ہوئے ہیں، امامت اور عدالت کو اصول دین میں شامل رکھنے پر اصرار کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ تحفۃ العوام، چودہ ستارے اور حواشی فرمان علی و مقبول سے آگے بڑھ کر جید علماء و فقہاء سے اس سلسلے میں مجلّات لکھنے اور دروس دینے کی درخواست کریں تا کہ ہم جیسوں کی جوان امور کے مخالف اور جاہل ہیں ہدایت و اصلاح ہو جائے۔

عدل اُسے کہتے ہیں کہ ہر ایک کو اسکی جگہ پر رکھا جائے چنانچہ ظلم کے معنی علماء نے خلاف عدل کیے ہیں یعنی ہر ایک کو اس کی جگہ سے ہٹانے کا نام ظلم ہے یعنی کسی چیز کو اسکی شان حیثیت سے مافوق جگہ پر رکھنا ظلم ہے اور اس کو اس کی حیثیت سے محروم و کمتر جگہ پر رکھنا بھی ظلم ہے معنی و مفہوم عدل و ظلم بیان کرنے کے بعد اب ہم دین اسلام میں عدل کا تصور بیان کرتے ہیں۔

ہم عدالت اجتماعی کے پہلے مرحلے میں عدالت قرآن و سنت کی رو سے دیکھیں گے اگر ہم کہتے ہیں کہ قرآن و اسلام میں عدالت ہے یا بعض شیعہ کہتے ہیں کہ عدالت ہمارے اصول دین میں ہے یا کہتے ہیں تمام اصول و فروع کی بنیاد عدالت پر قائم ہے یہ جذباتی ہوائی قوموں کی باتیں ہیں یہ عقل، قرآن اور سنت سے کہاں تک مطابقت رکھتی ہیں؟ دوسرے مرحلے میں عالمی سطح پر جو چیخ و پکار ہے کہ ہمیں دنیا میں ایک عدل اجتماعی قائم کرنا چاہئید نیا میں عدالت کا فقدان ہے یا بڑے ملک چھوٹے ملکوں کیساتھ عدالت کا سلوک نہیں رکھتے ہیں اس کا کیا مفہوم ہے۔

## عدل کا پہلا معنی عدل تکوینی ہے۔

۱۔ کائنات کی ہر چیز خدا نے موزوں و مناسب جگہ پر رکھی ہوئی ہے ہر چیز اس کی موزوں مقدار

میں دی ہے اور اسی تناسب اور موزوں ہونے کی وجہ سے روایات میں کہتے ہیں کہ عدل سے آسمان اور زمین قائم ہیں مثلاً سورج کو خدا نے ہم سے جس فاصلے پر رکھا ہے وہ اس کا ہم سے مناسب فاصلہ ہے اگر اس میں کمی بیشی ہوتی تو ہماری زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے؟

۲۔ کائنات کی ہر چیز میں اسکی مقدار معین کر کے رکھنا بطور مثال انسانی جسم کی بقاودوام اور صحت کیلئے مندرجہ ذیل عناصر کیمیائی کی ضرورت ہے۔ علمائے انسان شناسوں کا کہنا ہے ہر ایک کی مقدار میں دوسرے سے کمی بیشی کا اختلاف پایا جاتا ہے اس کمی بیشی میں اگر اضافہ ہو جائے تو نظام جسم میں خلل پیدا ہوا جائے گا۔ غرض کائنات کی تکوین اور وجود میں لانے اور نظام کو برقرار رکھنے میں، خاتمے میں، ہر چیز میں عدالت موجود ہے۔

۳۔ نظام شرعی: خداوندا کبر نے جو نظام کائنات میں انسانوں کو اپنانے اور اسکی پابندی کا حکم دیا ہے اور ہر ایک کو ایک حد معین و مقرر پر رکھا ہے اسکی ہر شق عدالت پر قائم ہے اس قانون میں کسی فرد کیساتھ اضافت و کوتاہی نہیں ہوئی ہے۔

دورِ نبی کریمؐ سے لے کر ظہور معتزلہ تک عدالت نامی کوئی چیز اصل اصول کے طور پر موضوع بحث و گفتگو نہیں تھی بلکہ یہ اشعری اور معتزلہ کی کشمکش کا پیدا شدہ نزاعی مسئلہ ہے جس طرح مامون کے دور میں مخلوقیتِ قرآن کی بحث چلی اسی طرح وقتاً فوقتاً عالمی افق پر یا ملکی اور علاقائی سطح پر کوئی مسئلہ ابھر کر سامنے آتا ہے یا اٹھایا جاتا ہے اس کیلئے جانوں کی قربانیاں دی جاتی ہیں بعد ازاں وہ مسئلہ دب جاتا ہے جسے اصول دین یا جزءِ دین قرار نہیں دیا جا سکتا اسی سلسلے کی ایک کڑی اشعری اور معتزلہ کے درمیان پیدا شدہ تنازعہ تھا جس کا موضوع بندوں کے افعال انسان کے پیدا کردہ ہیں یا خدا کے پیدا کردہ۔ اس اختلاف سے خدا کے عادل ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ موضوع بحث بنا دراصل یہ فکر اشعری کی ہے ''جو ۲۶۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوا اور ۳۲۴ھ کو بغداد میں وفات پائی'' یہ اپنے استاد ابوعلی جبائی سے اختلاف کی بنا پر اس سے الگ ہوا اور ایک نیا فرقہ بنایا جس کے بعد ''عدالت'' اصول دین میں شامل ہوئی۔

اُمت اسلام یعنی گذشتہ انبیائے الٰہی کے زمانے میں کوئی ایسی تحریک نہیں چلی جس سے یہ تاثر ملتا ہو کہ خدا ظالم ہے اور نہ اب امت اسلامی میں کوئی ایسی تحریک ہے کسی کلمے کو نتیجہ بنا کر اس کا ڈھنڈورا پیٹنے کو علمی اور دینی مسئلہ نہیں کہا جاتا بلکہ وہ سیاسی ہی ہوتا ہے۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے پیش کردہ انبیاءؑ کی

عدالت اور ہوس رانانِ اقتدار کی عدالت میں کیا فرق ہے۔

دنیا میں اقتدار کی ہوس رکھنے والے اپنی کرسی کی خاطر، جینے اور کمانے کیلئے عدالت کا نعرہ بلند کر کے تاریخ کے صفحات کو ظلم سے سیاہ کرتے ہیں، عدالت کا یہ طریقہ استعمار گر اور دنیا پرست لوگوں کا شعار ہے جبکہ انبیاء کی عدالت خواہی دو (۲) پلّوں کے درمیان چلتی ہے ایک طرف خداوند علیم وقدیر پر ایمان ہوتا ہے تو دوسری طرف سزا و پاداش کیلئے دار آخرت ہوتی ہے جبکہ ترازو کے درمیانی دستے کو پکڑنے والے خود انبیاءؑ اور ان کے بعد کے جانشینِ برحق ہوتے ہیں انبیاءؑ کی لائی ہوئی عدالت جیسا کہ سورۂ حدید کی آیت (۲۵) میں آیا ہے :

﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ ''یقیناً بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیاں دے کر اور نازل کی ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان تا کہ قائم ہوں انسان انصاف پر''۔

جو لوگ نماز، روزہ اور عدالت قائم کرتے ہیں تو وہ خدا اور رسولؐ کے سامنے خوش بخت، سعادت منداور خوش رو انسان ثابت ہوں گے تاہم جس کسی نے اس بارے میں سستی اور کاہلی برتی وہ بد بخت، بدنصیب اور عذاب آخرت کا حقدار قرار پائیں گے۔

ہمارے ہاں دوسروں سے سلوک اور رویئے سے متعلق عدالت شناسی یا عدالت خواہی چاہنے والا کوئی سفید و روشن چہرہ نظر نہیں آتا جس کے نتیجے میں بے قصور اور غیر متعلقہ افراد بھی ہمارے غم وغصہ اور عتاب وعقاب کی لپیٹ اور زد میں آتے ہیں یہ سب کچھ اس لئے ہے کیونکہ ہماری عدالت قرآن وسنت سے بہت اجنبی اور مختلف ہے حالانکہ قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی عدالت سے پیش آیا جائے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ﴾

''اور کسی قوم کی دشمنی تمہاری بے انصافی کا سبب نہ بنے (ہر حال میں) عدل کرو! یہی تقویٰ کے قریب ترین ہے''۔ (مائدہ ۸)

جبکہ ہم دشمن بنانے پر اصرار کرتے ہیں، بتائیں یہ کون سی عدالت ہے جسے اصول دین میں گنا جا رہا ہے اگر اس حوالے سے ان دینی مسائل کو ''جنھیں آپ بنیاد قرار دیتے ہیں'' ہوا یا فضا میں معلق رکھ کر اور غم وغصے سے زندہ رکھ کر تو آپ میں اور دیگر بے بنیاد باطل ومنحرف مذاہب میں تمیز کیسے کی جا سکتی ہے۔

**سوال؟**

اگراس وقت جو کچھ ہورہا ہے وہ سب کا سب غلط ہے تو صحیح چیزوں کو کیوں سامنے نہیں لایا جاتا؟

**جواب :**

(۱)۔اگر کوئی شخص کسی مسئلے پر اعتراض یا استفسار کرتا ہے کیا یہی شخص اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ اپنے اعتراض یا سوال کا جواب بھی خود دے، اگر یہ مفروضہ صحیح ہے جس کے تحت ہر سوال کرنے والے کو خود ہی اس کا جواب دینا ضروری ہے تو دنیا میں ہر الٹا سیدھا اور جاہل انسان بھی اعلیٰ درس گاہوں میں درس دینے والا اعلیٰ وارفع منصب کا دعویدار بن سکتا ہے کیوں کہ وہ سوال واعتراض کرنے والوں کو یہ کہہ سکتا ہے کہ تم خود اس سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے ہو۔

(۲)۔میں کوئی نبی نہیں اور نہ کوئی نیا دین لے کر آیا ہوں بلکہ میں اسی دین پر قائم ہوں جو آج سے چودہ (۱۴۰۰) سو سال پہلے حضرت محمدؐ لائے تھے تاہم یہ دین اس وقت گمنام اور متروک یا پھر خرافاتی کباڑوں اور کچروں تلے دبا ہوا ہے بعض حلقوں کا اس پر قبضہ ہے ہماری ان لوگوں سے دست بستہ التماس ہے کہ آپ ذرا راستے سے ہٹ جائیں تو ہم اس دین کو خرافاتی کباڑوں سے نکال کر اس پر لگے گرد وغبار کو صاف کر کے منظر عام پر لائیں پھر یہ آپ کیلئے قابل دید ہوگا۔

# گذشتہ گان کی پیروی

کفروشرک اورادیان ومذاہب باطلہ قدیم زمانے سے مختلف زاویئے اور پیرائے سے عام انسانوں کو گذشتگان سے باندھ کرر کھنے اوران کی تأسی اوران کی مخالفت سے روکنے کی سرتوڑکوشش کرتے آئے ہیں ان کا مقصد یہ تھا کہ جن طوروطریقوں میں ان کے مفادات کا تحفظ ہورہا ہے اس میں کسی قسم کی اصلاح و تبدیلی نہ ہونے پائے گویا گذشتگان کی سیرت کی دیوار مصلحین کیلئے ایک ایسی بلندوبالا دیوار ہے جسے توڑنا یا چھلانگ لگانا ایک قسم کا ناممکن عمل ہے جہاں مشرکین وکافرین کی اپنے آباواجداد کی پیروی کرنے پر اصرار کی بات ہے دوسری جانب آج تمام مذاہب کی طرف سے اپنے گذشتگان کی تقدیس واحترام پر قائم ودائم اور باقی رہنے کا اصرار نہیں۔ چند دلائل اور منطق پیش کرتے ہیں، ان کے پاس اس سلسلے میں درج ذیل دلائل ہیں :

۱۔ نبی کریمؐ سے مروی حدیث میں آیا ہے کہ ''لاتجتمع الامتی علی الخطا ''میری امت خطاو غلطی پر اتفاق نہیں کرے گی۔

۲۔ یقیناً گذشتگان پیغمبرؐ کے دور سے قریب تھے اور ہم سے بہتر تھے لہٰذا ہمیں ان کی تأسی وپیروی کرنا چاہئے۔

۳۔ بہت سی کتب ضائع اور ناپید ہوگئیں اسی طرح احادیث نبیؐ بھی تاریخی صفحات سے غائب ہیں چنانچہ کتب شناس علماء کا کہنا ہے کہ اگر معاشرے میں کوئی دینی رسم ورواج یا اس سلسلے میں کوئی فتویٰ موجود ہے تو یقیناً انہی احادیث اور تاریخی اسناد کے تحت ہوگا اور انہی مصادر کے تحت یہ چیزیں جاری ہوں گی جو ہم تک نہیں پہنچی ہیں۔

۴۔ بہت سے قول وفعل ایسے ہیں جن کا اظہار علماء کے سامنے بلکہ اس پر عمل درآمد بھی ہوتا آیا ہے لیکن انھوں نے کسی قسم کی قولی اور فعلی مخالفت نہیں کی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چیزیں شریعت کی رو سے ناجائز یا ناپسندیدہ نہیں ہیں۔

ان مفروضات اور بہت سے دیگر وہمیات کے علاوہ کفروشرک کے مذموم افکار ونظریات سے آمیزش ہونے

کی بنیاد پر اپنے دین سے بے دردی اور بیرونی طور پر کافروں اور مشرکین کی پشت پناہی سے ہمارے اوپر اعتراض وانتقاد کی زبان کھولتے ہوئے کہتے اور لکھتے ہیں کہ جو باتیں آپ کہتے ہیں وہ اگر صحیح ہیں تو اتنے عرصے سے بڑے بڑے علماء کرتے رہے ہیں، نعوذ باللہ وہ ناسمجھ، بے دین یا بے ہمت انسان تھے اور اب آپ پہلی بار میدان میں آئے ہیں؟۔

**جواب :**

ہم مخالفین کی طرف سے نقد وتنقید کے خلاف قرآن کریم کی ہدایت ورہبری کے تحت سبّ ودشنام، طنزیہ انداز، مقابلہ بالمثل اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے وغیرہ کی منطق سے شدید گریز کرتے ہیں اور قرآن کے فرمان کے مطابق جواب احسن دیتے ہوئے انھیں سلام کرتے ہیں:

﴿وَقُلْ سَلَامٌ﴾ ''اور کہو، تمہیں سلام''۔ (زخرف ۸۹) نساء ۹۴، فرقان ۶۳۔

گذشتگان کی تقدیس کیلئے جن نکات سے استناد کرتے ہیں ان کا تجزیہ وتحلیل کر کے اپنے عرائض پیش کرتے ہیں :

ا۔ جن احادیث کو گذشتگان کی تقدیس کیلئے سب سے پہلے پیش کرتے ہیں، ان احادیث کے عربی قواعد کے تحت دو تصورات بنتے ہیں:

الف)۔ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی امت کو کسی خطا پر اتفاق نہ کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی، اگر معاشرے میں غلط رواج ہے تو امت کی وحدت واتفاق کی خاطر اس غلط پر متفق نہیں ہونا چاہئے۔

ب)۔ پیغمبر اسلامؐ نے خبر دی ہے کہ میری امت خطا اور غلطی پر اتفاق نہیں کرے گی یہ معنی عقل و منطق اور قرآن وسنت کے علاوہ تجربے کے تحت بالکل صحیح نظر آتا ہے۔ ہمیں اس جیسی کوئی حدیث ''طابق نعل باالنعل'' نظر نہیں آئی جس پر پوری امت عمل کرتی آئی ہو۔

نبی کریمؐ کے بعد امت گروہ در گروہ اور فرقے در فرقوں میں بٹ گئی لیکن باطل پر کبھی اتفاق نہیں کیا ہے اگر چہ دشمنان اسلام کی طرف سے باریک بینی، گہرائی، فلسفی اور سائنسی ذرائع اور وسائل کو استعمال ہی کیوں نہ کیا ہو، البتہ اندرونی طور پر امت کی بڑی سے بڑی شخصیات میں بھی اختلافات ہیں لہٰذا امت نبی کو چاہئے کہ وہ نبی کریمؐ کے بعد کسی بھی فرد، ہستی یا گروہ کو خاندان یا شہرت کی بنیاد پر اس کے قول وفعل کو عین شریعت اور حجت آخر تصور نہ کرے یا مقدس نہ سمجھے بلکہ دوٹوک الفاظ میں مخالفت کریں اور اپنا فیصلہ حکم قرآن کے تحت جہاں خدا فرماتے ہیں:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اَطِیعُوا اللّٰهَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ ''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور صاحبانِ اقتدار و اختیار کی جو تم میں سے ہوں''۔ (نساء ۵۹)

یعنی قرآن اور سیرت رسول کو بنیاد بنائیں جہاں روگردانی کرنے کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر ہے لہٰذا اب بھی دردمند اور مخلص مسلمان اور علماء کو مقدم اور شہرت یا ضروریات مذہب یا کسی کتاب کی تعریف کو لاٹھی کے طور پر استعمال کرنے سے شدید گریز کرنا چاہئے بلکہ صریح آیات قرآنی اور احادیث کی سند و متن کی بنیاد پر فیصلہ کریں مذاہب کے آئمہ، تابعین، اصحاب، خلفائے راشدین یا پھر ائمہ طاہرینؑ میں سے کسی کا بھی قول اس وقت تک حجت نہیں جب تک ان کے قول کی سند قرآن اور سنت رسول اللہؐ سے نہ ہو۔

۲۔ گذشتگان ہم سے بہتر تھے :

اس کی کوئی سند نہ قرآن سے ملتی ہے نہ مستند احادیث سے، خدا اور رسولؐ پر ایمان اور ان کی طرف جھکاؤ یا اولاد، مال و متاع اور مقام و شہرت سے محبت رکھنے کے حوالے سے گذشتگان اور دور حاضر کے لوگوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے تاہم اصحاب کردار و سیرت میں اپنے زمانے میں ایک دوسرے سے فرق رکھتے تھے اسی طرح ان کی اولادوں اور نسلوں میں بھی فرق تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ بعض لوگوں نے دین و مذہب کو داؤ پر لگا کر اپنی دنیا بسائی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک صدی گزرنے سے پہلے ہی کفر و زندیق کے انحراف، غلاظت اور گمراہی کے طوفان نے امت اسلامی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اب بھی دنیا میں جہاں ایک طرف دین کے شیدائی اور اس پر جان دینے والے ہیں تو دوسری طرف دین فروخت کر کے گزر اوقات کرنے والے ہیں اور خود کو مسلمان ظاہر کر کے نماز پڑھنے والے اور کفر و شرک کی خاطر جاسوسی کر کے ان کے مفادات کو عملی جامہ پہنانے والے بھی موجود ہیں، اس لئے گذشتگان کو موجودہ دور سے بہتر گردانے کی کوئی منطق نہیں، اگر اس منطق کو صحیح مان لیا جائے تو ایک صدی گزر جانے کے بعد ہم بھی مقدس بن جائیں گے بلکہ ہم ان سے افضل بنیں گے اور بعد والوں کیلئے ہماری ایجاد کردہ تمام خرافات اور بت پرستی دین و مذہب کی حیثیت اختیار کر جائے گی۔

**سوال؟** وہ تمام مظاہر دینی رسومات جن کو آپ غلط قرار دیتے ہیں ان کو صدیوں سے علما و فقہاء اور مجتہدین کے حضور بیان کیا جاتا رہا ہے اگر یہ غلط ہوتا تو علما، فقہاء اور مجتہدین اپنے قول و فعل سے اس سے منع کرتے لہٰذا ان کا اس سلسلے میں کوئی کاروائی اور قدم نہ اٹھانا کیا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ شریعت سے متصادم نہیں تھے اور نہ ہیں؟

**جواب :**

۱۔ ابھی تک پیغمبرؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے سکوت و خاموشی کو تو شرعی دلیل اور حجت قرار دیا گیا ہے لیکن ان ذوات کے علاوہ مجتہدین اور علماء کی خاموشی اور سکوت کو بھی حجت قرار دیا گیا اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔

۲۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ تمام علماء خرافات پر خاموش رہے ہیں بلکہ بعض گرچہ بہت ہی کم تھے انھوں نے ان کے خلاف آواز ضرور بلند کی ہے لیکن ان کی قد و قامت اور آواز معاشرے کی محدودیت کے باعث مؤثر ثابت نہ ہوسکی۔ کسی کی آواز کے مؤثر نہ ہونے کو کچھ نہ کہنے کے برابر تصور کر نے کی کوئی دلیل یا منطق نہیں بنتی لہٰذا بہت سے علماء ایسے تھے جنھوں نے خرافات کے عمل سے منع کیا اور یہ باتیں اب بھی کتابوں میں موجود ہیں چنانچہ اس کی واضح مثال قیام امام حسینؑ کے بارے میں رائج جعلیات، خرافات جسے بڑے بڑے علماء معلوم ہونے کے باوجود دبا کر پڑھتے ہیں جبکہ ان کے بارے میں آج سے اسی (۸۰) سال پہلے علامہ شاکر امروہوی نے دو کتابیں لکھی ہے جس کی پہلی جلد دار الثقافۃ الاسلامیہ نے نشر کیا دوسری جلد شاید مفاد پرستوں کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ اس سے زیادہ واضح مثال قامہ، زنجیر زنی اور دیگر غلو گیرائی کے حرمت کے بارے میں حکم دینے کے باوجود مفاد پرستوں نے دبا دیا۔ تاہم انھیں نشر نہیں ہونے دیا جاتا اس کی تازہ و زندہ مثال یہ ہے کہ اس وقت ہماری کتابیں پڑھنے یا کتب فروشوں کے پاس رکھنے سے منع کیا جاتا ہے۔

۳۔ **شہرت اور سنت فتوائی ہے :**

کتب فقہ میں بہت سے ایسے فتاویٰ موجود ہیں لیکن ان کی سند احادیث سے نہیں ملتی اور یہ کہنا کہ ممکن ہے ان علما اور فقہاء میں سے کسی نے حدیث کو دیکھ کر فتویٰ دیا ہو جس کی سند نہ کسی

حدیث کی کتاب میں ملتی ہے نہ ایسی کتابوں کا نام لیا گیا ہے۔

یہ مفروضہ بھی چندین حوالے سے غلط ہے :

۱۔ اس طریقہ کار کے تحت ہم کسی بھی مجتہد اور فقیہ کے غیر مستند فتویٰ کے بارے میں یہی مفروضہ قائم کر سکتے ہیں کہ ممکن ہے اس نے کوئی سند دیکھ کر فتویٰ دیا ہوگا اگر اس مفروضے کو درست قرار دیں گے تو بے سند فتویٰ دینے کا سلسلہ مزید زور پکڑے گا بہت سے فتاویٰ ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں خود فقہاء کا اعتراف ہے کہ ان کے فتویٰ کو جن احادیث سے استناد کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر کثیر احادیث کے بھی خلاف ہیں لیکن شہرت فتوائی کے تحت اس فتویٰ کو جاری رکھا گیا ہے جیسے بیت اللہ کا طواف کعبہ سے ساڑھے (۲۶) بالشت کی حدود کے اندر ہونا چاہئے وغیرہ۔

۲۔ بعض فتویٰ صریح احادیثِ معتبرہ اور مسلمہ احادیث کے خلاف ہیں اور اکثر مقامات پر عمل نہیں ہو رہا تاہم بعض جگہوں پر بعض فقہ شناس ہونے کے دعویدار علماء کی طرف سے اس عمل کو جاری رکھنے کا اصرار ہے جیسے اپنے گھروں، علاقوں سے نذر کر کے احرام باندھنے پر اصرار کرنے کے ساتھ اس کی صحت کی ضمانت بھی بہت جرأت کے ساتھ دیتے ہیں۔

۳۔ بہت سے فتاویٰ صریح آیاتِ قرآن کریم کے خلاف ہیں لیکن متعلقہ افراد کا کہنا ہے کہ ان کی سند ہمیں نہیں مل سکی۔

۴۔ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ جو کتابیں ناپید ہوگئی ہیں وہ اپنی جگہ مستند احادیث پر مبنی تھیں یا ضعیف۔

**سوال؟** ہمارے اوپر باندھی جانے والی تہمتوں میں سے ایک ہمارا لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دینے کے بارے میں مخالفین کا حسبنا کتاب اللہ کی منطق گردانا ہے اور وہ کبھی تو اس کو منطقِ عمرؓ اور کبھی اس کو منطقِ ابن تیمیہ گردانتے ہیں۔

**جواب :**

ہم قرآن وسنت کی پیروی کرتے ہوئے صرف قرآن وسیرت رسول اللہ ﷺ کی منطق میں اپنی سعادت ونجاتِ اخروی کو دیکھتے ہیں، نبی کریم ﷺ کے بعد باقی جتنی بھی ہستیاں ہوں وہ امتِ محمدؐ ہیں اور قرآن وسنت کی پیروکار وترجمان ہیں اس حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد ہمیں ''حسبنا کتاب اللہ'' کہنے والوں میں گردانا

اس انسان کی منطق کی مانند ہے کہ جس نے کہا تھا کہ خدا نے قرآن میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم دیا ہے جہاں اس نے ﴿وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ (نساء ۴۳) کو چھوڑ کر اپنا مطلب نکالا ہے، اسی طرح معترض افراد نے ہماری کتابوں میں سنت اور نہج البلاغہ سے مسلسل استناد کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ تو صرف حسبنا کتاب اللہ کا قائل ہے۔

ہمیں اس میں چنداں حیرت اور تعجب نہیں کیونکہ یہ لوگ قرآن کے بارے میں کسی بھی تعظیم واحترام کے سننے اور دیکھنے کے متحمل وقائل نہیں کیونکہ کسی بھی دن پیغمبرؐ کے حجۃ الوداع کے موقع پر دیے گئے خطبے پر عمل کر کے قرآن کو احادیث کی کسوٹی بنائیں گے تو ان کی جعلی روایتوں سے بنی ہوئی دینی عمارت زمین بوس ہو جائے گی، یہ احساس انھیں بیقرار کرتا ہے تو اسی وجہ سے انہوں نے نبی کریمؐ کے اس متواتر قول کو کہ ثقل اکبر قرآن ہے سے ناگوار ہو کر اس کی من مانی تفسیر کرنے لگے ہیں کہ نبی کریمؐ کے اس قول میں اتنا وزن نہیں (نعوذ باللہ) کہ جو قرآن کو اہل بیتؑ پر فوقیت دی جائے۔

## ثقل اکبر قرآن حکیم :

مشہور ومعروف حدیث ثقلین کے تحت قرآن کریم ثقل اکبر ہے امام جعفر صادق فرماتے ہیں:

> ''ہمارے ہر قول وفعل اور حکم کی سند قرآن اور سنت رسولؐ ہے کیونکہ ہم قرآن کے خلاف بات نہیں کرتے''۔

چنانچہ جو احادیث ہماری طرف منسوب کی جائیں انھیں قرآن کریم کی طرف پلٹایا جائے اگر قرآن کے خلاف ہوں تو انھیں باطل سمجھا جائے امام صادقؑ کے قرآن سے متعلق واضح بیان کے باوجود ہمارے اوپر ہونے والے اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ فلاں حسبنا کتاب اللہ کے قائل ہیں اور حدیث اہل بیتؑ کے منکر ہیں۔

ان کی خدمت میں عرض ہے کہ خود پیغمبر اسلامؐ اور آئمہ اطہارؑ نے قرآن کریم کو ثقل اکبر اور قرآن حکیم کو تمام احادیث کی صحت وسقم کی کسوٹی گردانا ہے قرآن شناسان کی تحقیق کی بنا پر قرآن کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو چھتیس (۶۲۳۶) ہے جبکہ تفسیر قرآن کے بارے میں آئمہ طاہرینؑ سے وارد روایات مکرر، ضعیف ومرسل کی تعداد تین ہزار تین سو باون (۳۳۵۲) بتائی جاتی ہے۔ یہ تمام روایات مجلّہ رسالۃ القرآن شمارہ ۸، صفحہ ۹۳، سنہ ۱۴۱۳، مؤسسہ دارالقرآن آیت اللہ گلپایگانی میں درج ہیں اس اعداد وشمار کے مطابق قرآن مجید کی

صرف نصف آیات کے بارے میں آئمہ طاہرینؑ سے واردروایات موجود ہیں جبکہ علماء نے روایتوں کی کتابوں جن میں ''تفسیر قمی، تفسیر امام حسن عسکریؑ اور تفسیر برہان'' شامل ہیں کو مشکوک قرار دیا ہے نبی کریمؐ اور آئمہ طاہرینؑ کی طرف سے قرآن کریم کو برتر اور مستند کسوٹی قرار دینے کے اصرار کے باوجود بعض علما کی جانب سے اس بات کا تکرار کرنا کہ قرآن کریم تو صحیح ہے لیکن اہل بیتؑ کی تفسیر کے مطابق ہونا چاہیے یا اس سے ہٹ کر قرآن کی بات کرنے والوں کو حسبنا کتاب اللہ کا دعویٰ کرنے والا قرار دینا یا بنیادی مسائل کے متعلق قرآنی آیات سے سند کا مطالبہ کرنے سے چڑنا اور قرآن کو احادیث وروایات پر مقدم رکھنے، قرآن سے سند طلب کرنے کو عترت واہل بیتؑ کی شان میں کوتاہی گردانا اور قرآن کریم کو گونگا گردانا بھی لمحۂ فکریہ ہے۔

## ہم وطنوں کی ناراضگی

ویسے تو ہماری تالیفات کے مندرجات پڑھنے اور سننے والوں کی اکثریت ہم سے خفا ہیں اس حلقے میں ہمارے علاقے کے لوگ یا ہموطنوں کا شامل ہو جانا تعجب کی بات نہیں ان کے خفا ہونے کا اصلی سبب ہمیں حال ہی میں کشف ہوا ہے کیونکہ ہماری کتابیں اسلا م کے چہرے پر منسوخ شدہ ادیان ومذاہب کی طرف سے پھینکے گئے غلو کو گردوغبار کو نشانہ بناتی ہیں تاہم ہماری کتابوں کا مقصد اہل بیت اطہارؑ کو اسلام محمدیؐ کے اصلی، حقیقی حافظ وترجمان کے طور پر پیش کرنا ہے، اس سلسلے میں ہمارے علاقہ والے بھی ہماری کتابوں کی ضد ومخالفت میں دوسروں سے آگے نہیں تو ان کے برابر ضرور ہیں ہم اب تک یہ سمجھ رہے تھے کہ ہمارے علاقے میں اسلام اصلی حالت میں موجود ہے تاہم بعد میں یہ بات غلط فہمی کا نتیجہ ثابت ہوگی کیونکہ وہاں جو کچھ بھی دین کے نام پر موجود ہے اس کی بنیاد اہل بیتؑ سے منسوب غلو سے بھرپور اشعار وقصائد ہیں ان اشعار کا قرآن وسنت کے خلاف ہونا ثابت ہو جانے پر وہاں کے ظاہری دین ودیانت کی عمارت بھی زمین بوس ہو جائے گی لہٰذا ان کا ناراض نالاں ہو جانا چنداں تعجب کی بات نہیں۔ حیوان کا استقبال کرنا، اسے مشرکین کی طرح وقف کر کے اس کے اخراجات مال امام اور نذر ونیاز سے دینا اور ایک حیوان کو سواری امام قرار دے کر اس کیلئے اشرف المخلوقات انسان کو خدمت گزاری کیلئے متعین کرنا ان کے ایسے اقدامات ہیں جس کی مذمت ہم نے کتاب افق گفتگو میں کی ہے جس کے بعد بلتستان کے لوگوں کا خفا ہو جانا تعجب کی بات

نہیں، یہ لوگ اس سے پہلے اس حدتک گھوڑا پرستی کے قائل تو نہیں تھے تاہم ان رسومات کے علاقے میں رائج ہوجانے کے باوجود ذمہ دارافراد خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں اور یہی لوگ ان رسومات کا ہماری کتابوں کے ذریعے تاریخی صفحات پر درج ہونے سے نالاں ہیں علاوہ ازیں چندسطریں وہاں کے علمائے اعلام کے بارے میں نوکِ قلم سے سقط ہوکر تحریر میں آئیں کیونکہ انھوں نے وہاں سرگرم لادینی طاقتوں کے بارے میں خاموشی اختیار کررکھی ہے جبکہ بعض مقامات اور مواقع پر لادین عناصر کی حمایت بھی کرتے رہتے ہیں پوری دنیا اور ہمارے ملک میں کفار اور باطل عناصر کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے سامنے علمائے اعلام کا بے بس و بے چارہ ہوکر رہ جانا ایک حقیقت ہے انہی کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بے چارے کیا کرسکتے ہیں لیکن ہمارا کہنا ہے کہ اگر ہم باطل سرگرمیوں کی روک تھام میں کردار ادا نہیں کرسکتے تو ہماری طرف سے کسی کی حمایت وتائید اور خوشنودی کی تأثر بھی نہیں ملنا چاہیے ہمارا قصور بس یہی ہے کہ اگر ہم یہی بات کسی اور علاقے یا شہر کے لوگوں کے بارے میں کرتے تو ہمارے علاقے کے لوگ خوش ہوجاتے یا کم از کم ناراض نہ ہوتے لیکن اپنے علاقہ کے بارے میں کچھ کہنے پر زیادہ خفا ہوجانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر قوم پرستی کس حدتک سرائیت کرچکی ہے اور کس حدتک قوم پرست ہیں۔

## وقت کی مصلحت اندیشی ؟

**سوال؟** کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس وقت ہماری کتابوں کا منظر عام پر لایا جانا قطعاً مصلحت نہیں۔

**جواب :**

۱۔ ہم اس سلسلے میں متعلقہ بزرگانِ ملت سے استفسار کرتے ہیں کہ وہ یہ بتائیں کہ یہ کس کی مصلحت میں نہیں ہے، ہماری مصلحت میں نہیں یا آپ کی مصلحت میں نہیں یا اسلام کی مصلحت میں نہیں؟ البتہ یہ تو ثابت ہوگیا ہے کہ ہم ایک بدنام، مفلوج اور تہمت زدہ انسان جیسی زندگی گزرانے پر مجبور ہوگئے ہیں کیونکہ عزیز ترین دوستوں نے ہم سے قطع تعلق کیا ہے تاکہ ہمارے بارے میں پوچھنے والے سوالات کا جواب نہ دینا پڑے، ہم نے آخرت کی مصلحت کو اپنی مصلحت پر ترجیح دی ہے اگر آخرت نامی کوئی چیز ہے تو ہمیں وہاں فائدہ ہوگا

اگر یہ کام اسلام کی مصلحت میں نہیں آپ کو چاہیے کہ اسلام کے اصول وفروع کو قرآن وسنت کی زبان میں پیش کریں اسی طرح اگر ہم قرآن وسنت سے ہٹ کر کوئی چیز پیش کر رہے ہیں تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اسلام کی مصلحت کے خلاف ہے۔

۲۔ اگر ہماری کتابوں سے امت اسلامی میں افتراق وانتشار پھیل رہا ہے تو یہ امت کی مصلحت میں نہیں جبکہ ہم خود امت میں موجود افتراق وانتشار کو ختم کرنے اور مصلحت کی سرحدوں اور دیواروں کو گرائے جانے کی دعوت دے رہے ہیں لہٰذا ہماری کتابیں امت اسلامی میں انتشار و افتراق کا باعث نہیں بلکہ دعوت وحدت کیلئے ہیں۔

۳۔ آپ کی مصلحت میں نہیں، یقیناً آپ کی مصلحت کے محافظ آپ خود ہیں ہم بے چارے آپ کی مصلحت کے محافظ نہیں ہو سکتے، اس لئے آپ اپنی مصلحت کو پورا کریں اور دوسروں سے اپنی مصلحت کی خاطر خواہی کی توقع نہ رکھیں اس وقت حالات نفسا نفسی کے دور سے گزر رہے ہیں اور کوئی کسی کی مصلحت کی خاطر فریاد رسی کو نہیں پہنچ رہا ہے۔

**سوال؟** آپ کے اعتراضات اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن انھیں منظر عام پر لانے کیلئے موجودہ وقت موزوں نہیں؟۔

**جواب :**

ہم بھی آپ کی بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مناسب وقت نہیں لیکن مناسب وقت کے تعین کیلئے کوئی مجتہد یا اسلام کی ترجمانی کرنے والا کوئی ترجمان ادارہ ہے جو یہ تشخیص کر کے بتائے کہ یہ مناسب وقت کب یا کتنے دن، ماہ اور سال بعد آئے گا، دوسری جانب وقت آنے تک ہمارے زندہ رہنے کی کوئی ضمانت بھی نہیں لہٰذا ہم نے احتیاطی تدابیر کے طور پر چند صفحات لکھ کر چھوڑ دیئے ہیں تا کہ مناسب وقت آنے پر لوگ انھیں دیکھ سکیں ہماری کتابیں آج کیلئے نہیں ہیں تو آنے والے وقت کیلئے ہی تصور کر لیں۔

**سوال؟** کیا آپ خرافات کو منکرات سمجھ کر ان کے خلاف لکھتے ہیں کیا آپ نہی از منکر کرنے کی شرائط کو اپنے اندر پاتے ہیں۔

جواب :

برادر اسلامی! آپ نے صحیح جائزہ لیا ہے ہم اپنے اندر نہی از منکر کی شرائط کو نہیں پاتے ہیں کیونکہ امر بالمعروف اور نہی از منکر وہاں ہوتا ہے جہاں لوگ اوامر الٰہی کو حکم خدا جانتے ہوئے جان بوجھ کر چھوڑتے ہوں اور منکرات جن سے شریعت نے دور رہنے کا حکم دیا ہو انھیں جان بوجھ کر انجام دیتے ہوں کیونکہ اس وقت ہمارے ہاں منکرات نے معروف کی شکل اختیار کی ہے اور معروف اپنی جگہ منکرات میں تبدیل ہوئے ہیں جیسا کہ اس وقت ہمارے یہاں اوامر و نواہی کی شکل وصورت اور ہیئت بدل چکی ہے، اس وقت مذہب وعقائد خرافات سے پُر اور واجبات ملت پرستی پر قائم ہیں لوگوں کو خرافات کی دلدل میں ڈوبی ہوئی ملت کے شیرازہ بندی کی فکر ہے کہ باطل پر اتحاد ٹوٹ نہ جائے انہیں دین کے مسخ ہونے پر کوئی پریشانی نہیں لہٰذا ہر شخص خدا اور رسولؐ کا کلمہ کی بجائے ملت وقوم کا کلمہ پڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔

**سوال؟** ساری باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن دین کے بارے میں ہر چیز کا عوام میں لایا جانا یا تمام امور کو ضبطِ تحریر میں لانا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں ہماری بعض خامیاں ہمارے دشمنوں کے ہاتھ لگ جاتی ہیں اس سلسلے میں بہت سے لوگوں نے قصے اور حکایتیں گھڑ لی ہیں جس کی کتابیں ہمارے فلاں دشمن کے پاس موجود ہیں وہ اس طریقے سے شیعوں کے سامنے بار بار اٹھاتے ہیں کہ یہ خرابیاں تمہارے ہی لوگوں کی لکھی گئی کتابوں میں موجود ہیں جو تم لوگوں پر حجت ہے۔

جواب :

کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا بذات خود موجب عقاب وعتاب اور ملامت ومذمت قرار نہیں دیا جاسکتا تاہم کسی معاملے کو جاننے، سمجھنے کے بعد کئے جانے والے سوال کو اعتراض اور نہ جاننے کی بنیاد پر کئے جانے والے سوال کو استفہام کہا جاتا ہے، سوالِ استفہام کرنا ہر جاہل ونادان کا حق ہے چاہے سوال اس کیلئے قابل فہم ودرک ہو یا اس کا اس سے واسطہ ہو یا نہ ہو۔

قرآن کریم میں ملحدین، منکرین خدا، منکرین رسالت، منکرین حشر ونشر، منکری ثواب وعقاب کے علاوہ انسانی اجسام، طبیعات اور فلکیات کے بارے میں مختلف الخیال لوگوں کے سوالات موجود ہیں خدا نے کسی بھی انسان کی اس طرح کے سوالات کرنے پر ملامت نہیں کی ہے بلکہ کبھی سائل کو اس کے سوال کی اصلاح

کر کے جواب دیا ہے تو کبھی اس کیلئے سوال کے جواب کو غیر مفید قرار دیا ہے، سائل کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ سوال جس شکل وصورت میں بھی ہو اپنا سوال کرے خاص کر نہ جانتے ہوئے، کسی معاملے میں سوال کرنے سے صرف وہی انسان پریشان ہوتا ہے جس نے حقائق کی پردہ پوشی کی ہو یا پسِ پردہ کسی ایسی چیز کا دعویٰ کیا ہو جس کا کوئی وجود یا حقیقت نہ ہو یعنی ایک مفروضہ اور خیال کو حقیقت کے رنگ کی چادر چڑھا کر پیش کرے چاہے وہ اصول اعتقادات میں سے ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ ہمارے لوگوں نے بہت سی چیزیں اصول عقائد میں شامل کر رکھی ہیں جن کے بارے میں دین اور قرآن وسنت میں کوئی دلیل موجود نہیں یا پھر یہ چیزیں اصول اور اساس دین میں سے نہیں ہیں اور اس کی محافظت کیلئے کچھ جذبات سے سرشار لوگوں کو ڈنڈے سے مجبور کیا ہے، یہ معاملہ فروع دین کا ہو یا رسومات' عزاداری کا ہو یا میلاد و تہوار کا، اسی طرح قرآن کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ فلاں انسان کے خیالات کا ترتیب دیا ہوا مجموعہ ہے جیسا کہ مشرکین نے کہا کہ یہ اساطیر اولین ہے یا کوئی شخص پیغمبرؐ کی ختم نبوت یا اصل نبوت سے انکار کرے یا وجود خدا کا ہی منکر ہو جائے۔

سوال چاہے جس کسی بھی حوالے سے ہو اور سوال دنیا کے کسی بھی مقام سے کیا گیا ہو، سوال کرنے والے کو عتاب وسرزنش کرنا یا اس پر تہمت باندھنا جواب دینے والے انسان کی ناتوانی، عقیدہ کے باطل اور موہوم ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی شخص سوال کرنے میں سنجیدہ ہے اور جواب بھی اطمینان سے سننا اور سمجھنا چاہتا ہو تو بحث وگفتگو میں حصہ لے لیکن اگر سحر وجادوگری کرنا اور دھوکہ دینا مقصود ہے تو اس کی ہرگز اجازت نہیں۔

اس سلسلے میں پہلا مقابلہ علمی گفتگو، حقیقت گوئی اور حقیقت بیانی سے ہی ہونا چاہیے لہٰذا کسی بھی چیز کے بارے میں سوال اٹھانے سے روکا جانا مذہب کی خدمت نہیں بلکہ اس پر کاری ضربت لگانا ہے۔ نمرود نے دعوائے خدائی کیا تو ابراہیمؑ نے اس سے دلیل کا مطالبہ کیا اور اس کی دلیل کو ابراہیمؑ نے مسترد کر کے سوال کرنے سے منع نہیں کیا بلکہ اسے ایک اور سوال پیش کیا جس پر وہ خاموش ہو کر رہ گیا۔

**سوال؟** آپ کی تقریر وتحریر تو درست ہیں لیکن انھیں عوام میں لایا جانا ٹھیک نہیں۔

**جواب :**

قرآن کریم، پیغمبر اسلامؐ، خلفائے راشدینؓ اور آئمہ طاہرینؑ کی قولی وفعلی سیرت پر غور وحوض کے بعد یہ

واضح وآشکار ہو جاتا ہے کہ دین اسلام کا چہرہ سیاہ وسفید صفحات دو حصوں پر مشتمل نہیں ہے جس کے تحت اس کا ایک چہرہ خواص کیلئے مخصوص ہو اور دوسرا عوام الناس کیلئے جہاں خواص کے چہرے کو عوام کے سامنے نہ لایا جائے جبکہ پیغمبرؐ کی سیرت اور امیر المومنینؑ کے کلمات سے واضح ہے کہ آپ حضرات دین کے بارے میں کوئی چیز سوائے اسرارِ جنگی کے عوام الناس سے نہیں چھپاتے تھے۔

نہج البلاغہ میں مولا علیؑ کا عوام الناس فرماتے ہیں:

''یاد رکھو مجھ پر تمہارا ایک حق یہ بھی ہے کہ جنگ کے علاوہ کسی موقع پر کسی راز کو چھپا کر نہ رکھوں''۔ [1]

اس وضاحت کے بعد روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ہمارے مذہب میں کسی بھی چیز کو عوام میں منظر عام پر لانے کی ممانعت نہیں مذہب یا اس کے بعض پہلوؤں کو عوام الناس سے چھپانے کا کام صرف باطل اور منحرف مذاہب کی سنت ہے کیونکہ وہ اپنے مذہب سے متعلق دلیل پیش کرنے سے قاصر ہوتے ہیں یا ان علماء حضرات کا کام ہے جو باطل قوتوں اور طاقتوں سے گٹھ جوڑ کر کے دین ومذہب کے خلاف سرگرم ہیں اور یہ حضرات کچھ چیزوں کو علماء کی مخصوص باتیں قرار دے کر انھیں منظر عام پر لانے سے گریز کرتے ہیں تا کہ لوگوں پر حقیقت منکشف نہ ہو۔

**سوال؟** آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ لوگوں کو دین کی دعوت دیں جبکہ آپ کی کوئی شخصیت اور حیثیت نہیں؟

**جواب :**

عرض ہے کہ اس معاشرے میں کسی بھی حوالے سے ہماری کوئی شخصیت اور حیثیت نہیں جس کی بنا پر ہم اس ملک کے ہر طبقہ کو اصلاح کی دعوت دیں دیگر برادران اسلامی کو دعوت دینا تو در کنار، ہم شیعہ ہوتے ہوئے خود شیعوں کو دعوت دینے کی حیثیت میں بھی نہیں ہم صرف اپنے مذہب پر لگے ہوئے داغ اور دھبوں کو اس کے چہرے سے ہٹانے کے داعی ہیں اور یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جس مذہب پر ہم ہیں وہ ان داغ اور دھبوں سے پاک ومنزہ ہے جن کی بنیاد پر ہمیں مشرک وکافر کہا جاتا ہے یہ حق مجھے کسی سے لینے کی ضرورت

---

[1] [الاوان لکم عندی الااحتجز دونکم سرا الافی حرب (نہج البلاغہ ک ۵۰ جوادی ص ۵۶۸)]

نہیں اور نہ ہی میں کسی کی نمائندگی کرتا ہو بلکہ میں اپنے مذہب کا دفاع کرر ہا ہوں۔

**سوال؟** آپ نے پاکستان میں شیعوں پر گزرنے والے ان ناروا مظالم کا اپنی کتابوں میں ذکر نہیں کیا؟ جس کے نتیجے میں اس قوم کے یتیموں اور بیواؤں کی تعداد انتہا کو پہنچ چکی ہے ہر جگہ نوحہ وفغاں، گریہ وزاری اور ماتمداری ہے اس سلسلے میں آپ کے قلم کا جنبش میں نہ آنے کی کیا تفسیر وتاویل کی جائے اور اس جرم کو کیونکر قابل عفو وبخشش قرار دیا جائے؟۔

**جواب :**

برادر اسلامی! اجتماعی اور سیاسی مسائل میں حصہ لینا، ان کا حل تلاش کرنا، بعض چیزوں کی مذمت کرنا مصلحتی کوششیں کرنا، یہ سب جماعتوں، تنظیموں اور اعلیٰ وارفع سیاسی واجتماعی مقام پر فائز انسانوں کی ذمہ داری ہے اور ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے اگر ہم چند صفحات سیاہ کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ہم بزرگوں کی جگہ پر قدم رکھ چکے ہیں کیونکہ یہ حماقت وبے وقوفی ہوگی۔ ہاں یہ مسائل معاشرے میں کیوں رونما ہوئے ہیں، ان کی روک تھام کیسے ہوسکتی ہے؟، اس کا تحلیل وتجزیہ کرنا ہر قلم اٹھانے والے کی ذمہ داری ہے اس حوالے سے اگر آپ نے ہماری تصانیف کا بغور مطالعہ کیا ہو تو آپ کو علم ہوگا کہ، ہم نے اس فساد کی ''رگِ حیات'' کو بیان کیا ہے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ آپ نے اپنے فرقے پر گزرنے والے مظالم، شہیدوں، بیواؤں، یتیموں اور امام بارگاہوں کا ذکر کیا ہے لیکن، اہل سنت والجماعت کی مساجد، ان کے شہیدوں اور بیواؤں کا تذکرہ نہیں کیا ہے وہ بھی تعداد میں آپ کے شہیدوں سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ہیں اور آیت کریمہ:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنْ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ ''اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کرادیا کرو''۔ (حجرات ۹)

کے تحت دونوں کی مذمت کرنی چاہیے تھی نہ کہ خود کو مظلوم اور دوسروں کو ہمیشہ ظالم دکھایا جائے۔

۲۔ ایک شیعہ جو خود کو علماء میں شمار کرتا ہے اگر وہ فرقہ وارانہ ہلاکتوں کی بنیاد پر اہل سنت والجماعت کو ظالم اور ان کو تشدد کا ذمہ دار ٹھہرائے اور انھیں اس سے باز رہنے کیلئے کہا جاتا ہے تو سنی

حضرات اس بیان کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے وہ اُسے کلمۂ حق سمجھیں گے یا وہ یہ کہیں گے کہ ایک شیعہ عالم سے اس کے علاوہ اور کیا انصاف کی توقع کی جاسکتی ہے۔

۳۔ ہماری طرف سے اِس سلسلے میں قلم اٹھانا اور اہل سنت کی ہر قسم کی مذمت گوئی جلتی آگ پر تیل کا کام کرے گی، اور اپنوں کی حمایت کرنا جانبداری ہی قرار پائے گی۔

۴۔ ہم نے اس مسئلہ کی بنیادی وجہ کو پہچاننے کے بعد یہ بات بزرگان کے گوش گزار بھی کی ہے اور اس سلسلے میں اپنی تجاویز ان تک پہنچائیں اسی طرح ہم نے اس سلسلے میں دونوں گروہوں کی حرکات کو غیروں کے ارمان پورے کرنے میں معاون و مددگار ہونا قرار دیا ہے اور دونوں کے ایک دوسرے سے دشمنی ختم کر کے پابند قرآن وسنت ہونے کو درست اقدام سمجھا ہے۔

اس سلسلے میں تمام اختلافی مسائل کا تجزیہ و تحلیل کرنے کے بعد جو چیز اہل سنت کے ہاں ناقابل عفو درگزر قرار پائی ہے اور شیعوں کیلئے ناقابل ترک ثقافت ظاہر ہوئی ہے اور وہ ''سبّ وشتم بر خلفاء واصحاب'' ہے جس کے جواز میں یہ لوگ نہ تو کوئی قرآنی آیت پیش کرتے ہیں اور نہ سنت رسولؐ اور نہ ہی سیرت آئمہ اطہارؑ سے استدلال کرتے ہیں یہ صرف اور صرف غالیوں کا شامل کردہ کوڑا کرکٹ ہے، جسے ہمارے بعض علماء کبھی اصول دین اور کبھی فروع دین کہہ کر اپناتے ہیں جب تک علی اللہ والوں اور نصیریوں کی مکروہ اور خطرناک ترین بدعت اس مذہب اہل بیتؑ میں باقی رہے گی یہ فتنہ ختم نہیں ہوگا بالفرض اگر فریق مخالف آپ پر ظلم وزیادتی کرتا ہے یا ناروا سلوک اپناتا ہے، تو آپ کو مقابلہ بالمثل قرآن واہل بیتؑ کی تأسی کرتے ہوئے عدالت کی حدود میں کرنا چاہیے لیکن آپ کئی قدم آگے بڑھ گئے ہیں اور آپ کی حرکتوں کا سیرت علیؑ اور سیرتِ آئمہ طاہرینؑ سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ حضرت علیؑ ابن ملجم کے بارے میں عدالت وانصاف سے سلوک کرنے کی سفارش کرتے ہیں :

> ''اے اولادِ عبدالمطلب! خبردار میں یہ نہ دیکھوں کہ تم مسلمانوں کا خون بہانا شروع کردو صرف اس نعرہ پر کہ ''امیر المومنین مارے گئے ہیں'' میرے بدلہ میں میرے قاتل کے علاوہ کسی کو قتل نہیں کیا جاسکتا ہے۔
>
> دیکھو اگر میں اس ضربت سے جانبر نہ ہوسکا تو ایک ضربت کا جواب ایک ہی ضربت ہے اور دیکھو میرے قاتل کے جسم کے ٹکڑے نہ کرنا کہ میں نے خود سرکار دو عالمؐ

سے سنا ہے کہ خبردار کاٹنے والے کتے کے بھی ہاتھ پیر نہ کاٹنا"۔ [1]

جبکہ ہمارے ہاں ایسے مواقع پر غیر متعلقہ افراد کے املاک کو نذر آتش کر کے معاشرے میں خوف وہراس پھیلایا جاتا ہے جیسا کہ بعض مواقع پر جانیں ضائع ہو جاتیں ہیں۔

## اہل حق کو گمنام رکھنے کی کوشش

ہمارے ہاں ہمیشہ سے ایک گروہ ایسا رہا ہے جو دین ومکتب کی سربلندی کا نعرہ لے کر پیدا ہوتا ہے جس طرح اداس میاں بیوی عرصہ دراز تک بے اولادی کی صورت حال سے گزرنے کے بعد ایک خوبصورت بچہ پیدا ہو جانے پر تمام امیدیں اسی سے وابستہ رکھتے ہیں، ہماری ملت کے متعدد افراد نے بھی اس نومولود گروہ سے اپنی تمام تر امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس گروہ کی تن ومن ترجیحات و تبلیغات یہ رہیں ہیں کہ اہل حق کو نعروں کے سوا کوئی اور امتیازی کردار وعمل از خود نہیں اپنانا ہے ان کی عافیت اسی باطل وگمراہ اور منحرف معاشرے کے اندر گمنام رہنے میں ہے جب بعض حلقوں نے اہل حق کے آسمان پر ابر آلود فضا اور دھند کو دیکھا تو ان کو بھی یقین ہوا کہ اہل حق کا آسمان بھی ایسا ہوتا ہے اور سورج کے طلوع ہونے کے باوجود اندھیرا رہتا ہے، یہ بھی دوسروں سے ایک الگ کوئی گروہ نہیں کیونکہ ان کا کلمہ بھی وہی ہے جو دوسروں کا ہے ان کا عمل، کاروان، منزل، دوست، دشمن اور پڑوسی وہی ہیں جو دیگر کے ہیں لہٰذا ہمارا اگر ان سے کوئی رشتہ ہے تو وہ بہت دور کا ہے۔

علماء اور فقہاء میں سے بعض پیغمبرؐ اور ان کے برگزیدہ جانشینوں کے کردار پر چل رہے ہوتے ہیں بعض سلاطین وحکمرانوں کی تأسی کرتے ہیں، یہ تفریق کیسے اور کہاں سے شروع ہوئی؟ اس سوال کا جواب اسی صدی میں واضح ہوا ہے کیونکہ انبیاءؑ کے بنیادی اہداف اور انکی دلی خواہش زمین پر الٰہی حکومت کا قیام اور الٰہی شریعت کا نفاذ کرنا تھی تا کہ لائق وسزاوار بندوں کو مسندِ امر ونہی پر بٹھائیں تا کہ دین کی سربلندی ہو لہٰذا یہ علماء، الٰہی حکومت کے خوابوں کے شرمندہ تعبیر ہونے کے خواہاں رہتے تھے اور انہی اہداف تک رسائی کیلئے

---

[1] [یابنی عبدالمطلب، لاالفینکم تخوضون دماء المسلمین خوضاً تقولون: قتل امیر المومنین. الالاتقتلن بی الاقاتلی. انظروا اذاانامت من ضربیه هٰذه، فاضربوه ضربة بضربةٍ، ولاتمثلوا بالرجل، فانی سمعت رسول اللهؐ یقول: ایاکم والمثلة ولوبالکلب العقور (نہج البلاغہ کتب ۴۷، جوادی ص ۵۶۷)]

تمہید باندھتے تھے اسی کیلئے وسائل جمع کرتے تھے اور انہی اہداف کیلئے ذہنوں کوآمادہ کرتے تھے اور جزئیات وفرعیات، فالتو چیزوں اور مستحسنات سب کوالٰہی حکومت کے دوش پر چھوڑتے تھے ان کی اولین ترجیح الٰہی نظام کو جاگزین کرنا ہوتی تھی۔

جبکہ سلاطین اور حکمران حقائق اور معارف دین سے ناواقف ہوتے ہیں اوراس کی روح سے ناآشنا ہوتے ہیں وہ حکومت کے ذریعے اپنی اوراپنے قرابت داروں کی لطف اندروزی کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن اس راستے میں ان کیلئے دین وشریعت رکاوٹ ہوتی ہے ان کا دل نہیں چاہتا ہے کہ ملک میں قرآن وسنت کی حاکمیت بحال ہوتا ہم مومنین اور بعض علماء کی نظروں کو خیرہ کرنے کیلئے چندرسومات، شورشرابہ اور چند اقسام کی تعمیرات پر اکتفا کرتے ہیں جس طرح روتے وقت بچے کو خاموش کرانے کیلئے اس کے منہ میں چوسنی دی جاتی ہے بعض علماء ان کی انہی اصلاحات کو عین اسلام جانتے ہیں جس کا واضح ثبوت حکومت اسلامی کو بعض فقہاء کا اختلافی مسئلہ قرار دے رکھنا ہے اور بعض کا اسے ایک شجرۂ ممنوعہ قرار دینا ہے اوراس کی راہ میں رکاوٹ کو اولین ترجیحات میں سے قرار دینا ہے اسی طرح اسلام کے حوالے سے سلاطین وحکمرانوں کی مکارانہ اور منافقانہ حرکتوں کو چاپلوسی کر کے سراہنا ہے اوراسی کو کل اسلام قرار دینا ہے۔

**سوال؟**

امر بالمعروف ونہی ازمنکر سے متعلق فرائض کو قرآن وسنت کی رو سے ایک مسلمہ حقیقت تسلیم کئے جانے کے بعد ہم سے سوال کیا گیا ہے کہ آپ کا مقصد بھی یہی ہوگا کہ اوامر ونواہی کریں اگر ایسا ہے تو کیا آپ کو تمام فصول شریعت پر مکمل احاطہ ہے یا آپ اس کے تمام تقاضے اور شرائط پوری کر رہے ہیں؟

**جواب :**

اس سوال کا جواب چند زویۂ نگاہ سے دیا جاسکتا ہے :

۱۔ آپؑ صحیح فرمارہے ہیں کہ مجھ میں امر معروف کی شرائط نہیں ہے کیونکہ بعض گمنام اور مجہول الحال قبروں کو امام زادے، اولیاء اللہ کی توسیع وتزئین اور جعلی کرامتوں پر مشتمل امام زمانہؑ سے سینکڑوں ملاقاتیں اور مجتہدین کے خوابوں پر مشتمل کتابیں لکھنے کو ترجیح دیتے ہیں جن کی اہلیت ہم میں نہیں۔

۲۔ امر معروف وہاں ہوتا ہے جہاں مذہب کے واجب مسلمات ترک ہو رہے ہوں اور نہی از منکر وہاں ہوتا ہے جہاں منکرات کو تسلیم کئے جانے کے بعد کھلے عام اس کا ارتکاب کیا جاتا ہو یہ عمل ہر علاقے اور محلے کے دیندار افراد کی ذمہ داریوں میں سے ہے جتنا وہ نہی از منکر اور امر بالمعروف سے آگاہ ہوں اسی اندازے میں اسے انجام دینا چاہیے۔

۳۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ امام حسینؑ چراغِ ہدایت ہیں چودہ سو سال پہلے امامؑ نے جب قیام کیا تو اس وقت معاشرہ اسلامی تھا، زنا اور فحاشی ابھی عام نہیں ہوئی تھی شراب نہیں پی جاتی تھی چوریاں ڈاکے نہیں ڈالے جاتے تھے اگر کہیں ایسا ہوتا بھی تھا تو چوری چھپے ہوتا تھا اور جرم انجام دینے والا خود کو مجرم سمجھتا تھا جبکہ حکومت اسلامی کا سربراہ بدلا تھا جو فاسق وفاجر تھا شراب پیتا تھا عورتوں سے خلوت کرتا تھا کتوں سے کھیلتا تھا اور اس منصب کیلئے نااہل تھا تو ایسے حالات میں امام حسینؑ بیقرار ہو کر مدینے سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں امر بالمعروف اور نہی از منکر کیلئے نکل رہا ہوں میں امت جد کی اصلاح کیلئے نکل رہا ہوں۔

۴۔ اس وقت منکرات خانوں کی اتنی نا کہ بندیاں کیا ہیں اس کی طرف دیکھنا، منہ کھولنا بذات خود ایک عملِ منکر قرار دیا ہے اس کی چند مثالیں ہیں:

۱)۔ اعزاداری پہلے اس کو شہِ رگ حیات قرار دیا پھر اسے اصول دین میں شمار کیا تیسرے مرحلے میں اس میں جھوٹ بھر دیا چوتھے مرحلے میں موسیقی گانے لگائے، پانچویں مرحلے پر بے حجابی اور بے پردگی کو شامل کیا چھٹے مرحلے میں اس کو عقلیت سے نکال کر عشق میں داخل کیا ساتویں مرحلہ پر اشکال واعتراض کرنے کو مسلماتِ اجتماعی سے بغاوت قرار دیا۔

۲)۔ مجتہدین عظام وعلماء کرام کے ساتھ بھی ایسا کیا پہلے مرحلے میں انکی تعظیم وتکریم کی سند نائبین امام زمانہؑ قرار دیا، دوسرے مرحلے میں خمس کی تولیت ان کے حوالے کی کہا کہ یہ ان کا حق ہے، تیسرے مرحلے پر ان پر اعتراض واشکال کرنے کا حق مقلدین سے چھینا، چوتھے مرحلے پر اعتراض کرنے والوں کو استعمار کا خدمت گزار قرار دیا۔

۳)۔ مدارس دینی ہیں جہاں سے پہلے مرحلے میں قرآن کریم کو نصاب سے نکال دیا، دوسرے مرحلے میں سنت رسولؐ کو نکال دیا، تیسرے مرحلے میں اسے دانشگاہ امام جعفر صادقؑ قرار دیا چوتھے

مرحلے میں اسے کسی شخص یا ادارے سے وابستہ کیا، پانچویں مرحلے پر امتحان دین سے نہیں بلکہ عربی زبان سے قرار دیا چھٹے مرحلے پر دانشگاہ سے اسلامیات کو نکالا ہے ساتویں مرحلے پر اسے مروجہ علوم فنون سیکھنے کیلئے رہائش گاہ قرار دیا۔

۴)۔ شعراء، شعر کو پہلے مرحلے میں نثر گوئی پر ترجیح دی دوسرے مرحلے میں قرآن وسنت کو پس پشت ڈالا تیسرے مرحلے پر اسے غلو سے بھر دیا چوتھے مرحلے پر قرآن وسنت شناس علماء کو کنارے پر کنارے پر لگایا۔

چاہے وہ جتنے اوامر سے آشنا ہوں اور منکر کے علم کے ساتھ اس کی شرائط بھی ان کے اندر پائی جاتی ہوں وہ اتنا ہی واجبات کے بارے میں دل سے کراہت، زبان سے دعوت اور عملی اقدامات کر کے شریعت کو زندہ کرتے ہیں اور منکرات کو روک دیتے ہیں یہ اس وقت ہوگا جب مذہب کی عمارت بالکل منہدم اور حقِ منکر جبکہ باطل معروف ہو جائیں علاوہ ازیں معیار اور کسوٹی انسان اپنے ہاتھ میں لے لیں؟۔

لیکن آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ شراب عام ہو چکی ہے زنا عام ہو چکا ہے، عورتوں کے سروں سے چادریں اُتر چکی ہیں اور اس کو نہ صرف بُرا نہیں سمجھا جا رہا بلکہ اس کو برا کہنے والوں کو بُرا قرار دیا جاتا ہے اس وقت یادِ حسینؑ کی مجالس میں تمام منکرات کی کھچڑی بنی ہوتی ہے۔

بے حجاب عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع، منابر سے ارکانِ اسلام صوم وصلوٰۃ وحج سے آزادی، خدا کو گرا کر علیؑ کو اللہ قرار دینا، قرآن کی اہمیت کو گھٹا کر اہل بیتؑ کی مدح وسرائی و دیگر نا قابل ذکر منکرات کے ہونے کے باوجود تعجب کی انتہا یہاں آ کر ختم ہو جاتی ہے کہ بعض موَقر ومحترم قابلِ قدر علماء اسی میں گھل مل کر رہنے کو شرعی ذمہ داری قرار دیتے ہیں اس صورت حال میں معروف کہاں ہے اور منکر کہاں جس پر عمل پیرا ہوا جا سکے۔

**سوال؟** ہماری بے بنیاد مخالفت میں یہ سوال بھی شامل ہے کہ جن چیزوں پر آپ تنقید کرتے ہیں اسے درست مانا جائے تو جو کچھ ایران میں ہو رہا ہے وہ کیا ہے ؟

**جواب :**

نبی کریمؐ کے بعد کوئی بھی عمل قرآن وسنت سے استناد کئے بغیر کسی فرد وگروہ کے قول وفعل سے حجت نہیں بن سکتا ہے، عوام الناس، شعراء یا خطباء وذاکرین تو چھوڑیں فقہاء ومجتہدین کا قول بھی حرف آخر نہیں اور اس

بنیاد پر کہ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ فقہاء و مجتہدین ہی کی نظارت میں ہو رہا ہے، ایران میں رائج رسومات کو شرعی سند قرار دینا ایسا ہی ہوگا کہ دین اسلام ایرانیوں سے پھیلا ہے حالانکہ ایرانی دنیا کے دوسرے خطوں کے مسلمانوں سے مختلف نہیں جس طرح دوسرے خطوں میں اسلام سے مخلص سازشی اور خائن دونوں قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں یہی صورت حال ایران کی بھی ہے، اگر اسلام پھیلانے میں ایرانیوں کا کردار ہے تو وہاں اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے والے عناصر کی حرکتیں بھی ڈھکی چھپی نہیں اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اکثر مذاہبِ باطلہ کے بانیان کا تعلق ایران سے تھا۔

**سوال؟** ہمارے خلاف ہونے والے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جن باتوں کو اب غلط قرار دیا جا رہا ہے وہی باتیں پہلے خود کیا کرتے تھے یا پہلے لکھی ہوئی کتابوں میں درج ہیں ؟

**جواب :**

ایسے اشکال و اعتراض سے صرف خدا ہی بری الذمہ ہو سکتا ہے کیونکہ کائنات میں زمان و مکان اور مکین کا کوئی حصہ خداوند عالم کے احاطے سے باہر نہیں ہے اور خداوند عالم کسی بھی وقت اور کسی بھی چیز کے بارے میں جاہل اور غافل نہیں رہا اور نہ ایسا ہو سکتا ہے، خدا کے سوا متعدد انبیائے کرامؑ بھی سوالوں کی زدّ میں آئے ہیں چنانچہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم پہلے ہمارے ہاں نہیں تھے؟ :

﴿ وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴾ ''اور رہا تھا تو ہمارے ہاں اپنی عمر کے کئی سال''۔ (شعراء ۱۸)

کیا تم وہی انسان نہیں ہو جس نے ایک بندے کو قتل کیا تھا؟ اسی طرح ہمارے نبیؐ کی شان میں خداوند عالم فرماتے ہیں کہ آپ اُمّی تھے، آپ کتاب پڑھنا نہیں جانتے تھے:

﴿مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ ﴾ ''نہیں جانتے تھے تم کہ کیا ہوتی ہے کتاب اور نہ (جانتے تھے) ایمان کو''۔ (شوریٰ ۵۲) ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جو اتباع کریں گے اس رسولؐ کی جو نبی اُمّی ہے''۔ (اعراف ۱۵۷)، اعراف ۱۵۸۔

لہٰذا میرا بھی اعتراف ہے کہ میں اُمّی صفت گھرانے میں پیدا ہوا ہوں پھر پہلا اور طویل عرصہ جہل بسیط کے عالم میں جبکہ دوسرا عرصہ جہل مرکب میں گزارا، یہ سلسلہ اب بھی بہت سے دینی مسائل میں جاری و ساری ہے تاہم اس جہل مرکب کی دلدل سے باہر نکلنے کیلئے ''ایک ایسے بچے کی مانند جو معمول سے ہٹ کر ہونے والی سردی اور گرمی کے باعث منہ سے دودھ پھینکتا ہے'' ماضی میں الٹے سیدھے سوال اٹھاتے تھے، شاید بعض لوگ اسے علم سمجھے ہوں تو کیا کہہ سکتے ہیں، بعض اوقات ہمیں خود اپنے ماضی پر بے اختیار انگشت بہ دندان ہو جاتا ہے کہ ہم کس حد تک قرآن وسنت سے دوری پر دیوانہ پنی کی زندگی گزار رہے تھے جسے عوام الناس عالمانہ زندگی کہتے ہیں جبکہ علمائے حقیقی وحکماء اسے جہل مرکب پر مبنی زندگی قرار دیتے ہیں جہاں امام حسینؑ دعائے عرفہ میں فرماتے ہیں:

''خدایا میں اپنے علم میں بھی جاہل ہوں تو کیوں کر جاہل نہ ہوں گا اپنی جہالت میں''[1]

﴿لایُسئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسئَلُونَ﴾ ''نہیں پوچھا جاسکتا اس سے اس کے کاموں کے بارے میں جبکہ یہ سب جوابدہ ہیں (اس کے حضور)''۔(انبیاء ۲۳)

**سوال؟**

جب بعض علماء سے ہمارے بارے میں سوال ہوتا ہے تو ان کی جانب سے جواباً کہا جاتا ہے کہ اسے بھول جاؤ، وہ ہم میں سے نہیں، وہ دوسروں کا ہو گیا ہے۔

**جواب :**

ہماری خواہش بھی یہی ہے کہ یہ بزرگان ہمیں بھول جائیں بلکہ ہم ساتھ ہی یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم ان کے مذہب پر نہیں کیونکہ وہ نصیریت اور علی اللّٰہیت پر ہیں اس لئے میں اپنے آپ کو ان سے الگ پیش کرنا چاہتا ہوں ہم دوسروں کی طرح اس حق کو استعمال نہیں کرتے جو خداوند متعال نے اپنے لئے مخصوص کیا جہاں فرمایا :

کیونکہ اس کا فعل مصلحتوں سے مزین ہوتا ہے اور ہم اپنی جہالت کا پہلے اعتراف چکے ہیں۔

---

[1] [دعا امام حسینؑ روز عرفہ نقل از مفاتیح الجنان ص ۴۹۴]

**سوال؟** ہمارے خلاف پٹنے والی ڈھنڈورا مہم میں سے ایک ہماری طرف سے غصہ آنے کو قرار دیا جاتا ہے بقول معترضین مجھے یہ غصہ فشار خون کے باعث آتا ہوگا۔

**جواب :**

یہ ایک کھلی تہمت وافتراء ہے جو میرے اوپر باندھی جاتی ہے جو حضرات ہمارے دوست وعزیز تھے اب وہ ہم سے ملنا نہیں چاہتے لہٰذا جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ فلاں سے ملتے ہیں یا نہیں تو جواب میں فرماتے ہیں کہ وہ غصہ کرتا ہے، یہ بات میرے بارے میں بہت بے بنیاد اور غلط فہمی پر مبنی ہے، ہمارے اندر بے جا غصہ نہ ہونے کی چند عوامل واسباب ہیں :

۱۔ غصہ وہ کرتا ہے جو اپنے آپ کو کسی نہ کسی حوالے سے دوسرے کی نسبت برتری میں دیکھتے ہوئے کوئی کسی کو علم کے حوالے سے برتر سمجھتا ہے، کوئی کسی کو درس خارج مرتبہ اجتہاد اگر حوزات کا فارغ ہوں تو اس حوزے کے نالائق ترین انسان ہوں یا علوم مروجہ میں کوئی قابل ذکر سند ہوتا کہ دانشوری دکھائیں وہ بھی چوتھی جماعت کی سند سے بھی محروم انسان کسی چیز کی سند دیکھ کر غصہ کروں۔

۲۔ اجتماعی ناز سے غصہ کے آثار بھی میرے اندر نہیں ہے کہ فلاں گروہ وقوم میرے اشاروں پر چلتا ہو کیونکہ میں تو قوم کے مبغوض انسان ہوں۔

۳۔ جس کے پاس خرافاتی مسخ شدہ دین ہو جب اس کی ثبوت میں کوئی دلیل نہیں بنتا ہے تو غصہ آتا ہے جب اچھا خاصا انسان، عالم، دین ودیانت کا علمبردار فرد بے ہودہ اور بے ربط نتیجہ اخذ ذکر کے ہمیں غلط ٹھہرانے کی کوشش کرتا ہے مثلاً اس کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ جب آصف بن برخیا ایک لمحے میں تخت بلقیس لا سکتے ہیں تو میرے مولا کیوں نہیں لا سکتے، عیسیٰؑ گہوارے میں بات کر سکتے ہیں تو میرے مولا کیوں نہیں کر سکتے اور جب سلیمان ہوا میں چل سکتے ہیں تو میرے مولا کیوں نہیں چل سکتے، گویا اس کائنات میں خدا کا ارادہ، مشیت اور مصلحت کوئی نہیں، بلکہ مولا اور انبیاء میں ایک دوڑ لگی ہوئی ہے تو ایسے لوگوں سے غصہ نہ کریں تو کیا کریں۔

۴۔ اس کے دین قابل تحلیل وتجزیہ نہ ہو اس کے ثبوت میں دلیل نہ رکھتا ہو وہ غصہ کرتا ہے کہتا ہے کہ اس میں ہو نہیں سکتا۔

لیکن میرا دین دلیل وبرہان سے پُر ہے اس دین نے ہر قسم کے تشدد کو رد کیا ہے تشدد کفر کی نشانی ہے ہمارے اندر کسی بھی قسم کا تشدد نہیں پایا جاتا ہے۔

اسباب تشدد :

تاریخ اسلام میں اگر کسی بھی وقت مسلمان حکام یا مسلمان گروہوں نے راہِ تشدد کو اپنایا ہے تو اس کے چند عوامل واسباب ہیں جن کی بنیاد پر تشدد ابھر کر سامنے آتا ہے۔

ا۔ دین وشریعت کے محافظ ومفسر امورِ دین کے بارے میں بے حمیت و بے پروا رکھنے کیلئے غصے کی مذمت کرتے ہیں تا کہ وہ اپنے تمام مسخرہ پن، اہانت وجسارت کے باوجود سلامت سے واپس جا سکیں جبکہ قرآن میں ان کی ملامت کی گئی ہے۔ سورہ توبہ ۷۳، تحریم ۹ دونوں آیتوں میں نبی کریمؐ کو اپنے لوگوں کے ساتھ سختی سے مقابلہ کرنے کا حکم ہے :

﴿يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدُ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سخت ہو جاؤ''۔ ﴿ يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدُ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو''۔

دین کو غلط اور الٹا سمجھنے کی وجہ سے اہل دین تشدد پر اتر آئے ہیں جیسا کہ خوارج نے راہِ تشدد کو اپنایا کیونکہ انہوں نے **لاحکم الاالله** کے مفہوم کو غلط انداز میں لیا تھا۔ ان کے ہاں جان ومالِ مسلمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی جبکہ اہل کتاب کو امامت رسول اللہؐ سمجھتے تھے۔

۲۔ تشدد اسلام کی اساس کے منافی ہے ایمان باللہ، ایمان بہ رسالت اور ایمان بہ آخرت میں تشدد نہیں ہے کیونکہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ لااکراہ فی الدین اسی طرح رسول اللہؐ سے فرمایا: لست علیهم بمصیطر اگر ان چیزوں میں تشدد ہونے کی گنجائش ہے تو وہ فرعیات میں تشدد ہے لیکن ایک دین کو قبول کرنے کے بعد اس کے احکامات کو مسترد کرنا اس دین کی مخالفت کرنا، بغاوت اور جنگ ہے اس بات کی طرفداری کرنے والے درحقیقت دشمنانِ اسلام ہیں۔

۳۔اسلام میں تشدد نہیں ہوتا ہے صرف دعوت دی جاتی ہے وہ بھی حکمت اور دلیل پر مبنی۔

۴۔ اگر تشدد اس دین کے داعیوں کے پاس ہے تو وہ دین کے کھاتے میں نہیں جانا چاہیے۔

۵۔ بعض تشدد کرنے والوں کی دینی معلومات بہت کم ہوتی ہیں اور انکے جذبات تیز ہوتے ہیں اور دین کو انہوں نے سمجھا اور پڑھا ہی نہیں ہوتا۔سرسری دین کو اعلیٰ مناصب کے حصول کی خاطر کیا ہوتا ہے۔

۶۔ بعض تشدد کرنے والوں کا مقصود اجتماع میں اپنا مقام اور ریاست وشہرت بنانا ہے۔

۷۔ اس وقت دینی حدود وابعاد گھر' اجتماع اور مدرسہ میں واضح نہیں ہیں۔ہمارے تعلیمی نصاب میں نسل جدید کی تعلیم وتربیت اسلام کے اصولوں کے تحت نہیں ہے۔

۸۔ اسلامی ثقافت واخلاق اور عقائد سے جوانوں کے اذہان خالی ہیں۔

۹۔ دیندار افراد اور مذہبی حلقے دینی مسائل میں اپنا کردار ادا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔وہ دور سے نظارہ کرنے یا کچھ مالی معاونت دینے پر اکتفا کیے ہوئے ہیں۔

۱۰۔ دین کے داعی اس وقت فقط ترجمہ کرنے والے ہیں اور انکی معلومات اتنی ناگفتہ بہ ہیں کہ وہ دین کو وہی کچھ سمجھتے ہیں جو عوام میں مقبول ہے۔

۱۱۔ دینی جذبات رکھنے والے مسلمان اس وقت فکرِ دینی سے عاری دشمنانِ اسلام کے ظلم وستم کی وجہ سے احساس کمتری میں مبتلا ہیں یا قرآنی اصطلاح کے تحت بیماری قلب میں مبتلا ہیں۔

غصہ بذات خود کوئی بری چیز نہیں، کیونکہ اگر غصہ نہ ہوتا تو انسان اپنا دفاع نہیں کرسکتا تھا لہٰذا خداوند عالم نے جان کی حفاظت کیلئے انسان وحیوان دونوں کو غصہ بخشا ہے،شاید لال بیگ کو بھی اپنے ہم نوع سے غصہ آتا ہو،بعض جگہ غصہ نہ آنے والے کو دیوث کہا گیا ہے،غصہ صفات خدا میں سے ایک ہے،قرآن کریم میں خداوند عالم کو آنے والے غصہ کے بارے میں کچھ یوں ذکر آیا ہے:

﴿وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴾''اور غضب ہوگا اللہ کا اس پر اور لعنت ہوگی اس پر اور تیار کر رکھا ہے اس کیلئے عذابِ عظیم''۔(نساء۹۳)﴿مَنْ لَعَنَهُ اللهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ ﴾''وہ جن پر لعنت کی اللہ نے اور غضب ٹوٹا (اس کا) ان پر اور بنادیا ان میں سے بعض کو بندر اور سور''۔

(مائدہ ۶۰) ﴿ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ ﴾ ''اور اللہ کا غضب ہوا ان پر اور دور کر دیا انھیں اس نے اپنی رحمت سے''۔ (فتح ۶) ﴿ يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو غضب فرمایا ہے اللہ نے جن پر''۔ (ممتحنہ ۱۳)

''اور مجھے اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہیں جسے خدائے جبار نے اپنے غضب کی بنیاد پر بھڑکایا ہے''۔[۱]

انبیاءؑ کو بھی غصہ آتا ہے اس کا ذکر کچھ یوں ہے :

حضرت یونسؑ نبی کو غصہ آیا :

﴿ وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ ﴾ ''اور (یاد کرو قصہ) مچھلی والے کا جب چلے گئے تھے وہ ناراض ہو کر اور انھیں خیال ہوا تھا کہ نہ گرفت کریں گے ہم اس پر''۔ (انبیاء ۸۷)

اولوالعزم حضرت موسیٰؑ کو غصہ آیا :

﴿ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ ﴾ ''اور جب ٹھنڈا ہوا موسیٰؑ کا غصہ تو اُٹھالیں''۔ (اعراف ۱۵۴)

﴿ فَرَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ﴾ ''سو لوٹے موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف غصے میں بھرے ہوئے''۔ (طہٰ ۸۶)

''مگر افسوس کہ تم عہد خدا کو ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہے ہو اور تمہیں غصہ بھی نہیں آتا ہے''۔[۲]

'' اے طاقتور جماعت تم وہ لوگ ہو جن کو خدا نے علم و دانش، خوبی اور خیر جوئی کیلئے شہرت عطا کی ہے، خدا نے لوگوں کے دلوں پر تمہاری ہیبت طاری کر رکھی ہے۔ شریف تم سے سبق لیتا ہے اور کمزور تم کو محترم جانتا ہے اور جو لوگ تمہارے ہم پایہ

---

[۱] [وتجرني الى نار سجرها جبارها لغضبه] (نهج البلاغه خطبه ۲۲۴ جوادی ص ۴۵۹)

[۲] [وقد ترون عهود الله منقوضة فلا تغضبون (نهج البلاغه خطبه ۱۰۶ جوادی ص ۲۰۷)]

ہیں اور برابر ہیں تم ان پر کوئی حق نہیں رکھتے لیکن وہ تم کو خود پر مقدم رکھتے ہیں لوگ جب اپنی ضروریات پوری ہونے سے مایوس ہو جاتے ہیں تو تم ان کو پورا کرتے ہو، تم زمین پر بادشاہوں کی طرح بارعب اور بزرگوں کی طرح محترم زندگی گزارتے ہو، یہ مہارت اور شرافت جو تم تک پہنچی ہے اس وجہ سے ہے کہ تم انتظار نہ کرو اور خدا کی خاطر قیام کرو اور دین خدا کی حمایت و مدد کیلئے اٹھ کھڑے ہو جاؤ اگرچہ تم لوگ مختصر ہو اور تم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے اپنے فرائض کو ادا نہیں کیا۔

تم لوگوں نے آئمہ کے حقوق کو سبک جانا، تم نے کمزوروں اور بے چارے افراد کے حقوق ضائع کر دیا اور فقط اپنے حقوق کے پیچھے گئے، تم نے نہ تو مال ہی اس راہ میں خرچ کیا اور نہ ہی خود کو کسی خطرے میں ڈالا نہ ہی تم نے اپنی اقوام اور خاندان سے خدا کی خاطر کوئی ناراضگی مول لی، آیا تم یہ آرزو رکھتے ہو کہ کل بہشت تمہاری ہوگی اور تم پیامبران خدا کے ہمسایہ ہو گے اور عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے۔

میں تم لوگوں کیلئے فکرمند ہوں کہ خدانخواستہ تم لوگوں پر مصائب و عذاب نازل ہو جائیں کیونکہ تم اس عالی مقام تک پہنچے ہو جو کہ دوسروں کو میسر نہیں، تم لوگ خدا شناس افراد کا احترام نہیں کرتے حالانکہ خدا کے واسطہ سے لوگوں کے درمیان محترم ہوئے، خدا سے کئے گئے پیمان کو توڑتے ہوئے تم کو خوف نہیں آتا جبکہ اپنے آباؤ اجداد سے کئے گئے وعدوں کو توڑتے ہوئے خوف و وحشت رکھتے ہو اور بے چین رہتے ہو، رسول اللہؐ سے کئے گئے سب وعدوں کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ قوم کے اندھے، گونگے، لولے اور معذور افراد کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہیں۔ ان پر رحم نہیں کیا جاتا اور نہ ہی تم لوگ اپنی قوت و توانائی کی حد تک اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہو اور نہ ہی ان لوگوں کی غمخواری کرتے ہو جو اپنی ذمہ داریوں کو احسن طور پر پورا کرتے ہیں۔

ستمگاروں اور ظالموں کے ساتھ اپنی سہل پسندی سے تعاون کرتے ہو، ان سب کا سبب یہ ہے کہ تم نے خدا کے اس حکم امر بالمعروف اور نہی از منکر سے غفلت اختیار

کی ہوئی ہے، تمہارے لئے یہ سب سے بڑی مصیبت ہے کہ تم سے علماء کے مقام کی قدر اوران کے مراتب کے تحفظ میں مغلوب ہو گئے اے کاش تم لوگ اس بارے میں سعی وکوشش کرتے "۔ ۱

بعض افراد دینداری دکھانے کے باوجود معاشرہ میں موجود تمام خرافات کی از خود تفسیر وتوجیہ کرتے ہیں بعض دینی مدارس کے اساتید وشاگردانِ برجستہ دین سے اتنی لاتعلقی وبے توکی کا مظاہرہ یوں پیش کرتے ہیں کہ دین اسلام کو یہ اعزاز وفخر ہے کہ ان جیسے مولانا ملے بعض دانشور بننے والے حضرات دانشوری ثابت کرنے کیلئے میری ہر بات کو جھوٹا گردانتے ہیں جب کسی کو کہیں سے بھی عدالت نہیں ملین گے ہر جگہ ناانصافی ہوگی تو غصہ نہیں آئے گا؟۔

"ابوذر! تمہارا غیظ وغضب اللہ کیلئے ہے لہٰذا اس سے امید وابستہ رکھو جس کیلئے یہ غیظ وغضب اختیار کیا ہے"۔ ۲

---

۱ [ثم انتم ایتھاالعصابةبالعلم مشھورةوبالخیر مذکورةوبالنصیحةمعروفةوباللہفی انفس الناس مھابةیھابکم الشریف ویکرمکم الضعیف ویؤثرکممن لافضل لکم علیه ولایدلکم عنده تشفعون فی الحوائج اذاامتنعت من طلابھاوتمشون فی الطریق بھیبةالملوک وکرامةالاکابرالیس کل ذلک انمانلتموه بمایرجی عندکم من القیام بحق اللہ؟وان کنتم عن اکثرحقه تقصرون فاستخففتم بحق الائمةفاماحق الضعفاء فضیعتم واماحقکم بزعمکم فطلبتم فلاماالابذلتموه ولانفساًخاطرتم بھاللذی خلقھاولاعشیرةعادیتموھافی ذات اللہانتم تتمنون علی اللہجنته ومجاورةرسله وامانامن عذابه؟ لقدخشیت علیکم ایھاالمتمنون علی اللہان تحل بکم نقمةمن نقاته لانکم بلغتم من کرامةاللہمنزلةفضلتم بھاومن یعرف باللہلاتکرمون وانتم باللہفی عباده تکرمون وقدترون عھوداللہمنقوضةفلاتفزعون وانتم لبعض ذمم آبائکم تفزعون وذمةرسولٌ محقورةوالعمی والبکم والزمن فی المدائن مھملةلاترحمون ولافی منزلتکم تعلمون ولامن عمل فیھاتعنون وبالادھان والمصانعةعندالظلمةتأمنون کل ذلک ممامرکم اللہبه من النھی والتناھی وانتم عنه غافلون وانتم اعظم الناس مصیبةلماغلبتم علیه من منازل العلماء لوکنتم تسعون (نقل ازتحف العقول صفحہ۲۴۱)] ۲ [یاابا ذرانک غضبت للہفارج من غضبت له (نہج البلاغہ خطبہ۱۳۰ جوادی ص۲۵۲)]

''اور خبردار غیظ وغضب سے کام نہ لینا کہ یہ شیطان کی طرف سے ہلکے پن کا نتیجہ ہے''۔[1]

تاہم یہ دیکھنا ہوگا کہ کسی پر غصہ بے جا تھا یا بجا اگر غصہ بے جا ہے تو وہ مذموم قرار پائے گا اور اس کی قرآن وسنت میں بھی مذمت کی گئی ہے۔ کسی کو غصہ آنے یا نہ آنے کا انحصار سائل پر ہے یعنی سائل نے سوچ سمجھ کر غصہ دلانے کی بات کی ہے یا پھر سائل نے شریفانہ انداز میں اور بے لوث بات کی ہے اور مخاطب کو خواہ مخواہ اور بلا جواز غصہ آیا ہے۔ اس تناظر میں اگر ہم سے سوال کرنے والوں کے بارے میں ایک جائزہ لے لیں تو درج ذیل قسمیں بنتی ہیں :

۱۔ سائل دین جاننے اور سمجھنے کیلئے ہمیں ایک دین شناس فرض کر کے سوال کرتے ہیں ہم کسی بھی حوالے سے اپنی تزکیہ اور تعریف کو حکم قرآن کے تحت حرام سمجھتے ہیں تاہم اپنے اوپر لگنے والی تہمت کو رفع کرنے کیلئے وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں، ہم نے اپنی پوری عمر میں کسی ایسے شخص پر غصہ نہیں کیا جس نے ہمارے نظریہ سے اختلاف کیا ہو یا برا فرسودہ نظریہ رکھنے والا ہو، ہم نے نامساعد اور ناخوشگوار حالات میں بھی مندرجہ بالا صفات کے لوگوں سے اچھے ماحول اور کشادہ روی میں فراخ دلی سے اور اپنی وسعت آگاہی کے تحت سمجھانے کی کوشش کی۔

۲۔ بعض بے دین افراد اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنے آپ کو دین کی خدمت کرنے والا ظاہر کرتے ہیں جبکہ وہ اندر سے شرک کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں جیسے بعض حوزات ومدارس کے فارغ تحصیل افراد گناہ وجرائم سے بھری محافل میں اپنی شرکت کو تبلیغ وترویج دین کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

۳۔ بعض افراد مشورہ دیتے ہیں کہ آپ اپنی ذمہ داریاں جاری رکھیں جو کہ فشار خون کیلئے علاج کی حیثیت رکھتی ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں غصہ لوگوں سے کٹ جانے کے باعث ہے۔

۴۔ بعض تنظیم پرست افراد جن کی تنظیمی سرگرمیوں کو ہم نے اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ درک کرتے ہوئے پورے ہوش وحواس میں تین طلاق دے چکی ہیں جس کے باوجود وہ اپنی

---

[1] [وایاک والالغضب فانه طیرةمن الشیطان (نہج البلاغہ کتب ۷۶ جوادی ص ۶۲۳)]

خدمات کواعلیٰ وارفع سطح پر دین کی خدمات متعارف کراتے ہیں، درج بالا مختلف الخیال اور فرسودہ صفات کے حامل لوگوں کی باتوں سے غصہ نہ کر کے نرمی کا مظاہرہ کرنا باطل طبقوں کی حوصلہ افزائی کا سبب بنے گا۔

غصہ اپنی جگہ دو قسم کا ہے ایک دلیل و منطق نہ ہونے کی وجہ سے کسی سوال کا غصہ سے جواب دیتے ہیں ہم کیونکہ اس دین کے داعی ہیں جو ہمیشہ دوسروں سے دلیل و برہان کا مطالبہ کرتا ہے اور خود اپنے مدعا کو دلیل و برہان سے پیش کرتا ہے لہٰذا ہم کسی بھی سوال واستفسار پر غصہ نہیں کرتے ،غصہ تشدد کا پہلا زینہ ہے تشدد وہ کرتا ہے۔

## زندگی کے روشن صفحات

ہم نے اپنی کتاب ''قرآن میں امام وامت'' کی تمہید میں اپنی زندگی کی نشیب وفراز کے دھندار لمحات کو پیش کیا تھا حکمِ قرآن اور عدل وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے رب کی ان نعمتوں کا جنھیں اس نے ہمیں نوازا ہے ذکر بھی کریں ورنہ حکمِ قرآن کے تحت ہم کفرانِ نعمت کرنے والوں میں شمار ہوں گے کسی انسان پر جہاں ایک طرف مصائب ومشکلات اور پریشانیوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں جنھیں اگر انسان کو نوازے گئے نعمتوں سے موازنہ کیا جائے تو آپس کی تناسب ذرّہ اور مجرے کا ہوتا ہے چونکہ خدا کی نعمتیں ہماری استحقاق سے کہیں زیادہ ہیں ایک انسان اگر خود کو مظلوم اور محروم ظاہر کرتا ہے تو وہ اپنے ہم عمر، ہم جماعت اور ہم وطنی کی تناسب سے ہوتا ہے ورنہ دنیا میں موجود دوسرے مخلوقات کا اگر موازنہ کیا جائے تو ہر انسان اپنے لئے نوازے گئے نعمتوں کے حوالے سے سجدہ ریز رہے گا۔

ہم اپنے دوستوں اور مخالفین دونوں کو متعلقہ روشن صفحات کے اوراق پلٹانے کی زحمت دینا چاہتے ہیں ہیں جو کچھ یوں ہیں:

ا)۔ ہمیں خداوند متعال نے اتنے مال ودولت نہیں بخشا جس سے ہمارے دستر خواں مرغن ملون رہے لیکن اس کا احسان بھی ہے جس کے ساتھ ہی ساتھ اس نے ہمیں ہمیشہ کثیر العیال اور ارباب واعزا سے نوازا ہے جو کہ ہماری تنہائی، غربتی اور بے بسی کے لمحات میں انیس ومونس بن جاتا ہے، یہ ایک طرح سے خدا کی غنیمت

ہے جس کی طرف خدا نے اپنی کتاب میں نبی کریمؐ سے خطاب کر کے فرمایا :

﴿وَوَجَدَکَ عَآئِلاً فَاَغْنٰی﴾ ''اور تجھے نادار پا کر تونگر نہیں بنا دیا؟''۔(ضحیٰ ۸)

ایک ایسی عیال جو قناعت اور کفایت شعاری کے ساتھ زندگی گزارنے پر آمادہ ہو، وہ مال و دولت کی کانوں اور ذخائر سے کہیں بہتر ہے۔

۲)۔ جس دن سے ہم نے اپنے ثقافتی ادارے کی تاسیس رکھی ہے جس کے اب پچیس (۲۵) سال ہونے والا ہے اس عرصۂ دراز میں ادارہ ہذا کیلئے کسی فرد و گروہ سے مشارکت اور معاونت کیلئے چندہ کی خاطر از خود درخواست نہیں کی جس کے وصول کیلئے فریق سے وعدہ حلت کے تحت شرپسندگی کا سامنا کرنا پڑا ہو اسی طرح ہمارے اوپر اس مد میں کسی مقدار میں قرض ذمے پر نہیں جو واجب الادا ہو اور اس سلسلے میں ہم نے کسی قسم کے لیت و لعل سے کام نہیں لیا۔

۳)۔ بہت سے افراد و گروہ کے ذمے ہماری کتابوں کی خریداری کے سلسلے میں حساب بنتا ہے لیکن ان کی طرف سے تساہل و سستی برتنے کے باوجود ہم نے اس آیت کریمہ پر عمل کرتے ہوئے انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ :

﴿وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا وَکَفٰی بِنَا حَاسِبِیْنَ﴾ ''اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا ہم اسے لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''۔(انبیاء ۴۷)

اور آئندہ بھی ایسا ہی کریں گے اور ان کا احتساب روزِ قیامت پر چھوڑ دیں گے وہاں کیلئے اس علیم و قدیر نے کہا ہے کہ خردل کے برابر بھی چیز ہو اس کا ہم حساب کر لیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں اور قدرت بھی رکھتے ہیں لہٰذا ہم کسی سے شکایت کریں گے نہ ہی عدالت کا تقاضا۔

# وصیت نامہ

جیسا کہ صاحب مقائیس لکھتے ہیں وصی، واؤصاد حرف معتل ہے جو کسی چیز سے وصل کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ وصیت جیسا کہ قاموس قرآن میں آیا ہے اسم ہے مادہ ایصاء سے، اور کیوں کہ انسان اپنی موت سے قبل اپنی زندگی کے امورات کو اپنے مرنے کے بعد دوسروں سے جوڑتا ہے اسی خاطر وصیت کہتے ہیں قرآن حکیم میں اس حکم کی تاکید مختلف کلمات کے ذریعے کی گئی ہے :

کبھی اُسے سنتِ انبیاءؑ قرار دیا گیا ہے :

﴿وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرَاهِیمُ بَنِیهِ وَیَعْقُوبُ ﴾ ''اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی''۔ (بقرہ ۱۳۲) ﴿وَاَوْصَانِی بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴾ ''اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک بھی میں زندہ رہوں''۔ (مریم ۳۲)

اپنے نیک اور شرعی امورات میں دوسروں کو دعوت دینے کی مناسبت سے انسان کو مرنے سے پہلے وصیت کرنے کا حکم ہے، انسانِ مسلمان کی زندگی کے روشن صفحات میں سے ایک صفحہ اس کا وصیت نامہ ہے۔

قرآن کریم میں سورۂ بقرہ کی ان آیات میں خداپرست انسانوں کو گواہوں کے حضور وصیت کرنے اور اسے ضبطِ تحریر میں لانے کی تاکید کی گئی ہے :

﴿كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَیْرًا الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِینَ ﴾ ''تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قرابت داروں کیلئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے''۔ (بقرہ ۱۸۰ تا ۱۸۲)

نہج البلاغہ میں متعدد مقامات پر کلمہ وصیت کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں جہاں امام نے مختلف

مناسبت سے اپنی نصیحت ووصیت بیان فرمائی ہے۔ [1]

لہٰذا میں اپنی وصیت کا آغاز حضرت امام حسینؑ کے وصیت نامے کے اقتباس سے کرتا ہوں جسے اربابِ تاریخ ومقاتل نے آپؑ کے مدینہ سے نکلتے وقت نقل کیا ہے کتاب ''نفس المہموم ص ۶۹ پر آیا ہے :

''حسینؑ خدا کی وحدانیت، محمدؐ کی رسالت، روزِ آخرت کا حساب، جنت ونار پر ایمان رکھتے ہیں''

''میں بھی گواہی دیتا ہوں خداوند متعال کی جو اپنی وحدانیت میں بلا مثل وشریک ہے ہر قسم کی شریک سے پاک ومنزہ ہے اور حضرت محمدؐ اور آپؐ پر نازل شدہ کتاب قرآن اور آپؐ کی سنت دونوں کو مصدر شریعت سمجھتا ہوں آئمہ طاہرینؑ کی قیادت ورہبری پر ایمان ہے تمام مسلمانِ کلمہ گو کو اپنا برادرِ دینی سمجھتا ہوں، خلفاء راشدینؓ کی حکومت کو اُمتِ اسلام میں نبی کریمؐ کی حامل نمونہ کے بعد دیگر ہر زمانے کے خلفاء اور سلاطین کی بنسبت افضل اور بہتر سمجھتا ہوں''۔

اس اعتراف واقرار کے ساتھ سورۂ مبارکہ بقرہ کی درج بالا آیت کے تحت میں اپنے آپ کو چندین

---

[1] [واوصاکم بالتقوی وجعلهامنتهی رضاء] ''(خ ۱۰/۱۸۳)[سیرت جنوداً.....اوصیتهم بمایحب الله] ''(ک ۲/۶۰)[وصی بان یحسن الی محسنهم] ''(خ ۱/۶۷)[التقوی ..... فانها یرماتواصی العباد] ''(خ ۴/۱۷۳)[واللهاللهفی جیرانکم.....مازال یوصی بهم] ''(ک ۴/۴۷)[فانی اوصیک بتقوی اللهای بنی] ''(ک ۸/۳۱)[اوصیکمابتقوی اللهواوصیکما ] ''(ک ۴۷ /۲،۱)[اوصیکم عباداللهبقوی الله ] ''(خ ۴/۸۳)[اوصیکم بتقوی اللهالذی اعذر بماانذر] ''(خ ۴۲/۸۳)[اوصیکم بالرفض لهذه الدنیاالتارکةلکم] ''(خ ۲/۹۹)[اوصیکم عباد اللهبتقوی اللهالتی هی الزاد] ''(خ ۵/۱۱۴، خ ۶/۱۶۱، خ ۴/۱۷۳، خ ۱۸/۱۸۲، خ ۴/۱۹۴، خ ۱۰/۱۹۵، خ ۱/۱۹۶، خ ۳/۱۹۸)[اوصیکم ایهاالناس بتقوی الله] ''(خ ۱/۱۸۸)[واوصیکم بذکرالموت و اقلال الغفلةعنه] ''(خ ۳/۱۸۸)[عباداللهاوصیکم بتقوی اللهفانهاحق اللهعلیکم] ''(خ ۵/۱۹۱)[اوصیکم بخمس لوضربتم الیهاباط الابل] ''(ق ۱/۸۲)

حوالوں سے موت کے دہانے پر پاتا ہوں :

۱۔ میری عمر پینسٹھ (۶۵) سال قمری سے تجاوز کر چکی ہے جبکہ اس دنیا میں ہمارے نبی کریم محمد مصطفیٰ ؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی حیات پر نظر کرتے ہیں تو ان ذوات کی عمریں پچاس (۵۰) سے پینسٹھ (۶۵) سے زیادہ نظر نہیں آتیں۔

۲۔ میں فشارِ خون کے عارضے میں مبتلا ہوں اور بعض افراد وقتاً فوقتاً ہمیں غصہ دلانے پر تلے ہوئے ہیں لہٰذا اس وجہ سے بھی کسی بھی وقت ناخوشگوار صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔

۳۔ دنیا میں حادثاتی اموات کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جیسے زلزلے، سیلاب اور گاڑیوں کے تصادم وغیرہ، طاقت وقدرت کی منطق کے حامل بعض افراد کیلئے اپنے ناپسند افراد کو معمولی سی بات پر راستے سے ہٹانا سیگریٹ نوشی کی مانند ہو گیا ہے۔

اس حوالے سے کتنے لوگ ہم سے ناراض ونالاں ہوں گے، میرے خیال میں امتِ مسلمہ میں سے کسی فرقے کو بھی میں نے ناراض نہیں کیا ہے بلکہ میں نے یہ واضح کیا ہے کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان ومال کا تحفظ واجب اور اسے ہدر کرنا بے شک حرام ہے۔ میں تو غیر مسلموں کے خلاف بھی تشدد کی راہ اپنانے کے حق میں نہیں ہوں کیونکہ جس دین پر ہم ہیں وہ دلیل وبرہان پر یقین رکھتا ہے لیکن طاقت وقدرت کی بولی بولنے والے کے ہاں دلیل وبرہان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر مجھے حکم قرآن کے تحت وصیت کے معانی جلی وصریح کہ طور پر اپنی موت سے پہلے اپنے سے متعلق تمام امور کے بارے میں وضاحت کرنا ضروری ہے۔

اگر کوئی صاحب حیثیت ہو اور تو والدین اور اقربا کے نام مرنے سے پہلے کچھ وصیت کرنے کا حکم ہے، مرنے سے پہلے وصیت کرنے کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات آئی ہیں: بقرہ ۱۸۰، نساء ۸، ۱۸، مائدہ ۱۰۶۔ جب اسے احساس ہو کہ وہ موت کے دھانے کے قریب ہوا ہے تو وہ اپنے ہر قسم کے واجبات بعض مذہبی ودینی فرائض اور مالی مقروضات کے ساتھ اپنے مالی متروکات کے بارے میں وصیت کرے۔

۱)۔ مرنے سے پہلے وصیت کرنے کا حکم :

سورہ بقرہ کی ان دو آیات کریمہ (۲۸۲ مائدہ ۱۰۶) پر عمل کرتے ہوئے وصیت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، یہ میری زندگی کے روشن صفحات ہیں، کیونکہ موت کا کوئی پتہ نہیں لہٰذا وصیت جتنی جلدی

ہو سکے کرے ان تینوں آیات میں تین احکام بیان ہوئے ہیں جو کہ دقت وغور طلب ہیں۔

۲)۔ وصیت کرتے وقت دو عادل گواہ رکھیں لہٰذا میں اس سلسلے میں گواہ میری کتاب کی قاری کو رکھنا چاہتا ہوں۔

۳)۔ قربیٰ، یتامی اور مساکین کیلئے بھی وصیت کرے۔

قرآن کریم کی ان آیات میں خداوند متعال نے صاحبانِ حیثیت والوں کو اپنے مرنے سے پہلے قریب کے رشتہ داروں کیلئے بھی اپنی متروکات میں وصیت کرنے کا حکم دیا ہے جو بذات خود پہلے طبقہ کے ہوتے ہوئے ارث نہیں لے سکتے ہیں۔ ہمارے بھی کچھ عزیز واقارب ہیں جو ہم سے انتہائی لگاؤ ہونے کے باوجود ان کی کچھ خدمت نہیں کر سکا معذرت کے ساتھ مرنے کے بعد اپنے ترکے میں سے کچھ دینے کیلئے وصیت کرتا ہوں اس پر عمل کرنا میری اولاد پر واجب اور مخالفت حرام ہے۔

ان آیات میں خداوند متعال نے صاحبانِ حیثیت افراد کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ترکے کو دو حصوں میں تقسیم کریں، ایک حصہ جس کا قرآن میں بیان ہوا ہے جس میں مرنے والے کی اولاد، والدین اور زوجات برادران واعمام آتے ہیں جبکہ دوسرا حصہ جس کیلئے حصہ معین نہیں ہوا خود اس کے صوابدید پر چھوڑا گیا تا کہ وارثین کو ضرر نہ پہنچے اور ان کا رشتۂ محبت ٹوٹ نہ جائیں خاص کر وہ افراد جو توجہ کے محتاج ہیں لیکن قریبی رشتہ دار ہیں جو محتاج، نیازمند اور اعانت وتوجہ کے حقدار ہوں ان کیلئے بھی کچھ حصہ مقرر ہیں۔

۴)۔ یتامی اور مساکین قربیٰ سے نہیں جو بہت سے حضرات کو پورے قرآن کریم میں ان تین کلمات کے بارے میں اشتباہ کرتے ہیں اگر یتیم ومسکین قربیٰ میں سے ہے یہ ذکر خاص بعد عام ہے اس کی کوئی منطق نہیں۔

قرآن کریم میں قربیٰ سے مراد غیر والدین اور غیر اولاد ہیں کیونکہ جہاں قربیٰ کا ذکر آیا ہے اور اس کا ذکر والدین یا اولاد کے بعد ہوا ہے جیسا کہ بقرہ ۸۳، نساء ۳۶، اولاد کے مقابلے میں قربیٰ آیا ہے: نساء ۱۱۔

## میں اپنی وصیت کو چند حصوں میں تقسیم کرتا ہوں :

۱۔ سب سے پہلے محمد باقر اور محمد سعید سے وصیت کرتا ہوں لیکن اس سے پہلے مولا امیر المومنینؑ کے کلمات سے استناد کرتا ہوں :

”یہ وصیت ایک ایسے باپ کی ہے جو فنا ہونے والا اور زمانہ کے تصرفات کا اقرار کرنے والا

ہے جس کی عمر خاتمہ کے قریب ہے اور وہ دنیا کے مصائب کے سامنے سپر انداختہ ہے، مرنے والوں کی بستی میں مقیم ہے اور کل یہاں سے کوچ کرنے والا ہے۔

اس فرزند کے نام جو دنیا میں وہ اُمیدیں رکھے ہوئے ہے جو حاصل ہونے والی نہیں ہیں اور ہلاک ہو جانے والوں کے راستہ پر گامزن ہے بیماریوں کا نشانہ اور روزگار کے ہاتھوں گروی ہے مصائب زمانہ کا ہدف اور دنیا کا پابند ہے اس کی فریب کاریوں کا تاجر اور موت کا قرضدار ہے اجل کا قیدی اور رنج وغم کا ساتھی۔ مصیبتوں کا ہم نشیں ہے اور آفتوں کا نشانہ، خواہشات کا مارا ہوا ہے اور مرنے والوں کا جانشین۔

**امابعد!** میرے لئے دنیا کے منہ پھیر لینے، زمانہ کے ظلم وزیادتی کرنے اور آخرت کے میری طرف آنے کی وجہ سے جن باتوں کا انکشاف ہو گیا ہے انھوں نے مجھے دوسروں کے ذکر اور اغیار کے اندیشہ سے روک دیا ہے، مگر جب میں تمام لوگوں کی فکر سے الگ ہو کر اپنی فکر میں پڑا تو میری رائے نے مجھے خواہشات سے روک دیا اور مجھ پر واقعی حقیقت منکشف ہو گئی جس نے مجھے اس محنت ومشقت تک پہنچا دیا جس میں کسی طرح کا کیل نہیں ہے اور اس صداقت تک پہنچا دیا جس پر کسی طرح کی غلط بیانی نہیں ہے، میں نے تم کو اپنا ہی ایک حصہ پایا بلکہ تم کو اپنا سراپا وجود سمجھا کہ تمہاری تکلیف میری تکلیف ہے اور تمہاری موت میری موت ہے اس لئے مجھے تمہارے معاملات کی اتنی ہی فکر ہے جتنی اپنے معاملات کی ہوتی ہے اور اسی لئے میں نے یہ تحریر لکھ دی ہے جس کے ذریعہ تمہاری امداد کرنا چاہتا ہوں چاہے میں زندہ رہوں یا مر جاؤں"۔ [1]

---

[1] [من الوالدالفان المقر للزمان المدبر العمر المستسلم للدهر الذام للدنیا الساکن مساکن الموتیٰ والظاعن عنها غداً الیٰ المولود المؤمل مالایدرک السالک سبیل من قدهلک غرض الاسقام ورهینة الایام ورمیة المصائب وعبدالدنیا وتاجر الغرور وغریم المنایا واسیر الموت وحلیف الهموم وقرین الاحزان ونصب الآفات وصریع الشهوات وخلیفة الاموات (نہج البلاغہ کتب ۳۱ جوادی ص ۵۲۲)]

۱۔ کسی بھی اجتماعی وسیاسی امور میں برائے نام بھی شریک نہ ہوجائیں کیونکہ یہ جالِ ابلیس ہے جس میں پھنس جانے کے بعد نکلنا مشکل ہے، ہم سادہ لوح انسان ہیں جو زبانِ جنات نہیں سمجھتے، قناعت کی زندگی گزارنے پر راضی ہوجائیں، معاصر کے ہم پلوں کی سہولیات دیکھ کر لعاب لبِ دھان پر نہ لائیں۔

۲۔ دین ودیانت پر قائم رہنے کیلئے کی تمام وسائل کو بروئے کار لائیں وعدۂ حق ہے جو ہماری راہ پر چلتا ہے، ہم اسی کی ہدایت کرتے ہیں، آپس میں تمام رشتہ داروں چچازاد، سالے اور بہنوی کا رشتہ باقی رکھیں جب تک دین ذریعہ مُعاش کیلئے استعمال نہ ہو قائم رکھیں بقول بعض باعزت زندگی گزارنے کی بات نہ کرتے جو قبح اسراف کے منکر ہیں جونہی ایسے حالات پیدا ہوجائیں وہ کہیں :

﴿ھٰذافراقٌ بینی وبینک،انی بری ءٌ تعمل وانابری ءٌ﴾

۳۔ لوگوں سے کسی قسم کی امید نہ باندھیں بلکہ قناعت اور خدا پر بھروسہ پر کریں۔

۴۔ کسی پر بھروسہ کرنے میں جلد بازی نہ کریں اور نہ ہی بدگمانی کی جائے، فیصلہ غور وخوض کے بعد کریں۔

۵۔ تمام احباب واعزاء کی حتی المقدور معاونت اور احوال پرسی کرتے رہیں ان کی دنیوی کوتاہیوں کو معاف اور غصے کو برداشت کریں جب تک وہ دین ودیانت کا مذاق نہ اڑائیں ترکہ کی تقسیم میں ان کو ترجیحات میں رکھیں۔

۶۔ اپنے دیگر بھائیوں اور بہنوں سے اس وقت تک تعلقات، تعاون اور خدمات جاری رکھیں جب تک وہ اصول دین اور ضروریات مسلمات اسلام پر عمل کرتے رہیں تاہم ان کی طرف سے کسی بھی وقت کسی بھی قسم کی استہزاء، مسخرہ اور جسارت کرنے پر ان سے الگ ہوجائیں۔

۱)۔ واجباتِ مذہبی کا رسمی طور پر ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی ہے تاہم قبولیت کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے البتہ قبولیت کے حوالے سے تکرار کرنے کی منطق قرآن وسنت میں کہیں نظر نہیں آیا۔

۲)۔ مجھے یہ چیزیں رشتۂ تحریر پر لانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ بعض خباثت باطنی رکھنے والوں نے میرے چہرے کو مسخ کرنے کیلئے باہر اور گھر دونوں جگہ مہم چلا کر انھیں مظلوم بنا کر پیش کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہا اور یہ عمل میرے بعد بھی ہوسکتا ہے۔

۳)۔میرے دیگر بنین وبنات جو بھی ہیں وہ میرے لئے عزیز وار جمند ہیں میری ان سے محبت کسی قسم کی مکافات ومجازات خدماتی سے مشروط نہیں ہے وہ جس علم وہنر اور فن کو اپنانا چاہے اپنا سکتا ہیں لیکن رشتۂ ایمان، اصول وعقائد اور عمل مظاہر اسلامی کے دائرے میں محدود رہنا چاہیے۔

دین ومذہب کے ساتھ کسی قسم کی اہانت وجسارت قابل معاف وبخشش نہیں، میرا ان پر کسی قسم کی سختی اور بندش نہیں ہے وہ آزاد وخود مختار ہیں تاہم میرے اوپر ان کے یا ان کے اوپر میرے جو حقوق قرآن و سنت نبیؐ میں آیا ہے اگر میں یا وہ اس سے روگردانی کریں گے تو وہ حقوق خود بخود ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں آیا ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ ”ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اگر تیرے ماں باپ میرے ساتھ شرک کرنے پر تجھ سے الجھ جائیں جس کا تجھے کوئی علم نہ ہو تو ان دونوں کا کہنا نہ ماننا، تم سب کی بازگشت میری طرف ہے پھر میں تمھیں بتادوں گا تم کیا کرتے رہے ہو“۔ (عنکبوت ۸)

میں ان سے تقدس نمائی کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا نہ اُنھیں دین ومذہب کی اہانت وجسارت کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

## متروکات :

میری متروکات کی تقسیم کچھ اس طرح سے ہوگی :

۱۔ عربی اور فارسی کی وہ دینی کتابیں جو دیگر کسی کام کی نہیں سوائے ردی میں جانے کے، وہ بھی ابھی متبرکات کی احترام میں خریدی نہیں جائے گی لہٰذا اسے میں اپنے دو فرزندان محمد باقر و محمد سعید کیلئے وقف کرتا ہو جب تک وہ لوگ زندہ ہیں۔

۲۔ وہ متروکات جو دار الثقافۃ الاسلامیہ کی اردو کتابیں اور وہ رقومات جو دیگران کے ذمے ہیں اگر

وہ ادا کریں اور وہ رقوم جو اس وقت ادارے کے پاس موجود ہیں اور بلتستان میں موجود ثمر دار و غیر ثمر دار درختوں کی مالیت کا پانچ حصہ کریں اس کا پانچواں حصہ میرے احباب واعزاء ذوالقربیٰ اور بعض دیگر میں جن کا میں زبانی ذکر کروں گا تقسیم کر لیں، باقی چار حصے زمین اور گھر ملا کر اولاد اور زوجہ کے درمیان شریعت مقدسہ اسلام کے مقرر کردہ احکام کے مطابق تقسیم کریں

۳۔ میرے اپنے بارے میں چند نکات کا ضرور خیال رکھیں :

۱)۔ خدانخواستہ علاج ومعالجہ کی ضرورت پڑے تو گھر میں ہی بندوبست کریں یا سستے والے شفاخانے میں علاج کریں، میرے بارے میں زیادہ ہاتھ پیر نہ ماریں اور نہ ہی زیادہ پریشان ہو جائیں۔

۲)۔ میں جہاں مروں وہاں کے کسی مسلمان قبرستان میں دفنا دیں، منگے اور زیادہ اشتہار والے قبرستان میں نہ لیجائیں۔

۳)۔ میری ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی ودیگر پروگرام میں زیادہ تر فقراء ومساکین کی شرکت کو ترجیح دیں سربرآوردہ اجتماعی وسیاسی شخصیات کی شرکت کرنے کی آرزو نہ کریں نہ اُسے باعث فخر سمجھیں، سیاسی فاتحہ کسی کام کا نہیں۔

۴)۔ مزید یہ کہ میرے خلاف مہم چلانے والوں سے مقابلہ ومزاحمت نہ کریں نہ تعریف وستائش کرنے والوں کا ساتھ دیں، زندگی معمول کے مطابق چلائیں جتنا ہو سکے مجھے یاد رکھیں، جب قرآن کی تلاوت کریں تو ہمیں یاد کریں اگر ہم سے کسی شخص کے بارے میں کوئی غلطی ہوگئی ہے تو مغفرت طلب کریں، دوست ومومنین سے طلبِ مغفرت کی درخواست کریں۔

# مَصَادر

جس طرح گذشتہ کتبی آثار میں ہم نے مصادر کی فہرست پیش کی تھی البتہ اس کتابچہ میں مصادر کی فہرست شامل نہیں ہوگی کیونکہ یہ لوگوں کی زبانی، کلامی اور تحریری شکووں اور میرے جواب کا مجموعہ ہے شکوہ کرنے والوں نے پچھلی جن کتابوں سے نتیجہ اخذ کیا ہے ان کے مصادر بھی ہماری ہی تصانیف ہیں ہمارا جواب وہی ہے جو ہماری کتابوں میں موجود ہے تاہم ان کی مزید وضاحتوں کیلئے قرآنی آیات اور نہج البلاغہ کے حوالہ جات کتاب کے ضمن میں دیئے گئے ہیں۔

سوالات وشکووں کا زیادہ تر جوابات قرآن کریم اور سنت وسیرت میں سے معروف احادیث کے علاوہ نہج البلاغہ سے دینے کی کوشش کی گئی ہے جن کی طرف تحریری اشارے یا حوالہ جات دورانیہ میں آیا ہے جہاں تک دوستی اہل بیتؑ کی شان میں غلو اور خلفاء کی دشمنی میں حد سے گزر جانے کا تعلق ہے ہمارے معاشرے میں جن لوگوں کی سماعت، بصارت درست ہو ان کیلئے رائج باتوں کے بارے میں مصادر پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

# فہرس


تمہید..... ۵

اثنا عشری شیعہ اور حیدرِ کرار کا شیعہ!؟..... ۲۱

سنی اور سُنیت..... ۵۶

اسلام کے ساتھ فرقہ کا کلمہ..... ۵۹

نرم گوشہ..... ۶۹

دینی درسگاہوں..... ۱۰۹

عزاداری..... ۱۱۵

اجتہاد و تقلید..... ۱۴۱

فقہاء اور مراجع عظام کی تقدیس..... ۱۴۹

دشمنان اہل بیتؑ..... ۲۲۵

شخص و شخصیت کی طرف دعوت..... ۲۳۱

اُصول دین اور فروع دین کی کسوٹی..... ۲۳۵

گذشتگان کی پیروی..... ۲۴۷

ہم وطنوں کی ناراضگی..... ۲۵۳

وصیت نامہ..... ۲۷۷

مصادر..... ۲۸۵

فہرس..... ۲۸۷

امام کی صفات وشرائط پر اتفاق سے متعلق اُمت فکری اور عملی دو میدان میں بدترین اختلاف کا شکار ہے، شرائط میں سستی یا معمولی اختلافات پر انحصار کرنے کے نتیجے میں مسلمان امامت کے بابرکت ثمرات سے محروم ہیں اور اس صورت حال سے تمام تر فائدہ دنیائے کفر وشرک اور یہود و نصاری کو اٹھا رہا ہے اس وقت اسلامی قیادت ورہبری نہ اہل سنت کو نصیب ہے اور جو اس مسئلے میں وسعت نظری کے قائل ہیں اور نہ ہی شیعوں کو جو اس مسئلے میں تنگ نظری اور خوارج کی تندو تیز لہجے استعمال کرتے ہیں اور دونوں کے ایک دوسرے کے موقف پر اختلاف، عداوت اور غلو گرائی اپنانے سے دین مقدس اسلام مسیحیوں کے مذہب کی مانند چند رسومات تک محدود ہو گیا ہے عقل وشعور رکھنے والے مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ماضی پر نوحہ کناں ہونے کی بجائے اس مسئلے میں مسلمہ اصول، عقل، قرآن حکیم اور مسلمہ روایات کی روشنی میں اپنے لئے فی زمانہ امام کا انتخاب کریں اگر دونوں فرقے کسی نکتے پر نہیں پہنچتے تو اپنے فرقے کی مفادات کو پس پشت ڈال کہ اسلام کے مفادات کو مقدم رکھیں اور اسلام کے مفادات کو اپنے پاؤں تلے نہ روندے اور دنیائے کفر وشرک کے ساتھ دینے کی وسعت قلبی نہ دیکھائیں اور اپنے فرقے والوں کو یہ نہ سکھائیں کہ ان سے تو یہود ونصاری اچھا ہے۔ ہم بحیثیت ایک شیعہ، اہل بیت علیہم السلام سے تعلق رکھنے والوں کو اس مسئلے کے بارے میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

قرآن میں

# امام واُمت

علی شرف الدین موسوی علی آبادی

طبع اول
ایک ہزار سے زائد صفحات

م

ن

ن

ب

# منجی بشریت کا انتظار

قرآن حکیم کے سورۂ توبہ آیت ۳۳ سورۂ فتح آیت ۲۸ سورۂ صف آیت ۹ سورۂ نور آیت ۵۵ سورۂ انبیاء آیت ۱۰۵، ان آیات کے علاوہ نبی کریمؐ سے وارد کثیر روایات میں اُمت اسلامی کو بشارت دی گئی ہے کہ ایک دن روئے زمین پر تمہاری آقائی و سروری ہوگی اور دین حق کفر و شرک کی جگہ جاگزیں ہوگا اور مومنین ذلت و خواری کے بعد زمین پر صاحبان عزت ہوں گے ایک مسلم حقیقت ہے۔ لیکن یہ وقت کب آئے گا؟ اس دن کی علامات اور نشانیاں کیا ہیں؟ اور اس سلسلے میں ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ وغیرہ.....

یہ تمام باتیں سورہ انعام ۱۴۸، ۱۱۶ یونس ۶۶ زخرف ۱، زاریات ۱۰ کہف ۲۲ اور دیگر آیات کے تحت خدا کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا چنانچہ اس حوالے سے بلند ہونے والا ہر قسم کا نعرہ، تربیتی نشستین اور تیاریوں کی باتیں صرف اور صرف دُنیا کے دجالوں کے کارندوں اور مفاد پرستوں کی طرف سے پیدا کردہ شور و شرابے ہیں جو ان کی طرف سے تاریخ اسلام اور اُمت اسلامی کی صفوں میں گھس کر ان کو گمراہ کرنے کیلئے کھولا جانے والا ایک بہت بڑا دروازہ ہے اسی خاطر اس طریقہ کار کی شکل و صورت کو وقتاً فوقتاً بدلا جاتا ہے۔

لہٰذا کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ پر کامل ایمان اور آئمہ طاہرینؑ کی سیرت و کردار پر پابند رہنے والوں پر دین و شریعت کے چہرے سے خرافات کا ازالہ کر کے اصلی چہرے کو سامنے لانے کی ذمہ داری بنتی ہے اور ان دجالوں کے پھیلائے ہوئے جالوں میں پھنسنے سے خود کو بچانا چاہیے۔